| جلد سوم | ماہ جمادی الثانی ۳۷ھ مطابق مارچ ۱۹ء | عدد نہم |
|---|---|---|

## مضامین

# بشارت

برادرانِ اسلام یہ سن کر خوش ہونگے کہ اعلیحضرت ناصر الاسلام والمسلمین محی الملت والدین ہز اگزالٹڈ ہائینس شہریارِ دکن خلد اللہ ملکہ و دولتہ نے ہماری استدعا کے بغیر صرف استحقاق پر نظر رکھکر سیرۃ نبوی کی مدمین چار ہزار آٹھ سو روپیہ کا عطیہ منظور فرمایا، یہ رقم ۲۰۰ ماہوار کی صورت مین دو برس تک خزانۂ عامرہ سرکارِ عالی سے جاری رہیگی، جزی اللہ السلطان عن الاسلام و اھلہ خیر الجزاء،

---

ہمارے ایک کرم فرما حافظ صاحب علی صاحب نے سنگاپور سے ہمکو چند قلمی کتابین عنایت فرمائی ہین جنمین سے ایک ابن بیطار کی جامع الادویہ ہے جو زیادہ تر مفردات ابن بیطار کے نام سے مشہور ہے اور اسی نام سے مصر مین چھپ بھی ہے، یہ نسخہ نہایت عمدہ بخط غرب سنہ ۱۰۹۹ کا لکھا ہوا ہے، ابن بیطار ساتوین صدی ہجری کا مشہور عالم نباتات ہے، اسکے حاشیہ پر ابن یحییٰ بن عیسیٰ کی کتاب منہاج البیان فیما یستعملہ الانسان ہے، ابن یحییٰ قدیم طبیب ہے، سنہ ۴۹۳ھ اسکا سال وفات ہے، یہ کتاب علم نباتات طبیہ مین ہے، آخر مین اسی کتاب کے ضمیمہ کے طور پر ایک اور کتاب اسی علم مین ملحق ہے، افسوس کہ اسکا نام ابتک معلوم نہو سکا، دو اور قابل ذکر کتابین ہین، شرح حکمت العین جو فلسفہ مین بہترین کتاب ہے، اُسپر ملا میرزا جان اور میر سید شریف کا حاشیہ نہایت شیرین ایرانی خط، اور ملا نظام الدین کا حاشیہ شرح عقاید جلالی پر، یہ حاشیہ سنہ ۱۲۲۳ مین بمقام چیناپٹن نقل ہوا ہے، ناقل کا نام محمد فاضل ہے، غالباً یہ وہ زمانہ ہے جب ملا بحر العلوم مدراس مین تشریف فرما تھے،

سیرۃ نبوی نے مسلمانون کے ہر طبقہ مین جو مقبولیت حاصل کی ہے، اسکے لحاظ سے آپ یہ سُن کر متعجب ہونگے کہ ہندوستان کے مختلف صوبون کی زبانون مین اسکے ترجمہ کی تیاریان ہو رہی ہین، بنگالی مین مولوی محمد اکرم صاحب ناظم مجلس علماے بنگال صرف سیرۃ نبوی کے انتظار مین اپنی سیرت کا مسودہ روکے ہوے تھے، برمی زبان مین مختصر سیرت شائع ہو رہی ہے، انگریزی ترجمہ کے لئے مولوی مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹرایٹ لا (ووکنگ) تیاری کر رہے تھے، ادہر انکا حال ہمین معلوم نہین لیکن سب سے زیادہ حیرت یہ سُن کر ہوگی کہ مرہٹی زبان مین ترجمہ کرنے کے لئے بڑودہ کی ایک مسلمان تعلیم یافتہ خاتون نے ہمت کی ہے،

---

ڈہاکہ سے ایک مخدوم نے جنہنے کتبخانہ کے بعض نوادر درحقیقت جواہرات مین تلنے کے لائق ہین ہمارے پاس گربہ نامہ (بلی نامہ) ایک قصہ کی چند ورقہ کتاب اس تمہیدی خط کے ساتھ بھیجی ہے کہ "مجھے یقین ہے کہ دار المصنفین کے قبضہ مین ایک بڑا کتبخانہ ہے تاہم یہ حسن ظن نہین کہ گربہ نامہ اسمین موجود ہے اسلئے بازار سے دو پیسے کی خرید کر بھیجتا ہون" یہ اُردو نثر مین گربہ مسکین کی مختصر سوانح عمری ہے، زبان پرانی ہے مگر روان، قدیم اُردو کے دستور کے مطابق حرف اضافت کی تقدیم و تاخیر ہے، جا بجا آیات قرآنی، احادیث، فارسی اساتذہ کے اشعار، اور ہندی دوہے ہین، خیالات و مضامین سے مولویت جھلکتی ہے، آخر مین مصنف نے اپنا نام فقیر غلام علی آزاد بتایا ہے،

---

اس سے مراد اگر میر غلام علی آزاد بلگرامی ہین جیسا کہ قرائن کی شہادت ہے تو اس نظریہ مین اب غور کرنا پڑیگا کہ اُردو نثر کی سب سے پہلی کتاب فضلی کی دہ مجلس ہے، جیسا کہ مولوی محمد حسین آزاد مرحوم کا دعوی ہے، یا میر غلام علی آزاد کا یہ چند ورقہ رسالہ ہے، یہ دونون بزرگ ایک ہی زمانہ مین تھے،

# مقالات

## موجودہ نظربندان اسلام

### علمی، مذہبی، اور اخلاقی نقطۂ نظر سے

(۳)

دردکیشم راہ درمان می زنم　　سینہ ریشم بر نمکدان می زنم

تو جنونستم د ماغم دیگر است　　خویش را بر سنگ طفلان می زنم

بادہا خوردند و محفل بر شکست　　دردمئے بریاد رندان می زنم

بلبلان دانند کین گلبانگ شوق　　گرچہ دشوار است آسان می زنم

عزیزان ملت! گذشتہ دو صحبتون مین مردان اسلام کے جو کارنامے مین نے تم کو سنائے ہین، یہ اس عہد کے واقعات ہین جب تمہارے اسلاف کائنات ارضی پر حکمران تھے، اور دین و دنیا کے برکات ظل ہمانکر تمہارے بزرگون کے سرون پر سایہ افگن تھے، و نیا کی تاریخ مین جو انقلاب چند صدیون سے پیدا ہو رہا ہے، اس سے امید تھی کہ تمکو اپنے موروثی اخلاق کی نمائش کا موقع غالبًا اب نہین ملیگا،

دولت برطانیہ جس نے ۱۷۵۷ء کے معرکۂ بنگال فتح کرنے کے بعد اس سرزمین کی خداوندی کا اعلان کیا، اس نے اپنی شہنشاہی کی عمارت جن ستونون پر قائم کی وہ عدل و انصاف اور قانون دستور تھا اس بنا پر ہم سب کو خیال تھا کہ جبر و اکراہ اور ظلم و ستم کا وجود کم از کم ہندوستان سے مفقود ہو گیا، اور اسلئے فرزندان اسلام کو اپنے بزرگون کی متروکہ اخلاقی وراثت کے اظہار کے موقع نہ مل سکیگا،

لیکن واقعات عالم نے ظاہر کر دیا ہے کہ دنیا سے شر کا وجود کم سے کمتر کیا جا سکتا ہے،

لیکن معدوم محض نہین کیا جا سکتا، چنانچہ اتفاق سے ایسے حوادث پیش آے جنکے اثرات اور نتائج نے حکومت کو سخت گیری پر مجبور کر دیا، اور ایسے قوانین کے استعمال کی ضرورت پیش آئی جو ہر سلطنت مین ہمیشہ اسی طرح ظاہر ہوتے رہے ہین، اور اُنکے نیک و بد ہونے کے متعلق فرمانروا اور فرمانبر طبقون مین اختلاف رائے بھی ہمیشہ اسی طرح رہا ہے، حکمران طبقہ ان قوانین کے وضع اور استعمال مین اپنے کو حق بجانب سمجھا ہے، اور محکوم اُنکو سنگدلی اور جور و ستم کے مرادف قرار دیتا ہے،

عہد برطانی مین اس قسم کا موقع سب سے پہلے ۱۸۵۷ء کے غدر مین پیش آیا، سیکڑون اشخاص جو واقعاً مجرم تھے یا قانون کی نگاہ مین قابلِ تعزیر تھے، سخت سے سخت سزا برداشت کرنیکے لئے انکو نیا ہونا پڑا، عام رعایا کے علاوہ امرا اور علما کی جماعت بھی کم نہ تھی، بہار و بنگال کے وہابی علما کا فتنہ جو محض انسانی غلط فہمی کا کرشمہ تھا بدترین صورت مین نمایان ہوا، معمورۂ صادقپور (پٹنہ) جو اس صوبہ کے علما کا مرجع تھا ویرانہ بن گیا، علماے کرام کی ایک جماعت قانونی مجرم کی حیثیت سے جزیرۂ انڈمان کو جلا وطن کر دیگئی،

واقعات غدر کے سلسلہ مین جن بزرگون کو قید اور جلا وطنی کی صعوبتین اٹھانی پڑین اُنکی فہرست طویل ہے، لیکن ہمارے مضمون کے تعلق سے دو صاحبون کے نام کبھی فراموش نہین ہو سکتے یعنی مولانا فضل حق خیرآبادی، اور مفتی عنایت احمد صاحب یہ ہندوستان سے جلا وطن کر کے بعبور دریاے شور انڈمان بھیجے گئے، اور ایک مدت تک وہان زندہ رہے، لیکن ان خوش نصیب قیدیون مین نہ تھے جنکی آنکھون نے اپنے بچپن کے گہوارہ اور اپنی جوانی کے معرکہ گاہ کو دوبارہ دیکھا، تاہم اسکی محبت اُنکے دل سے فراموش نہین ہوئی، اور ہزارون کوس دور سے اہل وطن کے لئے اپنے خون جگر (تصنیفات) کا تحفہ بھیجا،

مولانا فضل حق خیرآبادی ہندوستان مین فلسفہ و حکمت کے امام تھے، عربی کی تمام درسگاہون مین جہان فلسفہ و حکمت کا نشان ہے، انکا نام بطور یادگار موجود ہے، ہدیۂ سعیدیہ کے مصنف سے ہندوستان کا

کون عربی خوان ناواقف ہے، وہ نامور فلسفی ہونے کے ساتھ عربی زبان کے بہت بڑے ادیب تھے، اُنکے حبسیات، یعنی زمانۂ قید کے عربی قصاید لطف زبان، اور خیالات کے لحاظ سے عجیب نادر چیز ہے، خواتین فرنگ کے ساتھ تشبیب اور یورپ کے طرز تمدن کا خاکہ ان قصاید مین خوب اُڑایا ہے،

مفتی عنایت احمد صاحب ایک نہایت جیّد اور مقدس عالم تھے، اُنھون نے عالم غربت سے جو تحفہ بھیجا وہ قوم کے بچون کے پسند آیا، یعنی صرف مین علم الصیغہ لکھکر بند کی، جو اب اکثر مدارس مین رائج ہوگئی ہے، اس کتاب کی تصنیف کے وقت مصنف کے سامنے کاغذ کے سادہ صفحات اور شام غربت کی سیاہی کے سوا کچھ اور نہ تھا، ان صفحات مین علم وکمال کا جو نور نظر آتا ہے وہ صرف مصنف کے دل ودماغ کا فیضان ہے،

یہ فتنۂ مشرق (غدر) کی مختصر داستان تھی، برطانیہ کے انتظام ملکی کا سمندر اب نہایت سکون اور خاموشی کے ساتھ روان تھا؛ دفعتہً ۱۹۱۴ء کے ۵۷ برس بعد فتنۂ مغرب (جنگ یورپ) نے سر اٹھایا، سمندر کی طغیانی اور جوش وخروش جوشش مریخی کا لازمی نتیجہ تھا پیدا ہوگیا، اور ایسے قوانین وضع ہوئے اور زیر عمل آئے، جنکی نسبت ملک کے مختلف طبقات نے قانون نظام عالم کے مطابق مختلف رائین ظاہر کین لیکن عملاً اسکا اثر یہ ہوا کہ اسلام کے بعض جانباز فرزند سنت پدری کے اختیار کرنے پر حکماً مجبور کئے گئے،

ان نظربندون کی فہرست گو بڑی ہے لیکن مجھکو ان مین سے صرف پچیس تیس نام معلوم ہین جو پنجاب، سندھ، صوبہاے متحدہ، بہار، بنگال، مدراس اور رنگون، ہندوستان کے مختلف صوبون سے تعلق رکھتے ہین،

اس مضمون مین اس سے بحث نہین ہے کہ جن شبہات کے ماتحت انکی گرفتاری او نظربندی عمل مین آئی ہے، کہانتک صحیح ہین، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اخلاقی، مذہبی اور علمی حیثیت سے ہمارے

نظربندوں نے اپنی زندگی کا جو نمونہ پیش کیا، وہ تاریخ اسلام کے گذشتہ کارناموں سے کہانتک مطابق ہے، اس جماعت مین علماء بھی ہین، جدید تعلیم یافتہ بھی، عام مسلمان اور تاجر بھی ہین، اور مقدسین وارباب مصلیٰ بھی، لیکن بحمد اللہ کہ سخت صعوبتون مصیبتون اور مشکلون کے ہجوم مین بھی ایک کے سوا ان مین سے کسی نے کوئی ایسی بات نہین کی جو انکو انکی روایات تاریخی کی عدالت مین مجرم قرار دیسکے اور انکے سیزدہ صدسالہ کارنامون کے دامن پر بدنما داغ لگا سکے۔ اسلئے ۱۹۱۴ء سے لیکر ۱۹۱۹ء تک کا زمانہ مسلمانان ہند نے بسر کیا وہ انکی پرفخر صدیون کے سامنے شرمندہ نہین ہے،

۱- حق و باطل کا فیصلہ مشکل ہے، لیکن انسان کی خوبی یہ ہے کہ جس چیز کو وہ اپنے نزدیک حق جانتا ہے، اور جسکو وہ ایمان سمجھتا ہے، سخت سے سخت تہدید، سخت سے سخت مصیبت اور شدید سے شدید مخالفتون کے باوجود بھی اسمین تزلزل نہ پیدا ہو، وقت کی تاریکی، راہ کی سختی اور فضا کی آندہی بھی اسکے قدم کو جادۂ استقامت سے ہٹا نہ سکے، بحمد اللہ کہ اس اخلاقی معیار مین ہمارے کسی نظربند نے ہکو ناکام نہین کیا، تمام ہندوستان کو معلوم ہے کہ حکومت نے اپنی مہربانی سے چند شرائط پر انکی آزادی کا وعدہ کیا لیکن وہ جسکو حق سمجھتے تھے، اُس سے ہٹنا اُنھون نے گوارا نہین کیا،

۲- ان مین سے اکثر ایسے تھے جنکی مالی حالت نہایت تنگ تھی، بلکہ بعض ایسے بھی تھے جنکو انکا ماہوار وظیفہ خود انکی ذات کے لئے کافی نہ تہا، اہل و عیال اور متعلقین کے لئے خدا کے سوا کسی اور کا سہارا نہ تہا، تاہم یہ گرانباری بھی اُنکے قدم کو ڈگمگا نہ سکی،

۳- مذہبی حالت کے لحاظ سے دیکھئے تو ان مین جدید تعلیم یافتہ اشخاص نسبتہً مذہبی پابندی مین ڈھیلے تھے، لیکن سچ یہ ہے کہ جو ایمان کلبۂ احزان اور مصیبت کدۂ زندان نے چند برسون مین اُنکے دلون مین راسخ کردیا وہ عیش و راحت کے ایوانون نے سالہا سال مین بھی نہین پیدا کیا،

۴- ان مین سے اکثر صاحبون کو یہ عالم زندان مین نظر آیا کہ اپنے نزدیک جس حق کی خاطر یہ تکلیفین

اُنھون نے گوارا کی ہین، اُسکے اصلی سرچشمہ پر کیونکر قابو پایا جا سکتا ہے، خدا نے اُنکو شرح صدر عطا فرمایا، قرآن مجید کے پڑہنے اور سمجھنے کا ولولہ اُنکے دلون مین پیدا ہوا، عربی زبان سیکھنے کی اُنھون نے کوشش کی عام علوم دینیہ کی واقفیت کی اُن مین ترغیب پیدا ہوئی، اور ایک حد تک وہ اسمین کامیاب ہوئے، اور عجب نہین کہ جن دوستون کو ہم نے مسٹر کہکر وداع کیا تہا آیندہ ملا کہکر ہم انکا استقبال کرینگے،

**مولانا محمود الحسن** امام العصر شیخ الہند مولانا **محمود حسن** اور اُنکے رفقاے کرام ہمارے دوسرے نظر بندون کے مقابلہ مین مختلف حیثیتون سے ترجیحی پہلو رکہتے ہین، لیکن اُنکے اس شرف اور امتیاز کا کوئی حریف نہین ہو سکتا کہ اُنھون نے اپنی نظر بندی کا آغاز اس سرزمین اور اس آبادی سے کیا جسکے ایک گوشہ مین "اسلام کا سب سے پہلا نظر بند" شعب ابی طالب مین تین برس محصور رہا، اور اسلئے کہا جا سکتا ہے کہ مولانا کو جس طرح اپنے دیگر اعمال مین سنت نبوی کے کامل اتباع کا ذوق و شوق تہا، اللہ تعالے نے اس آخری عمل مین بہی اسوۂ محمدی کا شرف اُنکو عنایت فرمایا، سچ ہے المرء مع احبّ، ہمارے نظر بندون کو باایں ہمہ صعوبات ترک وطن کی تکلیف اُٹہانی نہین پڑی، لیکن اس مرد راہِ خدا کو یہ مصیبت بھی اُٹہانی پڑی درست ہے، حسنات الابرار سیئات المقربین،

مولانا اور اُنکے رفقا نے جدّہ، مصر، اور مالٹا مین اپنی قید کا زمانہ بسر کیا، لیکن اُنکے یہ تمام ایام جس ذوق و شوق، ولولہ و جذبات اور مبارک اشغال مین گذر رہے ہین، اور اس پیرانہ سالی مین وطن سے ہزارون کوس دُور جس ثبات قدم اور رسوخ عزم کے ساتھ وہ اس سنگلاخ زمین کو طے کر رہے ہین، وہ گذشتہ ائمہ کرام کے عہد ماضی کی یاد تازہ کر رہا ہے، ایمان، و تلقین، صبر و شکر، تسلیم و رضا کا وہی نظارہ ہماری آنکھون کے سامنے ہے جو تاریخ کی دُوربین ہمکو کبھی مکہ کے غارون مین، کبھی بغداد و دمشق کے قیدخانون مین، اور کبھی بلخ و ہرات اور نیشاپور کے زندانون مین دکہاتی ہے، تلقین ایمان، نشر علم، اور اشاعت حدیث کا جو فرض وہ دارالعلوم دیوبند کے حجرون مین انجام دیتے تھے وہ مالٹا کے

نمبر ۲۲۱۹ کے کوٹھری مین انجام پا رہا ہے،

مولانا اور اُنکے رفقار کے اشغال کا نقشہ مولانا کے اس صحیفۂ عالیہ سے ظاہر ہوگا جو اپنے بھائی کے نام اُنھون نے رقم فرمایا ہے،

یان اسیران قفس تک کوئی پہنچا گل برگ ... بھیجے غربت مین شفیقان وطن کا کاغذ

... بالجملہ ہم سب بحمد اللہ بخیریت ہین، اور راحت سے ہین (۱) آپکو یہ نا لکھنے کے بعد وہیں روز کے بعد یہ ہوا کہ ہم لوگ مصر سے کچھ ترقی کر کے مالٹا آ گئے ہین، مسافت تو کچھ بڑھ گئی مگر تکلیف کچھ نہین بلکہ یہان راحت زیادہ ہے، الحمد اللہ گو اس عرصہ مین حالات وطن سے بےخبری رہی مگر دُور دراز کے وہ حالات معلوم ہوے جو خواب مین بھی نہ دیکھے تھے آدمی جب تک زندہ ہے حرکت زمانی تو کسی وقت رکتی نہین مگر حرکت زمانی اور حرکت مکانی دونون مل کر بہت سے انکشافات جدیدہ کے موجب ہوگئین،

ستبدی لک الایام ما کنت جاھلا ... عنقریب زمانہ تجھپر بہت سی نامعلوم باتین ظاہر کردیگا اور تجھے

ویاتیک بالاخبار من لم تزود ... وہ شخص خبرین دیگا جسکو تو نے اس غرض سے بھیجا نہین،

متعدد اسباق و دیگر مشاغل مین اچھی طرح گذر رہی ہے، ادہر دتجعون من اللہ مالا یرجون (انکو خدا سے وہ امیدین ہین جو انکو نہین) کا مبارک سلسلہ بھی ایسا نہین کہ جو کسی وقت منقطع ہو جاے

الحمد اللہ ثم الحمد للہ

**مولانا ابوالکلام آزاد** اگر ہمارے نظر بندون مین کوئی ایسا ہے جو اسوۂ محمدی پر فائز ہوا تو ہم مین ایک اور ہستی ایسی ہے جو اسوۂ یوسفی کے درجہ پر ممتاز ہوئی، اور جو زندان مین بھی جا کر ترانۂ سنج یا صاحبی السجن ءارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار ہے، جس عزم، استقلال، استغنا اور قوت ایمانی کے ساتھ یہ زمانہ مولانا نے بسر کیا ہے وہ ان علماے اعلام کی یاد کو تازہ کرتا ہے جنکے واقعات دو سلسلون مین تم کو ابھی سنائے جا چکے ہین، شاید سبکو معلوم ہو کہ اُنھون نے حکومت کا وظیفہ لینے سے انکار کیا اور

اعانت نظر بندان کا ماہوار عطیہ بھی قبول نہین کیا، پھر یہ زمانہ وسیع مصارف کے ساتھ وہ کیونکر بسر کر رہے ہین اسکا علم خدا کو ہے، اس زمانہ مین انکو جو مالی دقتین کبھی کبھی پیش آئین وہ صرف عِبَادِیَ الشَّکُوْر کے رمز مین پنہان ہین۔

یہ معلوم ہوگا کہ رات کو انکو گھر سے نکلنے کی اجازت نہین دیگئی، اس بنا پر وہ نماز عشا کی جماعت مین شریک نہین ہوسکتے تھے لیکن انھون نے گوارا نہین کیا کہ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ کے اصول سے انحراف کرین، انھون نے حکومت سے اجازت چاہی اور جب اسپر بھی کوئی جواب نہین ملا تو انھون نے برملا اعلان کر دیا کہ اداے فریضۂ الٰہی مین انسانون کے فرمان مانع نہین آسکتے، لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق،

آہ! ہم مین سے کتنے ایسے ہین جو آزادی کے بستر سے بھی اُٹھکر خدا کے آگے سر نہین جھکاتے ہین اور ایک وہ عباد صالحین ہین جو قید و تنگی مین بھی مساجد الٰہی کی یاد فراموش نہین کرتے،

رانچی ایک ایسا مقام تھا جہان مسلمان نہایت ذلت و نکبت کی حالت مین تھے، جہالت اور باہمی مذہبی خانہ جنگی نے انکو گرد و پیش کے حالات سے ناواقف رکھا تھا، عیسائی مشنریون کا جال تار کی طرح پھیلا تھا، عالم دین کا اس خطہ مین وجود نہ تھا، مذہبی احساسات کی رُوح ان مین مُردہ تھی لیکن مولانا کے پرتو صحبت نے چند ہی سال کے بعد وہان کی زمین و آسمان کو بدل دیا، اب ہم وہان اسلامی انجمن کا نام سنتے ہین، ایک مدرسہ اسلامیہ کی بنیاد و تعمیر دیکھتے ہین، علما و مشاہیر کے مواعظِ حسنہ کا جلوہ وہان نظر آتا ہے، مذہب اور ملت کی رُوح کو اُنکے جسم و تن مین جنبش کرتے ہوئے پاتے ہین، اور وہان کے فقرا اور خاک نشینون مین اب یہ حوصلہ دیکھتے ہین کہ علم کا پہلا کعبہ اس دیار مین وہ خود اپنے زور بازو سے قائم کرکے رہین گے، جہان ایک عالم دین کا وجود نہ تھا، وہان اب کوششین ہو رہی ہین کہ سیکڑون علماے دین اسی کی خاک سے پیدا ہوکر اس سرزمین کو منور کرین، جہان مسجدین بے چراغ تھین وہان ایک پرتوِ خورشید سے دیر و حرم سب اجالا ہوگیا، جمعہ اور عیدین کے مجامع

اس سرزمین مین جہان اسلام کی کوئی صحبت بہی بہم نہ تھی، وہان اب موکب شاہی کا دہوکا دیتے ہین،

زمانہ قیام رانچی سے ایک سال تک جامع مسجد مین انھون نے مسلمانون کو قرآن مجید کا درس دیا

اب زیادہ تر اوقات تالیف و تصنیف مین بسر ہوتا ہے ترجمان القرآن یعنی قرآن مجید کا موتر تفسیری ترجمہ اسی زمانہ مین ختم ہوا، البیان تفسیر قرآن مین ایک جامع تصنیف کا سلسلہ ۲۲ پارون تک پہنچ چکا ہے، فقہ اسلامی پر بغیر فریقانہ تعصب کے صرف کتاب و سنت کو پیش نظر رکھکر متعدد رسائل الصلوٰۃ، الزکوٰۃ، الحج، النکاح ترتیب دیا، سوانح مجددین اسلام کا سلسلہ شروع کیا، اور اس مین علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم، اور شاہ ولی اللہ صاحب کے سوانح و مجتہدات قلمبند کئے ایک رسالہ منطق اور بعض دوسرے عنوانات علمی پر تحریر کیا،

ان سطرون کے لکھتے وقت ہمکو یہ دہوکا ہو رہا ہے کہ کیا ہم خود ابن تیمیہ اور ابن قیم یا شمس الائمہ سرخسی اور امیہ بن عبدالعزیز اندلسی کے حالات تو نہین لکھ رہا ہون؟

محترم محمد علی و محترم شوکت علی[۱] ان دونون بہائیون کے سوانح زندگی کا ایک ایک حرف اخبار بین طبقہ کے سامنے ہے، جذبۂ ملت، اور اس راہ مین سرفروشی اور جانبازی اگر علماے کرام سے ظاہر ہو تو ہم کہین گے کہ انبیاے اولوالعزم، اصحاب کبار، اور بزرگان دین کے کارنامے اُنکی آنکھون مین ہین، بچپن سے جوانی تک اپنی تعلیم و تربیت کا زمانہ علما اور صالحین کے آغوش مین بسر کیا، لیکن ہماری حیرت کی انتہا نہین رہتی جب ہم وہی ولولۂ ملت پرستی، وہی ذوق و شوق خدمت دینی، وہی جذبۂ اخلاق نبوی ہم ان مین بہی پاتے ہین، جنھون نے نہ صرف غیر علما کے گودون مین تربیت پائی، بلکہ نامسلمانون کے دامنِ تربیت مین پل کر جوان ہوے، اور ہمیشہ اس تعلیم و تربیت کے زیرسایہ رہے جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ مسلمانون کی قومی و مذہبی رُوح کے قتل کرنیکا مسموم آلہ ہے:

---

[۱] کیا "مسٹر" کی جگہ اس لفظ کو آپ رواج دینگے؟

دلی کی جامع شاہجہانی مین جمعہ کے دن انکے وداع عام کا منظر جن آنکھون نے دیکھا ہے وہ اس کیف کو ابتک بھولے نہین ہین، چندوارہ ممالک متوسط کا وہ مقام تہا جہان آغاز تخلیق عالم سے سنہ ۱۹۱۲ء تک روحانی مناظر کا کوئی جلوہ فروغ چشم نہین ہوا، نہ صرف اس چھوٹے سے ضلع مین بلکہ ممالک متوسط کے پورے احاطہ مین اسلام تن مردہ تہا، مسلمانون مین بیکسی، بیچارگی اور موت تھی، لیکن ان دونون بہادرون کے ورود کے بعد نہ صرف چندوارہ بلکہ تمام احاطہ مین ایک روشنی سی جہلک اٹھی ہے، ان دونون بہائیون کے نشۂ صحبت نے ننھے بچون سے لیکر ضعیف العمر بڈھون تک کو سرخوش بادۂ طہور بنادیا، اور جس بیباکی اور بہادری کے ساتھ وہ اپنے فرائض ادا کرتے ہین وہ انہین کا حصہ ہے۔

محترم محمد علی کا زیادہ تر وقت کتابون اور رسالون کے مطالعہ مین صرف ہوتا ہے، کہتے ہین کہ قوت فنا نہین ہوتی، اگر یہ سچ ہے تو وہ قوت نطق جسکے استعمال پر انکو قابو نہین ہے نغمات موزون کے شکل مین نکل رہے ہین، انکی نظربندی سے پہلے شاید یہ کسیکو معلوم نہ تہا کہ وہ تلمذ رحمانی کا بھی شرف اور سخن سنجی کا بھی جوہر رکھتے ہین، انکے حبسیات مین ہمکو وہ لطف ملتا ہے جو ابو فراس حمدانی (برادر سیف الدولہ حمدانی ملک الشام) کے رومی حبسیات مین ہے،

محترم شوکت علی کا وہ زمانہ ہمکو یاد ہے جب سب سے پہلے ہم دونون کو مدراس ایجوکیشنل کانفرنس کی تقریب سے ریلوے سفر نے اتفاق سے یکجا کردیا تہا، کچھ دیر کی بات چیت کے بعد جب مین نے نماز کی تیاری کی تو فرمایا نماز پڑھنے کو میرا بھی جی چاہا کرتا ہے لیکن دقت یہ ہے کہ وضو سے قمیص کے کف خراب ہوجاتے ہین، پھر سفر مین ہیٹ لگانیکی وجہ بیان کی کہ اس عجیب وغریب شئے سے ریلوے دائرۂ حکومت مین رعب واستیلا خوب پیدا ہوتا ہے، لیکن وہی شوکت علی ہین کہ خدام کعبہ کے بمبئی مین حاجیون کے جہاز کے قلیون کے دھکے کھاتے پھرتے تھے، پانچ چھ برس کے بعد دیکھا تو وہی خدام کعبہ کا سبز کوٹ جسمین جابجا قدامت اور فرسودگی نے گل بوٹے کتر دیے ہین انکے جسم پر ہے، وہ کف اور کالر

جسکے ضایع ہوجانے کا خوف وضو سے مانع تھا، وہ اُنکے لئے اب حلقۂ زنجیر ہے، حضرت مصعب بن عمیر کا واقعہ مجھے یاد آیا کہ یہ وہ تھے جو اسلام سے پہلے حریر و اطلس کی پوشاک پہنتے تھے لیکن اسلام کے بعد اُنکے جسم مبارک پر صرف موٹے کمل کا ایک ٹکڑا تھا،

چھندواڑہ مین مسلمانون کی آبادی بہت کم ہے اور جو ہے وہ مفلس ہے تاہم جس اسلام کے وہ پیرو ہین اُسکا نام بڑا ہے، ان دونون بھائیون کی کوششون نے یہان ایک عظیم الشان جامع مسجد کی بنا ڈالی، جسکے نیم تعمیری حالت مین دیکھنے کی مجھے بھی عزت حاصل ہے، ان دونون بھائیون کو تصویر مسجد در بغل راستون اور گلیون مین غریب و مفلس مسلمانون کے ہاتھ مین ہاتھ ڈالکر چلنے کا منظر جن آنکھون نے دیکھا، اس بادہ سرشار کی مستی اب بھی ان مین باقی ہے، اس مسجد کا نام خدا جانے لوگ کیا رکھین گے مین تو اُسکو شوکت الاسلام کہتا ہون،

مذہبی پابندی، عام اخلاقی محاسن، اور غربا کے ساتھ مساوات پسندی نے ان بھائیون کو محبوب القلوب بنا دیا ہے، مسلمان اور ہندو دونون ان سے محبت کرتے ہین، راستہ مین ایک طرف سے السلام علیکم کی آواز آتی ہے تو دوسری طرف سے بندے ماترم کا ترانہ سنائی دیتا ہے، حافظ ہوتے تو دیکھتے کہ اُنکا خیالی فلسفہ پانچ سو برس کے بعد عمل ہو گیا، ع با مسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام، اُنکی مذہبی وارفتگی اور ایمان کی تصویر دیکھنا چاہو تو اُنکے سفینۂ تحریک کی وہ چند سطرین پڑھو جو اپنی مشروط آزادی کے وقت حکومت کو لکھکر دی تھین یقیناً یہ طرۂ امتیاز اُنکے ناصیۂ محاسن پر ہمیشہ کے لئے یادگار رہجائیگا -

سید حسرت موہانی | حقگوئی، استواری عمل، پابندی اصول، تطابقِ قول و فعل مین تمام ہندوستان کے نامور مسلمانون مین اس شخص کا کوئی حریف نہین، یہ صرف تخیل اور شاعرانہ مبالغہ نہین ہے بلکہ ۱۹۰۸ء سے لیکر اسوقت کے زمانہ کا لمحہ لمحہ اس دعوی کی دلیل ہے، حسرت وہ نہین ہے جو حریت فکر اور آزادی قول کا غوغاے عام کی پرستش کی خاطر دم بھرتے ہین، اور جنکے جوش و خروش کے الفاظ محض چند گز کے ڈائس

اور پنڈال مین تلاطم برپا کرکے رہ جاتے ہین، اور جو کچھ وہ زبان سے کہتے ہین اسکو خوان سیاست کے لذیذ چٹخارے کے سوا کچھ اور نہین جانتے ہین، حسرت نے اسوقت مسلمانون مین آزادی کا مذہب اختیار کیا جب ہر طرف سیاسی بت پرستی کا رواج تہا، اور انتہا یہ ہے کہ نواب وقار الملک سے روشنفیر نے اُنکے خلاف گواہی دی، پہلی قید (۱۹۰۸ء) مین اگر وہ معافی مانگ لیتے تو آزادی حاصل کرسکتے تھے، لیکن یقیناً اُنکے کیریکٹر کی روح جس نے اب حیات جاودانی حاصل کرلی ہے، اسیوقت مردہ ہوجاتی،

آگرہ کی لیگ مین (۱۹۱۲ء) جب سر راجہ صاحب محمود آباد، مسٹر مظہر الحق اور دیگر اکابر وعلماے قوم نے وبیراے کے شکریہ کا رزولیوشن پیش کیاہے، اگرچہ بعض اصحاب دل سے اس تجویز کو بے محل سمجھتے تھے، لیکن جمہور اعظم ان بزرگون کے ساتھ تہا، آخری دفعہ جب یہ الفاظ کہے گئے کہ "رزولیوشن بالاتفاق منظور" تو ہزارون آدمیون کے مجمع مین ایک بھی نہ تہا جو اسکے خلاف سانس بھی لے سکا، ہر طرف اعتراف کی خاموشی تھی کہ دفعتہً ایک گوشہ سے استقلال سے بھری ہوئی ایک آواز نے خاموشی کا پردہ چاک کیا کہ "مین بدن جو اس تجویز کی مخالفت کرتا ہون" ہزارون آنکہین ایک ساتھ اُٹھین، دیکھا تو حسرت موہانی تھے،

غالباً سنہء مین پہلی قید سے چھوٹکر یہ لکھنؤ آئے، تو سودیشی تحریک شباب پر تھی اور حسرت دل سے اسکے حامی، جاڑے کا زمانہ تہا، رات کو انکے اوڑھنے کے لئے پائین مین کمل ڈالدیا گیا، کسی نے خیال بھی نہین کیا، لیکن آپ یہ سُن کر محو حیرت ہوجائین گے کہ رات بھر انھون نے سردی کھائی اور کمل اسلئے نہین اوڑہا کہ وہ ولایتی تہا، دن کے اجالے کو رات کی تاریکی مین بھی یاد رکھنے والا حسرت کے سوا ہم مین کوئی اور ہے؟

مین یہ نہین کہتا کہ حسرت اپنے تمام اصول مین صحیح ہین، اور اُنکے خیالات حرف بحرف درست ہین، لیکن مین یہ کہتا ہون کہ علی گڈھ کا گرنجویٹ جو بہتر سے بہتر قابلیت کا جوہر دکھا سکتا ہے، جو حکومت کے

ذمہ وار، نہ خدمات کو بجا لاسکتا ہے، جو چند سال کی محنت مین عدالت مین بحیثیت قانون دان کے کھڑے ہونیکا استحقاق پیدا کرسکتا ہے، لیکن وہ علی گڈھ مین اس طرح زندگی گذارتا ہے کہ چند آنے گز سے زیادہ کا کپڑا اسکے جسم پر نہین، اور بیوی کے علاوہ اسکے گھر کا کوئی دوسرا خدمتگذار نہین، یہ کوئی معمولی بات ہے

دوسری قید مین حسرت نے اپنی قوت اخلاقی کا جو نمونہ پیش کیا وہ ہندوستان مین ہمالیہ کی چوٹیون کے سوا اور کہین نظر نہین آسکتا، وہ ہمارے دوسرے نظربندون کی طرح صرف قوانین تحفظ ہند کے مطابق محدود الاختیار کیے گئے تھے، لیکن چونکہ وہ اس قانون کو حق و انصاف کے خلاف سمجھتے تھے اسلئے اسکی خلاف ورزی کی، اور دو برس کی قید برداشت کی، دوسرے نظربندون کی طرح انکے لیے حکومت نے وظیفہ مقرر کرنا چاہا، لیکن اس بے نواغنی نے یہ کہکر انکار کیا کہ "سید کے لئے صدقہ جائز نہین"، جس وقت میرٹھ کے جیل سے باہر نکلے، سب سے پہلے اپنے کھانے کا حساب اپنی جیب سے زبردستی ادا کیا، آزادی کے بعد حکومت نے انکو معتدبہ رقم دینی چاہی (جیسا کہ مجھکو ایک خط سے معلوم ہوا) لیکن حسرت نے ان تھیلیون کو راستہ کا پتھر سمجھا، حالانکہ اسی اثناے قید مین انکی دوکان سے ایک ہزار روپیہ کا مال چوری جاچکا تھا، اور سب کو معلوم ہے کہ حسرت اسکو بآسانی ادا نہین کرسکتے تھے، نہایت ہی اگر دوستون نے بھی اعانت کا بار اپنے سر لینا چاہا تو شکریہ کے ساتھ واپس کردیا،

سید حسرت نے سب سے زیادہ قید کی مصیبتین اور زمانہ کی تکلیفین برداشت کی ہین، لیکن استحکام، استقلال اور قوت صبر کا نمونہ بھی انکے مرقع حیات سے کہین اور زیادہ خوشنما نظر نہین آتا، علی گڈھ، للت پور، جھانسی، الہ آباد، پرتاب گڈھ، فیض آباد، لکھنؤ، اور میرٹھ کے قیدخانون مین قید کی شدید مصیبت برداشت کی، لیکن کبھی انکے جبین استقلال پر بل نہین آیا،

ادب اردو جسکے عناصر مین سے ایک حسرت کی ذات ہے، ان قیدخانون مین بھی وہ اسکی ترقی سے غافل نہین رہے، سید حسرت کے کلام کی زیادہ مقدار ایسی ہے جو فضاے بسیط، کنار جو، صحن باغ، دامن کوہ کے

ہمارے قیدخانہ کے تنگ و تار حجروں میں موزوں ہوئے ہیں، سچ کہا ہے،

ہے مشق سخن جاری، چکی کی مشقت بھی کیا طرفہ طبیعت ہے حسرت کی طبیعت بھی

غزلوں کے دیوان کے علاوہ سید حسرت نے دو سال کی تنہائی میں جس چیز کو اپنا رفیق غمگسار بنایا وہ انکی تصنیف نکاتِ سخن ہے، اسکا موضوع "محاسن و معائب شاعری" ہے، امید ہے کہ تذکرہ اسیران کے ساتھ ساتھ یہ لطیف تصنیف پبلک کے ہاتھوں میں آئیگی، سید حسرت نے تالیف و تصنیف کے علاوہ دوسری زبانوں پر بھی توجہ کی، مشترک ہندوستان کی بہبودی کی خاطر انھوں نے ہندی بھاشا پوری طرح سیکھ لی، ترکی زبان میں کچھ کچھ مہارت حاصل کی، عربی زبان جس سے وہ پہلے بھی کسیقدر آشنا تھے، حالتِ قید میں قرآن مجید، اور دیگر عربی کتب و رسائل کے مطالعہ سے اسمیں بھی خاطرخواہ ترقی کی، سید حسرت اپنے ایک مکتوب میں کس حسرت سے لکھتے ہیں،

مجھکو اس بات کا ہمیشہ افسوس رہتا ہے کہ جو عمر میں نے انگریزی تعلیم کی تکمیل میں ضائع کی، اُسے تکمیل عربی میں صرف ہونا چاہیئے تھا۔

مولوی محی الدین احمد علی۔ اس | یہ شخص گو گمنام ہی لیکن الحمد للہ کہ اس نے جو کام کیا وہ گمنام نہیں ہو سکتا، قصور (ضلع لاہور) وطن ہی کلکتہ کے کم عمر روزانہ اخبار اقدام کا ایڈیٹر تھا، اپنی نظربندی کا زمانہ دیسوہ نام ایک گاؤں میں بسر کیا، یہ پہلے عربی زبان سے بہت کم واقف تھے، حالت نظربندی میں ایک طرف تو قرآن مجید پورا حفظ کر لیا، دوسری طرف عربی زبان اس حد تک حاصل کر لی کہ اب رہائی کے بعد اپنے وطن میں قرآن پاک کے درس و تعلیم کیلئے ایک درسگاہ کی بنا ڈالنے کا عزم ہے، •

مسٹر تلک جب ایک قید سے آزاد ہوے تھے تو انھوں نے ہندوؤں کی قدامت پر ایک کتاب لکھکر ملک میں اپنی علم پرستی کا غلغلہ پیدا کر دیا تھا، لیکن بغور دیکھو کہ ہمارے نظربندوں میں سے ایک نے بھی اس راہ میں تلک سے کم کام کیا؟ تھے بسکہ دلپذیر محبت کے واقعات حسرت کچھ کچھ وہ اب بھی یاد مجھے ہیں جو سب نہیں

# تقویتِ دماغ

## ہر عمر کا آدمی ذہنی ترقی کر سکتا ہے

از مفتی محمد رشید الدین صاحب صدیقی بی۔ اے ال ال بی حیدرآباد دکن

۱- ہم میں سے بہت کم لوگ دماغ کے شبکات[1] کو انکے انتہائی نشو و نما تک پہنچاتے ہیں، فی الحقیقت ہمیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ ہم اپنے دماغی قوت کو کس حد تک ترقی دے سکتے ہیں،

۲- متوسط درجہ کا انسان اپنی دماغی قوت سے جسقدر فائدہ اٹھاتا ہے وہ عموماً اُس کی حقیقی قابلیت و استعداد کی بہ نسبت بہت کم ہوا کرتا ہے، اذکیاء[2] اور اعلیٰ درجہ کی دماغی قابلیت رکھنے والے اشخاص اس سبب سے ممتاز نہیں ہوتے کہ انکا دماغی مادہ معمولی انسان کے دماغی مادہ سے مختلف ہوتا ہے، بلکہ بعض انفرادی خصوصیات کی وجہ سے جو انہیں مجبور کرتی ہیں یا اس قابل بناتی ہیں کہ اپنے دماغوں سے کام لینے کی مداومت کریں،

۳- یہ سچ ہے کہ ان میں پیدائش ہی سے خیالی تسلسل افکار قائم کرنے، خیالات کی تلاش و جستجو رکھنے اور ذہن سے ہمیشہ کام لیتے رہنے کی طرف رجحانات[3] ہوا کرتے ہیں، لیکن وہی مواد جن سے وہ کام لیتے ہیں وہ اور تمام معمولی اشخاص میں بھی موجود ہوتے ہیں، فرق یہ ہے کہ نہایت ذی استعداد اشخاص میں یہ رجحانات فطرةً موجود ہوتے ہیں، لیکن معمولی شخص میں ان رجحانات کو پرورش کرنے اور بیدار و آمادہ بنانے کی ضرورت ہوتی ہے، حتیٰ کہ خیال کے لئے نئے نئے راستے[4] تیار ہو جائیں، اذکیاء میں خیال کے لئے یہ تمام

---

[1] "cells" اردو میں دو اور لفظ اسی معنی میں استعمال کئے گئے ہیں "بیوت" اور "خلیہ" لیکن میرے نزدیک "شبکات" زیادہ موزون معلوم ہوتا ہے، اصول وضع اصطلاحات پر انشاء اللہ فرصت ایک جداگانہ مضمون لکھونگا، [2] geniuses

[3] "channels" [4] tendencies

راستے غالباً شروع ہی سے کھلے ہوئے ہوتے ہین،

۴ دماغی ورزش کے طریقے ان طریقون سے مشابہ ہین جو کسرت کرنے والے سینے اور عضلات کی نشو و نما کے لئے کام مین لاتے ہین، دونون صورتون مین مضمر و مخفی طاقت کو ترقی اور تقویت دیجاتی ہے کسرت کرنے والے مناسب طرز بود و باش اور باقاعدہ ورزش جسمانی سے خود کو متحمل اور طاقتور بنالیتے ہین، اگر عضلات کا کوئی مجموعہ ضعیف ہوتا ہے یا قوت ارادی کی متابعت سے قاصر ہوتا ہے تو اس سے محنت لیجاتی ہے، حتیٰ کہ وہ ارادہ کا محکوم ہوجاتا ہے، یہی حال شبکات دماغ کا ہے،

۵- مثل دیگر حصص جسمانی کے دماغ مین بھی مخفی طاقتین محفوظ ہوتی ہین، جب کوئی وکیل کثرت کار سے تنگ جاتا ہے تو اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ شبکات وکالت کے عمل کو ملتوی کرکے دیگر شبکات دماغ کو برسرکار نہین لاسکتا، حالانکہ ایسے دیگر شبکات بھی اُسکے دماغ مین موجود ہوتے ہین جو اگرچہ سست اور معطل پڑے ہوئے ہون، لیکن بااین ہمہ یہ صلاحیت رکھتے ہین کہ اسکے سامنے مفید جدید خیالات کو پیش کرین،

۶- بڑے بڑے کارگذار اشخاص کی کامیابی اس بات پر موقوف ہوتی ہے کہ وہ علم ادب، حب انسانی، ایجاد، تفریح، مصوری، موسیقی وغیرہ مختلف مشاغل پر حکومت کرنے والے مراکز دماغ[1] کو برسرکار لاسکتے ہین، ایسا کرنے سے شبکات دماغ کے ہر مجموعہ کو باری باری سے فرصت ملتی رہتی ہے کہ تازہ دم ہوکر پھر اپنی روزانہ خدمت کی انجام دہی مین بہ حسن و خوبی مصروف ہوجائے، جو صاحب چست اور مستعد بنا رہنا چاہتے ہون اُنکو چاہیئے کہ اپنے پیشے یا معمولی کاروبار کے علاوہ کوئی ایسا شغلہ بھی رکھین جس مین انکا دل بہل سکے، بہ الفاظ دیگر ذہن انسانی کے لئے اوقات کارگذاری و اوقات آرام دونون کا ہونا ضروری ہے، لیکن "آرام سے نیند لینا" "غیر مفید تماشے دیکھنا" یا ایسی جگہ جاکر وقت گذارنا جہان باتین

---

[1] "Brain centers"

خوب سمجھاتی ہون، اگر غور و فکر سے دور رہا جاتا ہو، مراد نہین ہے،

۸- کوئی شخص اسقدر عمر کبھی نہین ہوتا کہ جدید تفکرات اور تیز تخیلات کو ترقی دو وسعت دینے کے قابل نہ رہے، جملہ دیگر حصص و اعضا کی انتہائی ترقی کے بعد بھی دماغ مین ترقی پذیر ہونے کی گنجائش باقی رہتی ہے، اور دماغ اسی سبب سے اس اعتبار سے ممتاز ہے کہ جب تک اس سے ورزش لیجاے، اسمین بڑھنے کی قابلیت موجود رہتی ہے، ادہیڑ عمر کو پہنچنے سے پہلے بعض دماغی شبکات مین اعلیٰ درجہ کی ترقی قبول کرنیکی صلاحیت ہی نہین ہوتی، دماغ انسانی کے خستہ و شکستہ حال ہوجانیکا ایک سبب یہ ہوتا ہے کہ اسکے شبکات کا کوئی ایک مجموعہ تو کثرت استعمال سے ناکارہ ہوجاتا ہے اور بہت سے دیگر مجموعے غفلت و عدم استعمال سے مختل و معطل ہوجاتے ہین، بعض شبکات دماغ ذہنیت کا انکشاف کرتے ہین، اور بعض عالم موجودات کی خوبیون کا اظہار، بعض ہمکو اپنے ماحول[1] کی غیر متناہی طاقتون کا دفعۃً یقین دلا سکتے ہین، بعض ہمکو بڑے بڑے امور کی نسبت خواب دیکھنے مین لگا سکتے ہین، اور اس قابل بنا سکتے ہین کہ ان خوابون کو سچا کر دکھائین،

۹- ہمارے اندر عجیب و غریب طاقتین مخفی ہین اور ہم انسے غافل ہین، یہ ارادہ کہ ہم زندگی مین کچھ کام کرین گے، ایک زبردست قوت ہے بشرطیکہ یہ حقیقت ہم پر منکشف ہوجائے، باوجودیکہ آدمی نے اپنی بعض ذہنی قوتون کو ایک حد تک ضائع کیا ہو اور بعض دیگر ذہنی قوتون کی جانب سے غفلت کی ہو تاہم تلافی مافات و ترقی ممکن ہے،

۱۰- جب تمہین کسی بات مین دلچسپی ہوتی ہے تو اسکے یہ معنی ہین کہ کسی غیر مستعمل دماغی راستہ کی کوئی شاخ ہے، جسمین سے ہوکر دماغی شبکات کے کسی ایسے مجموعہ کو راستہ جاتا ہے جو تمہین ایک نئی زندگی عطا کر سکتا ہے، ایسے وقت مین فوراً مشغول و منہمک ہوجانا چاہیئے، اسلئے کہ اس سے زیادہ مبارک

---

[1] "Environment"

موقع مشکل ہاتھ آسکتا ہے،

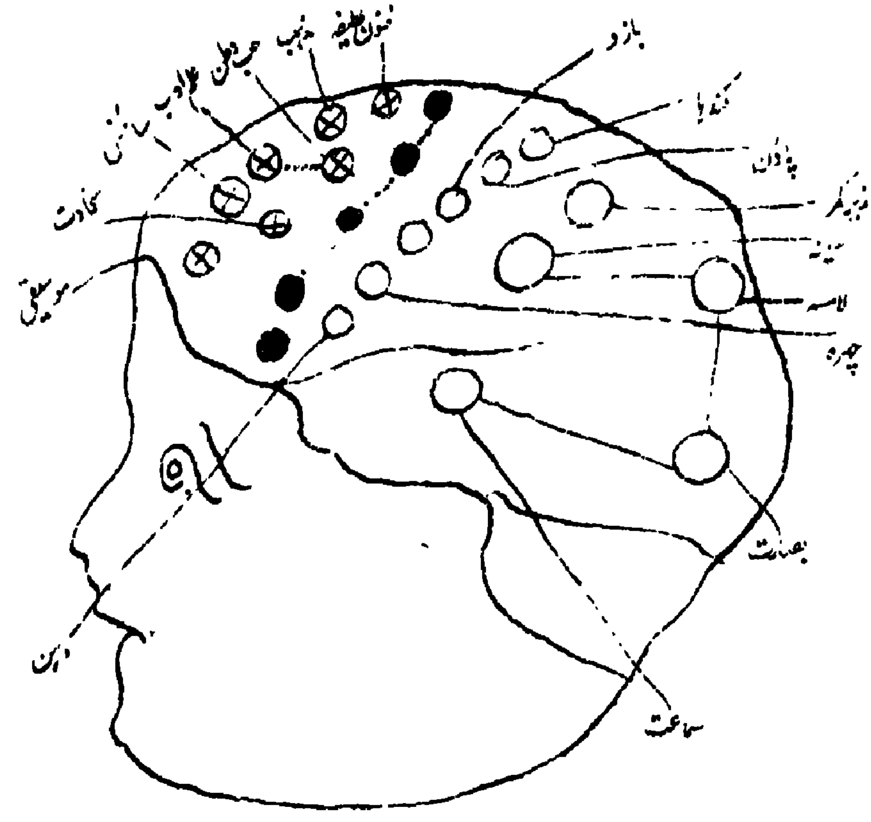
۱۱ - فرض کرو کہ تم کوئی کتاب دیکھنے کے لئے اٹھاتے ہو جسکا مضمون تمہارے لئے نیا ہے اور اور پھر تمہین اسمین دلچسپی پیدا ہونے لگتی ہے، اگر ایسا ہے تو تم اس مضمون کے اصول کا مطالعہ شروع کردو، جو لوگ اس مضمون کے عالم ہون انسے بات چیت کرو، اور بعد ازان اس پر حاوی ہوجانے کی کوشش مین مصروف ہوجاؤ،

۱۲ - اگر مضمون ایسا ہے جو تمہارے معمولی کام سے مطلق کوئی علاقہ نہین رکھتا تو اور بھی بہتر ہے، نیز اس بات سے کہ وہ تمہاری دلچسپی کا باعث ہوتا ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارے دماغی شبکات کا ایک مجموعہ کام مین لگادیئے جانیکا منتظر ہے، ممکن ہے کہ یہ بات کسی جدید اور عجیب قابلیت کے نشو ونما اور ظہور کا وسیلہ ثابت ہو، اور یہی بات بعض لوگون کے حق مین شہرت اور دولت کا باعث ثابت ہوئی ہے۔

## اس دماغ کی شکل جس سے ورزش نہین لی گئی

سفید دائرے ان شبکات کو دکھلاتے ہین جو روزمرہ کی زندگی مین برسرکار رہتے ہین، سیاہ دائرے ان شبکات کو بتلاتے ہین، جنکے واسطے سے ان شبکات مین جو روزانہ معمولی کاروبار مین مشغول رہتے ہین، اور ان شبکات مین جن سے اعلیٰ درجہ کی ذہنی قابلیت متعلق ہے، رابطہ و تسلسل قائم رہنا چاہیئے، لیکن یہ درمیانی شبکات کافی اور ضروری ورزش سے محروم رکھے گئے ہین، لہذا سفید دائرون کا رابطہ انکے توسط سے مخطط دائرون کے ساتھ قائم نہین ہے، حالانکہ اعلیٰ خیالات اور اعمال انہین مخطط دائرون کے تابع ہین، تقویت دماغ کا جو اصول مضمون ہذا مین بتایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جملہ دماغی شبکات کو یعنی سفید، سیاہ اور مخطط تینون قسم کے دائرون کو آپس مین نالیون یا راستون کے ذریعہ سے مربوط کردیا جائے، جسکا عملی طریقہ یہ ہے کہ انسان مختلف اقسام کے

شناس مین اپنا وقت صرف کرے، اور کسی ایک ہی شغلہ کا ہو رہے، تاکہ جملہ شبکات دماغی کو باری باری سے آرام اور کارگذاری کا موقع ملے، اور ان سب مین باہمی ربط و تسلسل قائم ہوجائے، ایسا ہونے پائے کہ کوئی ایک مجموعۂ شبکات کثرت کار سے ناکارہ ہوجائے، اور باقی مجموعے مختل اور معطل پڑے رہین،




۱۳- دماغی شبکات کے تمام مجموعے راستون یا نالیون کے ذریعہ سے باہم ملے ہوے ہین، لیکن جب تک نالیون کو کاٹ چھانٹ کر کھول نہ دیا جائے انکو برسرکار نہین لایا جاسکتا، یہ نالیان مادۂ دماغی کی کل سطح پر پھیلی ہوئی ہین، ایک دوسرے سے ملائی جاسکتی ہین، قوت فراہم کرنے کے لئے انکو بند کیا جاسکتا ہے، اور پھر کھولا جاسکتا ہے، تاکہ فراہم شدہ قوت انسان کی عظمت اور خدا کی قدرت کے اظہار مین صرف ہو،

۱۴- دماغی ورزش اور نشو و نما سے کیا مراد ہے؟ اسکی ایک مثال درج ذیل ہے،

فرض کرو کہ تمہین زباندانی کا کیقدر شوق ہے، یہ رغبت اس نالی کو کھول دیتی ہے، جو دماغی شبکات کے اس مجموعہ کی طرف جاتی ہے جو زباندانی پر حکمرانی کرتا ہے، اور تمہاری باتون مین دلچسپی پیدا ہوجاتی ہے، خواہ تم سیاست پر گفتگو کرو یا تعلیمات پر، تم اپنے مخاطب یا سامع کو محو بنا دیتے ہو، مناسب الفاظ اور نئے خیالات بے تکلف تمہاری زبان پر آنے لگتے ہین، اور یہ دماغی نالی کو اور زیادہ گہرا بنا دیتے ہین، یہانتک کہ تمہین علم ادب کے ساتھ مناسبت پیدا ہوجاتی ہے، اور یہ مناسبت وصلۂ تصنیف و تالیف مین ہیجان پیدا کردیتی ہے،

۱۵- اسی طرح ممکن ہے کہ تمہاری رغبت کسی اور نالی یا راستے کو کھول دے، مثلاً اس نالی کو جو اس مجموعۂ شبکات کو جاتی ہے جسمین قوت متصورہ مضمر و مخفی ہے، اب تمہین ایسے مناظر دکھائی دینے لگتے ہین جو کسی کند آدمی کی حد نظر سے باہر ہین، اور ذہن مین ایجادات وارد ہونے لگتے ہین،

۱۶- فرض کرو کہ کوئی شخص عرصہ سے بڑے بڑے ملکی معاملات کی فکرون مین پھنسا ہوا ہے، اگرچہ ذہنی تاریکی سے اس پار اسکی نظر نہین پہنچتی، لیکن اسکا خیال یہ ہے کہ اگر ذہنی گتھاؤن کے اس پار تک میری رسائی ہوجائے تو مین بہت کچھ کامیابی حاصل کرسکتا ہون، گویا کسی نالی مین سے جو کسی دماغی مقام کو گئی ہے، خیالات کی تراوش ہوتی رہتی ہے، اس نالی کو کھول دینے کے لئے دو باتون کی ضرورت ہے توجہ یا یکسوئی، اور یہ علم کہ اسکو مخفی و مبہم نہین ہوگیا ہے بلکہ غیبی قوت کی حقیقی جد و جہد کا احساس ہو رہا ہے

۱۷- ایسا شخص اپنے معمولی کاروبار سے علحدگی اختیار کرے، دیہات مین پیدل سیر کرے، صاف ہوا سے بخوبی لطف اندوز ہو، اور اپنی اسی دھن مین لگا رہے، بعد ازان اس عنوان پر کتابون مین جو کچھ لکھا گیا ہو اسے مطالعہ کرے، دفعتہً اسکی ذہنی تاریکی رفع ہوجائیگی، اور جس بات کی اُسے تلاش تھی وہ خود بخود اُسکے ذہن مین وارد ہوجائیگی،

۱۸ پیش آنی والی مشکلات کے اعتبار سے دماغی ورزش و تربیت جسمانی ورزش سے مشابہ ہے ابتداءً تکلیف اور پست ہمتی کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے، اُن بندون کو توڑ ڈالنا جو اکثر خیال کی نالیون کے دہانون پر پائے جاتے ہین، محنت طلب کام ہے، لیکن جون ہی کہ یہ کام شروع ہو جاتا ہے، خیال کی ان نالیون کا کہودنا اور گہرا بنانا سہل اور دلخوش کن ثابت ہونے لگتا ہے،

۱۹- خیال کی نالیون کو ہمیشہ گہرا کرتے رہنا ان عادات مین سے ہے جن پر انسان کی بزرگی کا دار و مدار ہے، دماغی ترقی کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ بعض مختلف دماغی شبکات کو بعض دیگر شبکات سے پیوستہ کرنیکی کوشش روزانہ جاری رکھی جائے جیسا کہ جملہ عادات کا دستور ہے، یہ عادت بھی رفتہ رفتہ مستحکم ہو جاتی ہے اور جڑ پکڑ لیتی ہے، اور دماغی نشو و نما مین نہایت قابل قدر امداد دیتی ہے،

## اعلان

چونکہ اب رسالہ ہر مہینہ کی ۲۰ تاریخ کو شائع ہو جاتا ہے اس لئے رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع ۳۰ تک دفتر مین بھیجدینی چاہئے، بعض لوگ کئی کئی مہینون کے بعد بیدار ہوتے ہین، اور اپنی غفلت کا خمیازہ چاہتے ہین کہ دفتر اٹھائے،

منیجر

# ابن یمین

اور

# اُنکی شاعری

(۲)

از مولوی ابوالحسنات ندوی رفیق دار المصنفین

طمع و ہوس | حرص، طمع اور دنیا پرستی کی مذمت اخلاقی شاعری کے عام عنوانات ہین جنپر اکثر شعرا نے طبع آزمائیان کی ہین، ان چیزون کی حقیقت پوچھو تو مختصر لفظون مین یہ ہے کہ قدر کفاف سے زیادہ کی طلب حرص، طمع اور دنیا پرستی ہے، یہ جذبات اسوقت پیدا ہوتے ہین جب انسان کو اپنی ضرورت و خواہش پر قابو نہین ہوتا، اور وہ ہر ادنی سے ادنیٰ خواہش کے آگے بھی مجبور محض ہو جاتا ہے، غور کرو تو صاف نظر آئیگا کہ ہمارے اکثر مطلوبات محض طمع و حرص ہی کا نتیجہ ہین، پس انسان کی قوت ضبط و قناعت جسقدر کمزور ہوتی ہے اسی تناسب سے طمع اور دنیا پرستی کے شعلے اسکے آتشکدۂ حرص مین بھڑکتے ہین، لیکن واقعہ یہ ہے کہ انسانی خواہشات کا دائرہ اسقدر وسیع ہے کہ اسکے آگے گنج قارون کی حقیقت بھی ایک نقطہ سے زیادہ نہین، اس بنا پر اس کشمکش سے نجات پانیکی بہترین صورت یہ ہے کہ انسان اپنی خواہشون مین اعتدال پیدا کرے،

ہمارے اخلاقی شعرا نے انسانی طمع و ہوس کے شعلون پر پانی ڈالنے کی مختلف تدبیرین اختیار کی ہین، حرص کی برائی، طمع کی مذمت، اور دنیا پرستی پر ملامت یہ سب اسی سلسلہ کی کڑیان ہین، ابن یمین کہتے ہین،

در جہان پوشش و خورد بست گزران نیست گریز ۔۔۔ زین فزودن خواستن عمر بغم کاستن است

پہ نشینی بہوس با صفت بر سر گنج | از سر جملہ سرانجام چو برخاستن است

---

اے دل نصیحتے بشنو تا برون بری | گوے مراد از خم چوگان روزگار

خواری مکش ز حرص چو مرغان خانگی | سیمرغ وار عزت قناعت کن اختیار

---

طبع انسانی برد مقصور شد | کو ز دنیا می نخواہد گشت سیر

کے توان کردن سبوئے پُر ز آب | کانچہ از بالا در آمد شد بزیر

---

تشنہ می باش و از خضر میپذیر | منت آب چشمۂ حیوان

لیکن اگر اسی قدر پر اکتفا کیا جائے تو یہ غلطی ہے، کیونکہ انسان کی ہر ضرورت طمع وحرص کا نتیجہ نہین ہوتی، پس وہ محض قناعت اور ترک آرزو تہ طلبی پر تا دیر قائم نہین رہ سکتا، اسلئے بہترین مفیدترین طریقہ یہ ہے کہ ایک طرف ضرورت سے زیادہ کی طلب بُری ٹھہرائی جائے، اور دوسری طرف حصول معاش کے لئے سعی وجہد کی تعلیم دیجائے، کیونکہ اسکے بغیر انسانی زندگی ناممکن ہے، اور نظام عالم قائم نہین رہ سکتا، ابن یمین کی تعلیم اور انکی عملی زندگی کے نتائج بالکل اسی اصول کے مطابق ہین چنانچہ کہتے ہین،

گفتند چو رزق ہست مقسوم | زحمت چہ کشی زبہر جستن

گفتم کہ بلے ولے ازین پیش | گشت است حوالتے معین

روزی کیے بمصر و شام است | وان دیگرے بر در دم واز من

از بندہ ہمین تواین تکاپوے | کاین حکم خدائے راند بر من

تواضع | ہماری اخلاقی شاعری مین تواضع کا مضمون بہت عام ہے، اور تمام شعرا نے اسکو دل کھول کے

بیان کیا ہے، آجکل کی نئی دنیا معترض ہے کہ اسی اخلاقی تعلیم کا نتیجہ قوم کا موجودہ ضعف، بزدلی اور ذلت پسندی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اعتراض بالکل نافہمی پر مبنی ہے،

بے شبہہ تواضع، عجز، انکسار اور خاکساری یہ چیزیں ایسی ہیں جو حد اعتدال سے بڑھکر عام بزدلی اور ضعف اخلاقی بنجاتی ہیں، لیکن ہمارے شعراء نے جہان تواضع کی تعلیم دی ہے، وہاں اسکا موقع ومحل بھی بتا دیا ہے، ہر موقع پر اور ہر شخص کے ساتھ تواضع داخل اخلاق نہیں، ابن یمین نے اس نکتہ کو مختلف پہلوسے بہت وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ تواضع انسان کو اسکے رتبہ سے فروتر نہیں بلکہ بلند تر کردیتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ وہ اراذل نہیں بلکہ شرفا کے ساتھ برتا جائے،

کسے کز طریق تواضع رود | کند بر سریر شرف سلطنت
ولیکن محلّس بدان بکمن | ملک سیرتی در گہ شیطنت
تواضع بود با بزرگان ادب | بود با فرو مائگان مسکنت
(ذلت)

---

با بزرگان رہ تواضع گیر | با فرومائگان تکبّر کن

دوسری جگہ کہتے ہیں کہ چار چیزیں یعنی مفسد کے ساتھ سخاوت، احمق سے محبت، نادان کے ساتھ تواضع، اور دانا سے تکبر داخل حماقت ہے، تواضع کے اس نکتہ کو جس طرح ابن یمین نے لکھا ہے، شاید بہت کم لوگوں نے لکھا،

بود چار چیز از کمال حماقت | مکن ہیچ یک را از ینہا تصوّر
بمفسد سخاوت باحمق محبت | بنادان تواضع بدانا تکبر

حلم | حلم کی تعلیم پر بھی بعینہ یہی اعتراض کیا جاتا ہے، لیکن یہ اعتراض بھی محض غلط فہمی کی بنا پر ہے، وہ یہ کہ لوگ ان اشعار کے مخاطب کو نہیں جانتے، اصل یہ ہے کہ ان اشعار کے مخاطب عوام نہیں بلکہ وہ

**خلقِ انسان** امرا اور روسا رہتے جنکی تنگ مزاجیان حاشیہ نشینان دولت کے لئے برق خرمن بنین، ور ذرا ذرا سی بات پر کتنے جسم بے روح اور کتنے قالب بیجان ہوجاتے تھے، ایسے خود سر اشخاص کے آتش غضب کو ٹھنڈا کرنیکے لئے عفو، حلم اور درگذر کی تعلیم سے بہتر اور کونسی تعلیم ہوسکتی تھی، ابن یمین کہتے ہین،

باتو گویم کہ چیست غائت حلم　ہر کہ زہرت دہد شکر بخشش
کم مباش از درخت سایہ فگن　ہر کہ سنگت زند ثمر بخشش
ہر کہ بخراشدت جگر بجفا　ہمچو کان کریم زر بخشش
از صدف یادگیر نکتہ حلم　آنکہ برّد سرت گہر بخشش

**ظاہر و باطن کی یکرنگی** ای شدہ ظاہر پرست باطنت آباد کن　خرقۂ پاکت چہ سود گر بدنت پاک نیست
گر بفلک بر کشی دامن عفت چو مہر　نیست صفا گر ز صدق جیب دلت پاک نیست

**مکارم اخلاق** دلا مکارم اخلاق گر ہمی خواہی　دو کار پیشہ کن اے نیک مکارم اخلاق
مشو مخالف حکم خدائے عز و جل　بکوش تا بود اندر میان خلق وفاق

بلاغت دیکھو کہ دو مصرعون مین انسانی زندگی کی پوری داستان سادت کہ گئے،

**وقت کی قدر و قیمت** انسان کی کامیابی کا معیار اسکے اعمال ہین، اسلئے وقت کا ایک ایک لمحہ جسقدر گران قیمت ہے اسکو ہر شخص سمجھ سکتا ہے، ابن یمین وقت کی اہمیت ثابت کرنیکے لئے اسکو بار بار اور سو طرح سے بیان کرتے ہین، انکا تمامتر زور سخن اسپر صرف ہوتا ہے کہ ماضی کے غم اور مستقبل کی بیہودہ فکر مین حال کو ہاتھ سے نہ جانے دو، تمہارے پاس یہی خزانہ اور یہی ایک خزانہ ہے،

گر خرد یار تست ابن یمین　ہر طرف نہ بنائے کارت را
جہد کن تا بنا خوشی ندہی　خوشی روز روزگارت را

وقت را مغتنم شمر کامسال　　　　می نیابی نشاط پارت را

---

گر تو خواہی کہ برخوری از عمر　　　　خلق را غیر ازین تمنا نیست
نقد امروز را ز دست مدہ　　　　دی گذشت و امید فردا نیست

---

غم ناآمدہ خوردن نبود شیوۂ عقل　　　　وانچہ بگذشت از ان ہم نکند عاقل یاد
وقت را دان کہ درانی و غنیمت شمرش　　　　زانکہ از پیش تو آن ہم گذرانست چو باد
گر بدین نکتہ کہ گفت ابن یمین کارکنی　　　　نگذرد بر تو زمانی کہ نباشی تو شاد

---

نقد امروز مدہ نسیۂ فردا ستان　　　　کہ یقین راند بہ مردم فرزانہ بشاک

آزادی و بے نیازی | آزادی و بے نیازی کو اخلاق سے جتنا گہرا تعلق ہے، اس سے کون ناواقف ہے انسان کی عزت و وقار، اثر و اقتدار کا تمامتر دار و مدار اسکی آزادہ وشی اور بے نیازی پر ہے، ابن یمین کہتے ہین،

پادشاہی نزد اہل معرفت آزادگی ست　　　　ہر کہ بند آرزو بکشاد از دل پادشاست
گرد خاک آستان در کلبۂ آزادگی　　　　گر خرد دارد کسے چشم خرد را توتیاست

خودداری و سعی عمل | انسان کی ذلت کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ خوددار اور ساعی عمل نہین، ابن یمین ان اشخاص کو مخاطب کرکے کہتے ہین،

رزق مقسوم و وقت معلوم است　　　　ساعتے پیش و لحظۂ پس نیست
بقدم ... تو ... بجام ...　　　　مرد واماندہ کاروان رس نیست

ہم ز خود جوے ہرچہ می جوئی | کہ بغیر از تو در جہان کس نیست

اپنی ہر تمنا اور مراد صرف اپنی محنت وسعی سے طلب کرنا چاہیئے کہ اسی کا نام حقیقی شیوۂ خودداری ہے

از خود طلب مراد دل اے دل کہ غیر تو | در خانۂ ہیچ خانہ خداے پدید نیست

ابن یمین کرم مطلب در جہان کہ آن | عنقاے مغربی ست کہ جاے پدید نیست

لیکن یہی خودداری جب اعتدال سے بڑھجاتی ہے تو کبر و خود پسندی ہوجاتی ہے جو انسان کی تصویر اخلاق کا سب سے بڑا اور کریہہ منظر ہے، اسلئے ایک قطعہ مین یہ بھی بتادیا کہ عزت نفس اور خودداری کیا ہے، اور خود پسندی وحماقت کی حقیقت کیا ہے؟

مرد باید کہ ہر کجا باشد | عزت خویشتن نگہ دارد

خود پسندی وابلہی نکند | ہرچہ کبر و منی است بگذارد

بطریقے رود کہ مردم را | سر سوے ز خود نیازارد

ہمہ کس را ز خویش بہ داند | ہیچکس را حقیر نشمارد

ہمت عالی | میدان جنگ مین دشمن کی بڑہتی ہوئی صفین اُلٹ دینے سے زیادہ اپنی حاجت وضرورت پر فتحیاب ہونا قرین ہمت ہے، نفس خبیث کی حاجت براری کے لئے دوسرون کے آگے اپنے آپ کو ذلیل و خوار کرنا انتہا درجہ کی بے ہمتی و نامردی ہے، آزادی و خودداری کے سلسلہ مین یہ سب سے زیادہ ضروری کڑی تھی، ابن یمین لکھتے ہین،

چو خاک پاے پشیمانی ای ز آتش حرص | شود بباد ہمہ آبرو و چون نشود

(وہ کچھ حاصل نہین)

غلام خاطر آنم کہ ہمت عالیش | رہین منت ابناے دہر دون نشود

ایک اور قطعہ مین کمال بلاغت کے ساتھ اسی مضمون کو اس طرح ادا کرتے ہین،

برہرچہ روزگار ترا داد صبر کن | تا بیش ازان جزات دہد کردگار تو

ہمت بلند دار کہ پیش خدا و خلق ... باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو

قول و عمل | انسان کی عزت و احترام کی بنیاد اُسکے قول و عمل کے توافق و اتحاد پر ہے، جس شخص کی زبان و دل مین موافقت نہین وہ ہمیشہ اور ہر جگہ ذلیل اور اپنی تمناؤن مین نامراد رہتا ہے، جب ایسے اشخاص کی کثرت کسی قوم مین ہوتی ہے تو ناکامی و نامرادی اس قوم کا طغرائے امتیاز بنجاتی ہے، آج مسلمانون کو اپنے ہر ارادہ مین ناکامی اور ہر سعی و جہد مین نامرادی سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ عام مجالس و مجامع مین اُنکے منتخب رہنما اشخاص جو کچھ کہتے ہین وہ الفاظ اور جملے انکے حلق سے نیچے نہین اُترتے، بلکہ منھ سے نکل کر فضاے عالم مین منتشر اور فنا ہوجاتے ہین، ہمارے اخلاقی ناصح ابن یمین اس عیب سے محفوظ رہنے کے لئے کہتے ہین،

ہر چہ گوئی بکن، وگرنہ مگو ... تا بود از تو دور عیب و عوار

عیب دانی کہ از کجا خیزد ... زانکہ بیرون نباشد این دو کار

دوسری جگہ کہتے ہین اور کسقدر سچ کہتے ہین کہ جو کام کرنیکا ہے محض کہنے سے پورا نہین ہوسکتا،

در عمل کوش و ترک قول بگیر ... کار کردہ نمی شود بسخن

اعتدال کی تعلیم | یون تو اخلاقی تعلیم کا ایک ایک عنوان مفید ہے لیکن انسان کے مدارج زندگی مین جسقدر کارآمد میانہ روی کی تعلیم ہے، غالباً اسکے برابر کسی اور کا درجہ نہین، جب انسان مین میانہ روی نہین ہوتی تو وہ اپنی بے اعتدالی کے ہاتھون بہت جلد بلندی سے پستی، عزت سے ذلت اور امارت سے غربت کی مصیبت مین گرفتار ہوجاتا ہے، ہماری قوم مین بے اعتدالی کے دردناک نتائج دیکھنے ہون تو ہر شخص خود اپنے خاندان اور کنبہ مین ان دردناک مناظر کو دیکھ سکتا ہے، ان جانگداز حوادث سے بچانیکے لئے ابن یمین بار بار اعتدال کی تعلیم دیتے ہین،

اوسط کارہا نگہ میدار ... نہ ضعیفی و نہ تہور کن

نہ چو طاؤس مجلس آرا شو  نہ بویران وطن چو کنگر کن

ایک دوسرے قطعہ مین بہت وضاحت کے ساتھ اسی مضمون کو بیان کرتے ہین اور سچ تو یہ ہے کہ
علم الاقتصاد کی ضخیم مجلدات انہین چند شعرون کی مزید تشریح و توضیح ہین،

ای پسر ور ضبط اخت بہت جہدے می نمای  تا ز ہر چہ آن نیست اندوہی نباید خوردنت
لیک گر ضبط از رہ امساک خواہی کردنش  خوین نام نیاک خود این بس بود در گردنت
بشنو از من تا نمایم در معیشت راہ راست  سنت ابن یمین باید بجا آوردنت
از در افراط و ز تفریط بودن محترز  بر طریق اعتدال آہنگ باید کردنت

دوستی! انسان کے لیے اس سے زیادہ مفید اور پر لطف کوئی چیز نہین کہ دنیا مین اسکا کوئی سچا دوست ہو،
طبعی طور پر ہر شخص چاہتا ہے کہ ایک ایسا شخص ہو جو صحیح معنون مین اسکا معتمد اور عزیز دوست ہو، جسکی
دوستی کے آگے بہت سی قرابتین اور رشتہ داریان بھی ہیچ ہون، جو اسکے غم اور خوشی ہر چیز کا شریک ہو
زر و زر، مال و دولت تو کیا چیز ہے، اپنی جان تک اس سے دریغ نہ رکھے، ابن یمین ایسے دوست کی
تلاش و جستجو ضروری قرار دیتے ہین،

گر تو میخواہی کہ آری بہترین چیزے بدست  یار یکدل بود از ہر چہ یابی در جہان
ہمچنین یارے کم افتد در بدست آید ترا  گر خرد داری نگہ دارش گرامی تر ز جان

---

دو دوست باہم اگر یکدل اند در ہمہ حال  ہزار طعنہ دشمن بہ نیم جو نخرند
مثال شان بنمایم ترا ز مہرہ نرد  یگان یگان بدست خانہ راہ می بہ برند
ولے دو مہرہ چو ہم پشت یکدگر گیرند  دگر طپانچہ دشمن بہیچ رو نخورند
بکوش ابن یمین دوستے بچنگ آور  کہ دشمنان ہمہ یک تن بصد گزے نگرند

مطلب یہ ہے کہ اگر انسان کوئی سچا دوست رکھتا ہے تو ہزارون دشمن کی بھی اسکو پروا نہین،
اسکی مثال نرد کے مہرون کی ہے کہ جب مہرے الگ الگ بڑہتے ہین تو مقابل کی زد مین آکر پٹتے ہین،
لیکن دو مہرے جب ایک دوسرے کی مدد پر چلتے ہین تو دونون زد سے محفوظ رہتے ہین،

اچھون کی صحبت | لیکن کبھی یہی دوستی انسان کی تباہی و بربادی کا باعث بھی ہوجاتی ہے یعنی انسان جب
اپنا دوست اور ہمصحبت برے اشخاص کو بناتا ہے تو انکی برائیان اسمین سرایت کرتی ہین اور اسکی سعادت
شقاوت سے بدلجاتی ہے، اسلئے یہ تعلیم ناکمل رہتی، اگر صحبت نیک کی ترغیب نہ دیجاتی، ابن یمین متعدد
قطعات مین مختلف پیرایون سے اچھون کی صحبت اختیار کرنیکی ضرورت بتاتے ہین،

از ہنر مرد بہرہ ور گردد　　چون بر صاحب ہنر گردد
قطرۂ آب مختصر مایہ　　چون بدریا رود گہر گردد
صحبت نیشکر چو یابد آب　　بضرورت ہمان شکر گردد

---

بابدان کم نشین کہ صحبتِ بد　　گرچہ پاکی ترا پلید کند
آفتابے باین بزرگی را　　ذرۂ ابر ناپدید کند

---

ہم صحبتِ کریم شوار بایدت کرم　　زیرا کہ طبع می شود از طبع خوے گیر
گیرد صبا ز ہرچہ برو بگذرد نصیب　　از بیضہ گند گیرد و بوے خوش از عبیر

---

باشد لئیم در نظر عقل چون شبہ (پوت)　　بے قیمت و کریم بود در جہان چو دُر

کم آمیزی کی تعلیم | بعض لوگ صحبتِ احباب کے اسدرجہ خوگر ہوجاتے ہین کہ ہر وقت اپنے احباب مین

گھٹے رہتے ہیں، لیکن اس افراط صحبت سے انسان ہلکا اور بے وقعت ہوجاتا ہے، عرب میں "زرغبا تزدد حبا" ایک مشہور مقولہ ہے، ابن یمین کہتے ہیں،

گرکم بدرت آئم معذورمی دارم ... ان راکہ بسے تقید بجرش نخواہند

یاران کہ بپایے نندگردند لول از وے ... آنگہ کہ نمی بارد وصلش نخواہند

مردمی کیا ہے؟ | مردمی چیست ہیچ میدانی ... روز دولت فروتنی کردن

ہم در ربیقیاس بخشیدن ... گاہ قدرت غضب فرو خوردن

اخفائے راز | پدر کہ جان عزیزش بلب رسیدہ بگفت ... یکے نصیحت من گوش گیر جان عزیز

بدوست گرچہ عزیز است راز دل مگشا ... کہ دوست نیز بگوید بدوستان عزیز

حاجت برآری | دولت اور قوت پر گھمنڈ نہیں چاہیئے، کیونکہ یہ آنی جانی چیز ہے، آج ہمارے پاس سب کچھ ہے لیکن بہت ممکن ہے کہ کل قوت ضعف سے اور امارت افلاس سے بدل جائے، اسلئے آج ہی جہاں تک ممکن ہو ضعیفوں کی مدد اور محتاجوں کی حاجت برآری کرلیں، ایسا نہو کہ کل گردش چرخ سے وہ دولتمند اور ہم مفلس ہوں اور انکے آگے اپنی حاجت لیجائیں تو وہ ناکام و نامراد اپنے دروازہ سے نکالدیں،

چو روزگار بکام تو گشت و دولت یار ... بکوش تا دل آزردۂ بدست آری

مباش یکنفس از کار خویشتن غافل ... مگر کہ فرصت امکان ز دست بگذاری

کہ زان کسے کہ ز تو حبت یاری امروز ... رہ بود کہ تو فردا طلب کنی یاری

چار چیزیں انسان کو ذلیل کرتی ہیں | چار چیز زہد آبروے مرد بباد ... باختیار مباش اے پسر بماترآن

یکے دروغ دوم صحبت عوام الناس ... سوم مزاح چہارم شراب با نادان

چار چیزیں چار چیزوں کی محتاج ہیں | چار چیز بچار دگر بود محتاج ... بیان کنم اگر امر تو مستمع باشی

خرد بہ تحجر بہ خویشی بددستی کردن        نسب بعجز حسب سروری بزر باشی

ان تعلیمات کے علاوہ سیکڑون اخلاقی نکتے ہین جنکو ابن یمین اپنی نصیحت آمیز شاعری مین ادا کر گئے ہین، نمونہ کے طور پر چند عنوانات اس مضمون مین قائم کیے گئے ہین، تم غور کر سکتے ہو کہ اخلاقی تعلیم مین اُنھون نے کسقدر صحیح مذاق سے کام لیا ہے اور کتنے مفید ترین اخلاق کی تعلیم دی ہے، پھر سلامت روی کی انتہا ہے کہ جن الفاظ، ترکیب اور تشبیہات کے ذریعہ سے مطالب بیان کیے ہین ان مین کہین ننگی رکھنے کی بھی جگہ نہین ہے، شیخ سعدی اخلاق کی تعلیم دیتے ہین، اور اسمین شک نہین کہ نہایت موثر پیرایہ مین دیتے ہین، لیکن مذاق زمانہ سے متاثر ہوکر جا بجا حسن و عشق کی فتنہ انگیز داستان بھی چھیڑ دیتے ہین جس سے ایک اخلاقی صحیفہ کو بہرحال پاک و صاف رہنا چاہیئے،

عمر خیام کی رباعیان، خواجہ حافظ کا دیوان بے شبہہ اخلاقی مواعظ سے خالی نہین، لیکن مینا و جام چنگ و بربط، اور مطرب و مغنی کی پرشور آوازون کے سامنے انکی آواز دب کر رہ گئی ہے، مانا کہ حافظ و خیام کی بزم نشاط مین چنگ و بربط اور مینا و مے کی اصلیت نوائے سروش اور شراب حقیقت ہی کیون نہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہر شخص صوفی منش نہین ہوسکتا کہ اپنے دل کو ایسا با ور کرائے بار بار سامنے آنیوالے صریح خیالات اور الفاظ کے ظاہری معنی بے اثر نہین ہوسکتے، عام طور پر کہا جاتا ہے کہ دیوان حافظ پڑھکر یا تو انسان ولی کامل ہوجاتا ہے یا بالکل رند اوباش، اس جملہ پر غور کرو کیا معنی رکھتا ہے،

غم کھاؤ، زندگی ضائع نہ کرو، اور حال کو کام مین لاؤ، یہ سب سکھاتے ہین عمر خیام کہتے ہین کہ مرنے سے پہلے زندگی مین جو کچھ کرنا ہو کرو، لیکن زندگی کا لمحہ لمحہ کسمین صرف ہو؟ شراب نوشی مین،

تاکے زغم زمانہ محزون باشی        با چشم پرآب و دلِ پُر خون باشی

مے نوش و بعیش کوش خوشدل می باش        زان پیش کزین دائرہ بیرون باشی

خواجہ حافظ کہتے ہین کہ عزلت و گوشہ نشینی بہترین چیز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اسکے ساتھ یہ سامان ہون،

دو یار زیرک از بادۂ کہن دو منے — فراغتے و کتابے و گوشۂ چمنے

فرماتے ہین کہ اگر یہ موقع نصیب ہو تو دنیا و آخرت کے بدلے بھی ہم اسکو ہاتھ سے نہین دیسکتے،

من این مقام بدنیا و آخرت ندہم — اگرچہ در پیم افتند خلق انجمنے

آگے چلکر یہ تلقین کرتے ہین

بیا کہ رونق این کارخانہ کم نشود — ز زہد ہمچو توئی یا زفسق ہمچو منے

ابن یمین بھی عزلت و گوشہ نشینی کی تعلیم دیتے ہین، لیکن کن مشاغل اور کن اسباب کے ساتھ اسکو خود انکی زبان سے سنو،

کنجے و ہمدمی و کتابے و خوردۂ — از بہر ذوق نفس ز تاج و سریر بہ

از بہر ستر عورت جامے و خرقۂ — از اطلس مذہب و شعر حریر بہ

از بہر دفع تشنگی از بادۂ سفال — آب مباح سرد ز جام عصیر بہ (شراب انگور)

حلوا و مرغ و تره اگر نیست گو مباش — صحت چو ہست از ہمہ نان فطیر بہ

وجہ کفاف اگر بکف آید ز دہقنت (کاشتکاری) — نزد خرد ز خدمت شاہ و وزیر بہ

ایک دوسرے قطعہ مین کہتے ہین،

نان جوین و خرقۂ پشمین و آب شور — سیپارۂ قرآن و حدیث پیمبری

با یکدو ہمنفس کہ نیرزد بر نیم جو — در پیش چشم ہمت شان ملک سنجری

این آن سعادت است کہ بر دے حسد برد — والاے تخت قیصر و ملک سکندری

اصل یہ ہے کہ حافظ و خیام اور ابن یمین قناعت و گوشہ گیری کی تعلیم دینے مین تو برابر ہین لیکن علانیہ نظر آئیگا کہ ان دونون کی قناعت و گوشہ گیری مین بہت بڑا فرق ہے، یعنی خیام و حافظ کی قناعت و گوشہ گیری رندانہ ہے اور ابن یمین کی زاہدانہ، اب اخلاق کے رمز شناس خود فیصلہ کرلین کہ

ان مین سے کون صراط مستقیم پر ہے،

## ابن یمین کی غزلین

فارسی انواع شاعری پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلسل خیالات اور مناظر کا سمان دکھانے کے لئے قصائد مخصوص ہین، واقعہ نگاری کے لئے مثنوی، اور وسیع مگر ایک ہی قسم کے خیالات ادا کرنیکے لئے قطعات، غزل کی جو صنف تھی وہ ان متفرق اور چھوٹے چھوٹے خیالات کے لئے تھی جو شعرا کے دلون مین پیدا ہوتے رہتے تھے، زوال تمدن اور سوسائٹی کے تغیر مذاق کا یہ نتیجہ ہوا کہ ساتوین صدی مین غزل کی صنف حسن و عشق کی داستان گوئی کے لئے مخصوص ہوگئی، تمام شعرائے ایران جب غزلین کہتے تھے تو وہ عشقیہ مضامین سے لبریز ہوتی تھین، یہ محض تصوف کی کرامت تھی کہ با این ہمہ اس بزم عشق مین اسکی جگہ بھی قائم رہی، اور چونکہ تصوف کو فلسفہ و اخلاق سے بہت قریبی تعلق تھا اسلئے اسکے صدقہ مین کہین کہین اخلاقی مضامین بھی ادا ہوتے تھے، لیکن یہ جو کچھ تھا ضمنی و عارضی تھا مقصود حقیقی محض عشق ہی رہا،

لیکن اس پرشور زمانے مین صرف ابن یمین کی آواز تھی جو اس غوغاے عام کی ہم آہنگی سے بالکل الگ تھلگ رہی، اور وہ اپنے اصل مذاق کے مطابق غزلون مین بھی اخلاقی مضامین ادا کرتے رہے چنانچہ قطعات کے مجموعے مین چند غزلین بھی ہین جو اخلاقی مضامین سے لبریز ہین، ان غزلون مین تسلسل بیان کا وصف عام طور پر نمایان ہے، یہان مین صرف چند غزلون کے کچھ اشعار نقل کر دینا کافی سمجھتا ہون، اہل نظر ان جواہر ریزون کی قدر و قیمت خود معلوم کر سکتے ہین،

دنیا کے نیک و بد، خیر و شر، رنج و مسرت سب گذر جانے والے ہین، اسلئے حوادث سے نہ ڈرو پریشان خاطر نہو، اور ہر حال مین خدا کے شاکر رہو،

اے دل غم جہان مخور این نیز بگذرد — گیتی چو ہست بر گذر این نیز بگذرد
در دور روزگار نہ بر وفق رائے تست — اندہ مخور کہ بیخبر این نیز بگذرد

بالجمله پاے دار که مردان مرد را — بگذشت ازین بسے بسر این نیز بگذرد

سنت خداے را که شب دیر باز غم — افتاد بادم سحر این نیز بگذرد

این بیمن زمین حوادث مترس ازانکه — هرچند سخت با خطر این نیز بگذرد

عزت و نیکنامی | زندگی اور دولت و مال کا صحیح مصرف یہ ہونا چاہیئے کہ انسان عزت و نیکنامی حاصل کرے، اس مضمون کو لکھتے ہیں،

شنیده ام که به آب زر این حدیث چو زر — نوشته اند بر ایوان کاخ اسکندر

جهان ملک جهان را اگر بقا بودے — ز دیگرے نرسیدی بمن زمن بدگر

عزیز من دو سه روز که فرصتے داری — چنان بزی که چو بردن دی ازین کشور

بهر دیار که آن است برد کسے بزبان — بجز دعات نگویند کهتر و مهتر

پدر که جان عزیزش بلب رسیده بگفت — یکے نصیحت من گوش کن تو جان پدر

بهر دیار که در چشم خلق خوار شوی — سبک سفر کن از آنجا برو بجاے دگر

بشهر خویش بسے بیقدر بود مردم — بکان خویش بسے بے بها بود گوهر

درخت اگر متحرک شدے ز جا بجاے — نه جور اره کشیدے و نه جفاے تبر

بکوش تا بتوانی دلے بدست آری — که در جهان تن ازین نیست هیچ جان پدر

دنیا سے بے تعلقی | ایدل ازین جهان دل آزار درگذر — ور تنگناے گنبد دوار درگذر

کاین جهان نه لائق اهل بصارت است — فرزانه وار از سر این کار درگذر

در بحر غم ز حرص چو غواص شوخ چشم — غوطه مخور ز گوهر شهوار درگذر

دار غرور نیست مقام قرار تو — منصور وار از سر این دار درگذر

با مار مهره کسے دوستی نکرد — برکن طمع ز مهرهٔ دانه مار درگذر

چون میتوان بگلشنِ روحانیان رسید | سعی نما ازین رہِ پر خار رہگذر
ابن یمین نشیمن قدس ہست جاے تو | زین آستان چو جعفر طیار درگذر

شرافت و فضیلت | قرآن مجید کی ایک آیت ہے، "ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم" انسان کی شرافت کا صحیح معیار اسکے اعمال ہیں، کیونکہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، ابن یمین کہتے ہیں،

آن راکہ نداند نسب و نسبتِ حالش | اورا بنود ہیچ گواہے چو فعالش
آنراکہ پسندیدہ بود خوے و خصالش | زنہار مپرس از پدر و عم و ز خالش
زیراکہ درختے کہ مرا و رانہ شناسی | بارش خبر آرد کہ چہ بودست نہالش
زیرا شرفِ مرد بآلِ بنسب نیست | در معرفت و عقل و تمیز ست و کمالش
شہزادۂ نادان کہ درا علم و عمل نیست | بیقدر بماند چو نماند زر و مالش
درویش کہ او معرفتِ علم و عمل یافت | او سلطنتے یافت کہ خود نیست زوالش
از صحبتِ نا اہل بصد مرحلہ بگریز | تا در دہنِ شیر نیفتی ز خصالش

دنیا اور حسن خلق کی تلقین | باخبر باش کہ دنیا گذرانست اے دل | خیز کاین خوابگہ بیخبرانست اے دل
ہر یک از برگ بنفشہ کہ دمد از دلِ خاک | خالِ مشکین رخ سیمبرانست اے دل
شاخ سنبل کہ سراز جیب زمین بردارد | جعد عنبر شکنِ خوبرو انست اے دل
در ہمہ کار پس و پیش نگہ باید داشت | خویش و بیگانہ ز ہر سو نگرانست اے دل
بہمہ خلق جہان خلق پسندیدہ نماے | کہ سوے خلد برین راہ برانست اے دل
گرنہ بر وفق مرادِ تو بود کار جہان | از جہان نیست کہ دور قمرانست اے دل
خود گرفتم کہ نمودم ید بیضا بسخن | نطق عیسیٰ چہ کنی دور خرانست اے دل
اے بسا کا بن یمین در گہ و بیگہ می گفت | کہ سعادت ہمہ با بے ہنرانست اے دل

علم و عقل

بگوش ہوش من آمد ز عالم آوازے | کہ ہست طائر جان را ہوائے پروازے
بلے نشیمن او شاخسار سدرہ سزد | چہ می کند بقفس اندرونہ دمسازے
بعلم و عقل اگر پرورش کنی جان را | ز ستر غیب نماند براو نہان رازے
غذاے طوطی جان تو شکرے خورد است | عزیز دار مر او را کہ ارزد اعزازے
بود ز نقص گرش آرزوے نفس دہی | کسے بطعمہ نداد ارزنی بشہبازے
بنزد ابن یمین گر چہ بار خاک خوری | بہ است ازانکہ ہمیشہ مسخر آزے

غالباً تم کو اچھی طرح معلوم ہو گیا ہوگا کہ ابن یمین کی جو اخلاقی تعلیمات ہین وہ سبت صحیح، صاف اور عملی ہین، اور وہ اپنی خصوصیات کی بنا پر اپنے تمام ہمچشمون مین ممتاز ہین، اب مین آخر مین یہ کہے بغیر نہین رہ سکتا کہ ہمارے ہان اخلاقی تعلیم کے سلسلہ مین ہر طرح کے رطب و یابس کا مجموعہ جو فارسی رسائل پڑہائے جاتے ہین، اگر انکی بجاے ابن یمین کا منتخب کلام داخل نصاب کر لیا جاے تو یقیناً زیادہ مفید ہو، اور اس سے اچھے نتائج نکلین، ابتدائی تعلیم صرف بچون کی تعلیم نہین ہوتی بلکہ انکے آیندہ خلق و سیرۃ کی وہ بنیاد ہوتی ہے، اسلئے اسکا لحاظ کر لینا ضروری ہے کہ وہ بنیاد غلط نہو کیونکہ اسی پر عمارت کی شان و شوکت اور حسن و استحکام کا دار مدار ہے،

# باب المراسلۃ والمناظرۃ

## سورۂ یوسف کے ایک واقعہ کی تفسیر

### از تذکرۂ مولانا ابوالکلام آزاد

معارف عدد ہفتم مین سورۂ یوسف کے ایک واقعہ کی تفسیر شائع ہوئی تھی جسکے آخر مین ہم نے یہ مصرع لکھا تھا، ع متاع من زہنا نخانہ ازل بردہ است، چنانچہ آج مولانا ابوالکلام کے تذکرہ کا ایک ورق (حاشیہ صفحہ ۱۲۵-۱۲۸) اس مسئلہ کے متعلق شائع کرتے ہین، کتاب البلاغ پریس (رپن لین نمبر ۴ کلکتہ) مین زیر طبع ہے،

عام طور پر یہ واقعہ یون سمجھا جاتا ہے کہ وہ عورتین حضرت یوسف کا جمال صورت دیکھکر ایسی بیخود ہوئین کہ پہلون کی جگہ اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے، مگر قرآن حکیم سے ایسا ثابت نہین ہوتا، حضرت یوسف نے اس واقعہ کے بعد ہی دعا مانگی: والا تصرف عنی کیدھن اصب الیھن" خدایا! اگر ان عورتون کے مکر وفریب سے تونے نہ بچایا تو ممکن ہے کہ مین ان پر جھک پڑون" یہان ان عورتون کے معاملہ کو "کید" کہا لیکن اگر وہ تاب نظارۂ جمال نہ لاکر بیخود ہوگئی تھین تو اسمین "کید" کی کونسی بات تھی، پھر خدا فرماتا ہے، فصرف عنہ کیدھن" ہم نے ان عورتون کے کید کو اسکی طرف سے ہٹا دیا" پھر قیدخانہ مین بادشاہ کے پیامبر سے کہا، ما بال النسوۃ التی قطعن ایدیھن، ان ربی بکیدھن علیم یعنی" پہلے اس معاملہ کو صاف کرو کہ وہ جو عورتون نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے تو اسکی حقیقت کیا تھی؟ میرا پروردگار انکے مکر کو خوب جانتا ہے" ان دونون مقامات مین بھی اس معاملہ کو کید سے تعبیر کیا، اور آخری آیت مین تو صاف صاف قطع ید کو حضرت یوسف "کید" کہہ رہے ہین، اس سے بھی بڑھکر یہ کہ جب حسب تحریک حضرت یوسفؑ بادشاہ نے ان عورتون سے معاملہ کی تحقیق چاہی تو ان لفظون مین پوچھا، ما خطبکن اذ راودتن

یوسف عن نفسہ ؟" بتلاؤ کیا حال تھا جب تم لوگوں نے یوسف کو پھسلانا چاہا تھا"؟ یہاں بھی "راودتن عن نفسہ" کا لفظ ہی جوان عورتوں نے امراۃ العزیز کی نسبت کہا تھا، "تراود فتاها عن نفسہ" اور "راودته التی هو فی بیتها عن نفسہ" اور "ولقد راودته عن نفسہ فاستعصم" پس اگر وہ عورتیں صورت ہی دیکھکر محو و بیخود ہو گئی تھیں تو انھیں پھسلانے اور بہلانے کا مکر کیا ہوا۔ اگر کہا جائے کہ ہاتھ کاٹنے کے بعد انھوں نے پھسلانا چاہا تھا تو یہ قرآن میں کہیں نہیں ہے، وہاں تو صرف اس اعتراف پر معاملہ ختم ہو جاتا ہے کہ "ان هذا الا ملك كريم" اور بلاغۃ قرآنی کے خلاف ہے کہ ایک غیر تذکرہ و مجہول واقعہ کی طرف جا بجا اشارہ کیا جائے، پس اس آیت کی یہ تفسیر کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی، صاف بات یہ ہے کہ ملامت کرنیوالی عورتوں کے دلوں میں دراصل پہلے سے کھوٹ تھا، وہ خود حضرت یوسف پر ریجھی ہوئی تھیں، مگر بظاہر امراۃ العزیز کو طعنہ دیا کرتی تھیں کہ ایک نوخیز غلام پر مرنے لگی اور اسکو بھی قابو میں نہ لا سکی، یعنی ہم ہوتے تو ایک ہی چلتر میں پاکبازی کی ساری دھوم ختم کر دیتے۔ "فلما سمعت بمکرهن" جب امراۃ العزیز نے انکی اس مکاری کا حال سُنا تو حضرت یوسف سے مقابلہ کرا دیا کہ اچھا میں تو اسکو قابو میں نہ لا سکی، اگر اسکی پاکبازی ایسی ہی پھسل پڑنے والی ہے تو تم بھی اپنے سارے داؤ آزما دیکھو، جب حضرت یوسف سامنے آئے تو "اکبرنه" انکی عصمت و پاکی کی عظمت نے انکو قائل کر دیا "وقطعن ایدیهن" جب اظہار عشق و فریفتگی کے سارے چلتر ناکام رہے تو پھر یہ کیا کہ اپنا کمال عشق جتانے کے لئے اپنے ہاتھ کاٹ لئے، یعنی زخم لگا کر خون بہا دیا، یہ بھی ایک چلتر تھا کہ نہ مانو گے تو یہی چھری ہوگی اور ہماری جان، لیکن جب وہ کوہ عصمت اسپر بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا تو بے اختیار پکار اٹھیں "ما هذا بشرا ان هذا الا ملك كريم" ہم نے تو وہ وہ ناز و عشوہ دکھلائے اور وہ چلتر کئے کہ کوئی کیسا ہی انسان ہوتا مگر اپنے کو قابو میں نہیں رکھ سکتا تھا، لیکن یہ تو پاکی و قدوسیت کا فرشتہ ہے جسکو گناہ کا کوئی دام بھی پھنسا نہیں سکتا"۔ اسپر امراۃ العزیز بولی "فذلکن الذی لمتننی فیه" دیکھا یہ ہے "وہ پیکر عصمت اور مجسمہ ملکوتیت

جسکے لئے مجھکو ملامت کیا کرتی تہین"،

ہزار دام سے نکلا ہون ایک جنبش مین جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

خود امرأة العزیز کا یہ قول ہی تفسیر مشہور کی تغلیط کے لئے کافی ہے، "ولقد راودته عن نفسه فاستعصم" ہان بیشک مین نے اسکو بہت پہسلانا چاہا تہا مگر وہ بے قابو ہوا" یعنی ایسے پاک شخص کے مقابلہ مین اپنی ناکامی کا اقرار باعث عار نہین، اگر یہ معاملہ صرف محویت حسن صورت ہی کا تہا تو اس موقع پر یہ کہنے کا کون موقع تہا، ان عورتون نے کہا تہا "ان ہذا الا ملک کریم" اگر وہ صرف حسن سیرت ہی دیکہکر بیخود ہو گئی ہوتین تو ملک کریم کیون کہا؟ فرشتون کی خوبصورتی کا تو شہرہ نہین ہے، پاکی اور عصمت کے

"فلما سمعت بمکرہن" - اگر صرف ان عورتون نے حضرت یوسف کی تحقیر ہی کی تہی، اور بنیاد ملامت صرف یہی تہی کہ ایک غلام پر کیون جان دینے لگی اور خود انکے دل مین کہوٹ نہ تہا، تو اسمین مکر کی کونسی بات ہوئی، مکر کے معنی عربی مین یہ ہین "ایصال الشئ الی الغیر بطریق خفی" وکذالک الکید والمخادعة جب ان عورتون کے خیال کو مکر کہا تو اسمین کوئی مخفی بات بھی اندرونی ہونی چاہیے، ایک مرتبہ مجھکو خیال ہوا کہ یہ مشہور تفسیر تو خود ایک حدیث کے خلاف ہے، حضرت عائشہ کی مشہور روایت مین ہے کہ مرض الموت مین آپ نے بلال سے کہا ابوبکرؓ کو نماز پڑہانیکے لئے کہدو، اسپر حضرت عائشہؓ نے اور پہر انکی تحریک سے حضرت حفصہ نے کہا "رجل اسیف" ابوبکر بڑے ہی رقیق القلب آدمی ہین ان سے نہ ہوسکیگا کہ آپکی جگہ کہڑے ہوکر نماز پڑہائین، عمر کے لئے فرما دیجئے، اسپر آپ نے فرمایا "انکن صواحب یوسف"، اگر وہی مشہور تفسیر مان لی جاے تو آپکی یہ تمثیل کسی طرح بھی درست نہین ہوتی

ہم ان تاویلون سے بیخبر نہین ہین جو مفسرین نے لائمات کا مکر و کید ثابت کرنے کے لئے کی ہین، مگر اس صاف صاف تفسیر کے بعد ان تکلفات کی ضرورت باقی نہین رہتی، حضرت یوسف کے جمال صورت سے بھی ہمین انکار نہین، اور حضرت یوسف پر کیا موقوف ہے؟ دنیا مین کوئی نبی بھی

بد صورت نہین آیا، انبیائے کرام فطرۃ و مزاج انسانی کا کامل ترین ظہور ہوتے ہین، کمال فطرت بغیر اعتدال و قوام خلقت و کمال تنوحیم و ہیکل ممکن نہین " وکان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ینسب شبابا لا ینبسبہ الغلمان " اور اعتدال و قوام خلقت مین اعتدال ظاہر و باطن دونون داخل ہین، پس انبیائے کرام کے ظاہر و باطن دونون مین بجز جمال و حسن و خوبروئی کے اور کچھ نہین ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے، مگر مجرد جمال صورت کوئی ایسی چیز نہین جو انبیا کے لئے موجب فخر و مباہات یا معجزہ اور قرآن حکیم اسکا خاص طور پر ذکر کرے، حضرت یوسفؑ کا اصلی جمال، جمال عصمت و باطن تھا جسکا جلوہ قال معاذ اللّٰہ انہ ربی احسن مثوای کے مقام پر بھی نمایان ہوا، ما ھذا بشرا کے معاملہ مین بھی، السجن احب الی مما یدعوننی الیہ کے اعلان مین بھی اور انی حفیظ علیم کے تخت جلال و عظمت پر بھی، کیا یہ جمال انکے حسن مقدس کی جہان آرائی کے لئے بس نہین کرتا ؟ لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب،

تفسیر سورۂ یوسف کی چند مشہور و عام غلطیون مین سے ایک غلطی یہ تھی، سورۂ مذکورہ کی تفسیر مین یہ بحث بالتفصیل لکھا جا چکا ہے،

---

# باب التقریظ والانتقاد

## گلکدہ[۱]

یعنی

مجموعۂ غزلیات جناب مرزا ہادی صاحب عزیز لکھنوی

از

مولوی ابوالحسنات ندوی رفیق دارالمصنفین

موجودہ شعراے لکھنؤ دو طبقون مین منقسم کئے جا سکتے ہین، ایک وہ جو قدیم طرز شاعری پراب تک قائم ہے، دوسرا وہ جس نے قدیم طرز سخنگوئی مین نیا رنگ پیدا کیا ہے، جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیز اس دوسری جماعت کے ایک ممتاز رکن ہین، دنیاے ادب مین شاعر کی حیثیت سے بارہا انکا تذکرہ اخبارات و رسائل مین آچکا ہے اس لئے وہ کسی جدید تعارف کے محتاج نہین، ماہ گذشتہ مین انھون نے اپنی غزلون کا ایک مجموعۂ "گلکدہ" کے نام سے شائع کیا ہے، امید ہے کہ ادب و شاعری کے حلقون مین وہ وقعت کی نگاہ سے دیکھا جائیگا۔

مرزا عزیز کی شاعری کی ممتاز خصوصیات تین ہین، جذبات[۱] نگاری، فارسی کی ترکیبون[۲] کا استعمال اور باوجود اسکے کلام کی صفائی اور روانی اور ابتذال[۳] سے پرہیز، ہر شعر مین انکی یہ کوشش ہوتی ہے کہ جذبات انسانی کی تصویر کھینچی جاے کیونکہ شاعری درحقیقت جذبات ہی کو موزون فقرون مین ادا کرنیکا نام ہے، وہ شعر شعر نہین جو جذبات انسانی کا ترجمان نہو، ذیل کے اشعار کو پڑھو، دیکھو کسقدر انکا لفظ لفظ جذبات کے آب حیات مین ڈوبا ہوا ہے، اور اُسکے مصرع مصرع مین سوز و گداز کے کتنے شعلے بھڑک رہے ہین،

آگے خدا کو علم ہے کیا جانے کیا ہوا — بس اُنکے رخ سے یاد ہے اٹھنا نقاب کا

بے نیازی یہ تری ناز سیہ کار دنکو — آئے لئے پھر آئین در پر تو بہ اگر بار نہو

آج صیاد نے فرمانِ رہائی تو دیا — لیکن انکو کہ جنھین طاقت پرواز نہو

دلمین پیوست ہے اک تیر نگاہوں کیونکر — ڈر رہا ہون کہ نگاہ غلط انداز نہو

دلِ پر درد سے جو آہ پر تاثیر نکلی ہے — غم پنہان کی لیکر ساتھ اک تصویر نکلی ہے

مٹے طلسم تصور تو اب قدم اٹھین — کہ ذرہ ذرہ یہ تصویر یار راہ مین ہے

کچھ دور وہ ساتھ اپنے جنازہ کے چلینگے — کیا دیر ہے بیمار محبت کہین مر بھی

بیٹھا ہے جھکائے ہوئے سر دیر سے کوئی — بیمار شبِ غم کوئی کروٹ تو ادھر بھی

دینا نہ عزیز آنکھ کو گردش دم آخر — بیٹھے ہین سرہانے ترے ارباب نظر بھی

کسنے دیکھا کونسی معجز نما نظرین اٹھین — لو وہی ٹوٹے ہوئے دل پھر صدا دینے لگے

یہی کہہ کہکے مین نے منزلون کی ہمت افزائی — کہ اب آتا ہے اے دل اب درِ جانانہ آتا ہے

ترے وعدے کی حقیقت کو ہمین سمجھے ہین — وہ حریص زندگی ہے جسے اعتبار آئے

قیامت کیا عزیز ایک نام ہے فریاد کا میری — فروغ بزم ہستی کا فقط ضبطِ فغان تک ہے

عالم کے انقلاب کا اللہ رے اثر — مین دیکھتا ہون دلکی بھی بنیاد ہلگئی

مرزا صاحب غزلگوئی مین مرزا غالب کے طرز سخن کا تتبع کرتے ہین، اور انکی غزلون پر غزلین کہتے ہین، ارباب نظر جانتے ہین کہ مرزا غالب کے طریق کلام کی کامیابی کے ساتھ پیروی کس درجہ مشکل ہے، قید "کامیابی" کا اضافہ اس لئے کیا گیا ہے کہ آج کل غالب پرستی کی جو آندھی ملک مین چل رہی ہے اسنے صحت وخطا، عیب وہنر، فصاحت وتعقید کی چشم تمیز کو گرد آلود کر دیا ہے،

مرزا عزیز کی اس قسم کی غزلون کے چند اشعار ذیل مین نقل کئے جاتے ہین، مرزا غالب

کی ان زمینوں میں ایسے عمدہ شعر نکالنے پر جناب عزیز کی جسقدر تحسین و آفرین کیجائے کم ہے۔

| | |
|---|---|
| دیکھکر در و دیوار کو حیران ہونا | وہ مرا پہلے پہل داخل زندان ہونا |
| ان سے کرتا ہے دم نزع وصیت یہ عزیز | خلق و نیکی مگر تم نہ پریشان ہونا |
| مڑ مڑ کے دیکھتا تھا میں دشت میں ہر بار | کوئی تو میرے ساتھ بیابان نورد تھا |
| کوسوں دیار عشق میں آبادیاں نہیں | یاد شت بیخبر جب سے مرا دل نہیں رہا |
| ظاہر ہوا ہے میرے رخ نیلگوں سے اب | انجام ضبط گریۂ طاقت گداز کا |
| ظاہر میں ایک سادہ ورق ہی یہ دل مگر | نقش طلسم راز ہے اک کارساز کا |
| کسکے جلوہ نے یہ کی آئینہ بندی ہر سو | دیکھا جس ذرہ کو وہ دیدۂ حیران نکلا |
| مرگیا ایک نظر دیکھکے گردون کی طرف | ترے بیمار کا جب کوئی نہ پرسان نکلا |
| ہے ضبط گریہ میرے لئے اک محال بات | گو آنسو نہیں دل کی حقیقت ہی کیون نہو |
| میری خاموشی کی شرحیں لوگ جو چاہیں کریں | درد دل میں کیا کہوں جب ہمزبان کوئی نہو |
| پائی جب خلوت کہیں پابند رسم ضبط نے | رو دیا یہ سوچکر شاید یہان کوئی نہو |
| جفا و امتحان کا عشق میں جب ایک حاصل ہو | ستم ہی کیون نہو بدنام نام امتحان کیون ہو |
| نہ پوچھو دم کے رکنے کا سبب تم نزع میں مجھسے | کیا ہو زندگی بھر ضبط جسنے رائگان کیون ہو |
| زمانے کے حوادث خود مری فطرت میں داخل ہیں | مصیبت دلکی کیا کم ہے بلائے آسمان کیون ہو |
| رونا تو ملا ہے ہر اک دلکو بیش و کم | وہ داغ عشق ہے نقش سویدا کہیں جسے |
| یہ کہکے بزم وعظ میں اک جام پی لیا | کب تک رکھیں امید شراب طہور کی |
| واعظ جو کشتہ تھا کشش تاب جمال | ہان ہان محبت آپ نے کی اور ضرور کی |
| مانا کہ بزم حسن کے آداب ہیں بہت | جب دل ہی پر اختیار نہو کیا کرے کوئی |

مرزا صاحب نے کلام مین فارسی الفاظ اور ترکیبون کی آمیزش سے وسعت بیان، نزاکت مضمون اور حسن ادا میں اکثر جسکی طرف جو توجہ کی ہے اور اسمین جس حد تک وہ کامیاب ہوئے ہین وہ مطالب سے ہے حقیقت یہ ہے کہ فارسی ترکیبون سے بسقدر وسیع اور پُر معنی مطالب چھوٹے چھوٹے فقرون مین ادا ہو جاتے ہین محض اردو یا ہندی الفاظ کی ترکیب سے وہ طلسم معانی نہین بن سکتا ہمارے موجودہ شعرائے اردو مین فارسی ترکیبون کی آمیزش کرنے والے اشخاص بکثرت پیدا ہو گئے ہین لیکن سچ یہ ہے کہ بہت کم اصحاب ذوق سلیم کا ثبوت دیسکتے ہین جسقدر کلام میں حسن اور بلندی پیدا کرتی ہے اسیقدر بسا اوقات عیب اور پستی بھی پیدا کرتی ہے۔

ایک منصف مزاج نقاد سخن علانیہ اسکا اقرار کریگا کہ اس بارہ مین مرزا صاحب نے جسقدر ذوق صحیح اور سلامت طبعی سے کام لیا ہے وہ مدح و ستایش سے مستغنی ہے، اور یہ وصف انکے کلام مین اسقدر عام ہے کہ خاص طور پر دکھانے کی حاجت نہین جہان سے بھی کلام پر نظر ڈالو یہ حسن نظر آئیگا، چنانچہ اشعار بالا کو پڑھکر بھی ہر شخص اسکا اندازہ لگا سکتا ہے۔

باایں ہمہ فارسی کی بعض ترکیبون کی صحت کے متعلق مجھے شک ہے، چنانچہ ذیل کے اشعار مین خط کشیدہ الفاظ اور ترکیبین قابل غور ہین،

گل جو گلزار مین ہین گوش بر آواز عزیز		مجھ سے بلبل نے لیا طرز نوا سنجی کا

ابھر رہی گی اور حسن کی سرگرمیان بھی		لیتے ہین کام نالۂ آتش نشین سے ہم

بیان کرتا ہی جب کوئی مرا انداز وحشت		لبون تک خون مین ڈوبا ہوا افسانا آتا ہی

ہے شور مری لاش پہ ہر رہگذری کا		لیکن وہی عالم ہو تری بیخبری کا

وہ شوق قتل و ولولۂ دل نہین رہا		اب اُنکے امتحان کے قابل نہین رہا

یہ مختصر سی ہے مری سوانح عمری		ہمیشہ وقف ستمہائے روزگار رہا

مجھے یہ تسلیم ہے کہ اس قسم کے مسامحات بہت کم ہین، اوران مین سے بعض شاید قواعد کے رو سے صحیح بھی نکلین لیکن فصاحت کا معیار قواعد سے زیادہ بلند ہے ہمین مرزا عزیز سے جس کلام کی توقع ہے اسکو ان شکوک وشبہات سے بھی پاک وصاف ہونا چاہئے، ایک غزل کا شعر ہے،

بقدر جوش جوانی بڑھا غرور انکا      کہ مے نے نشہ باندازۂ خمار کیا

یہی تشبیہ مرزا غالب کے یہان بھی اس شعر مین ہے،

نشہ باندازۂ خمار نہین ہے      دیتے ہین جنت حیات دہر کے بدلے

لیکن ان دونون مین جو امتیاز اور فرق ہے ظاہر ہے، مرزا عزیز کے ہان قلب تشبیہ ہو گیا ہے،

اسی طرح یہ چند الفاظ اور ترکیبین بھی قابل غور ہین،

ہنگامہ خیز کشمکش حسن وعشق ہین      دل یون لپا کہ جیسے غبار نبرد تھا

آئینہ حیات ہے تیرا فروغ حسن      زندہ وہی ہے جو کہ ترا روشناس ہے

نہین زاہد تجھے اندازۂ لذات روحانی      بہشت روح اک نظارہ ہے آفت جان کا

لذات کی صحت مین شبہہ نہین، لیکن یہ ضرور ہے کہ غزل کی زبان مین ہر صحیح لفظ شیرین اور لطیف بھی ہو،

اس قسم کے بعض اشعار کو چھوڑ کر بقیہ پورا گلکدہ مسامحات اور نکتہ چینون کی دار وگیر سے پاک ہے اور استادانہ رنگ اوسمین صاف جھلکتا ہے،

صفائی وروانی اگر کلام کے حسن رخ کا آب ورنگ ہے تو مرزا عزیز نے اسکے بھی بہترین نمونے پیش کئے ہین ذیل کے اشعار کو پڑھو کسقدر بے تکلف صاف اور روان ہین،

بدگمان کو میری میت پہ یقین ہکنے کا ہو      حکم ہے آئینہ دکھلاؤ مری تصویر کا

بعد میرے میرا سامان سب تبرک ہو گیا      حلقہ حلقہ بٹ رہا ہے اب مری زنجیر کا

اک خدائی جان دینے کیلئے تیار ہے ‌ ‌ ‌ کیا قیامت ہی کمر سے باندھنا شمشیر کا

شمع بجھکر رہگئی، پروانہ جلکر رہگیا ‌ ‌ ‌ یادگارِ حسن و عشق اک داغ دلپر رہگیا

ضعف مین کرتا بیان کسطرح آخر دردِ دل ‌ ‌ ‌ آپکا بیمار اک کروٹ بدلکر رہگیا

ہچکیاں آئی تھین دو چار جو ہنگام وفات ‌ ‌ ‌ تھی وہ آواز شکستِ دل بسمل قاتل

سوزِ باطن کا اثر ضبط سے چھپتا ہی کہین ‌ ‌ ‌ شمع کو آبلہ سر تا بقدم دیکھتے ہین

آخر مین یہ ظاہر کردینا بھی ضروری ہے کہ شعرائے لکھنؤ کی اس نئی جماعت نے قدیم طرز شاعری کے بدلنے مین گو کامیابی بہت کچھ حاصل کی ہے، تاہم اب تک جو کچھ ہوا ہے وہ یہی ہے کہ قدیم مرثیہ گوئی کو تغزل کے قالب مین بدلدیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ سوز و گداز، حسرت و غم، یاس و ماتم، ناامیدی و موت کے جذبات بکثرت اور سو سو پہلو سے ادا ہوتے ہین، لیکن جوش و خروش، رندی و سرمستی، رفعت و بلندی، اور معاملات حسن و عشق، اور واردات قلبی کے مضامین کی بڑی کمی ہے، اسلئے ہمارے نئے متاز شعرا کو اب ان چیزونکی طرف بھی توجہ ضروری ہے صف ماتم ہٹا کر بزم نشاط قائم کیجئے کہ مدت کے مردہ دلون مین ترو تازگی اور جوش و خروش پیدا ہو اور غم و حسرت کے بجائے ہمارے نوجوانون مین امید اور ترنگ کے ولولے موجزن ہون،

الفاظ کسیقدر شیرین اور فصیح ہون لیکن کبھی کبھی وہ کثرت تکرار سے بے مزہ اور کانون کو ناگوار معلوم ہونے لگتے ہین، مرزا صاحب نے بعض الفاظ مثلاً "جذبات" "ترکر" "سوز" وغیرہ کو باربار دہرایا ہے، ہر غزل مین علحدہ علحدہ یہ الفاظ برے نہین معلوم ہوتے لیکن ایک مجموعہ اور دیوان کی صورت مین وہ حد احتراز تک پہنچ جاتے ہین، تاہم ان چند الفاظ سے قطع نظر کرکے اگر اس دیوان کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ مصنف نے شعرائے لکھنؤ کے سینکڑون ہزارون مبتذل الفاظ اور خیالات سے اپنے کلام کو اسقدر بلند کیا ہے کہ غزل کی زمین آسمان بن گئی ہے۔

# ادبیات

## سخن حبیب

از جناب مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی صدر الصدور دولت آصفیہ حیدرآباد دکن

کافرِ عشقم مسلمانی مرا در کار نیست
(امیر خسرو)

لالۂ ہمرنگ تو در دامنِ گلزار نیست — بوے مشکین زلف تو در طبلۂ عطار نیست

شور وحشت شد ز سرہا نیست پای در طلب — رسم جانبازی ز پا آمد سرے بردار نیست

طبع نازک از نیاز قیدِ رسم افتادہ ست — رشتۂ الفت چو دارم حاجتِ زنار نیست

غنچہ را شکلِ دہن شد، شیوۂ گفتار کو؟ — سرو را قدِ سہی شد جلوۂ رفتار نیست

نیست دولت در جہان جز وصلِ یار سیم تن — نقدِ عیشے در زمان جز دولتِ دیدار نیست

کیفِ چشمِ مست تو در بادۂ گلرنگ کو؟ — ذوق جامِ لعل تو در ساغرِ سرشار نیست

در بہاران سیرِ گلشن غنچۂ دل وانکرد — چون بہارِ گلشنم آن غیرتِ گلزار نیست

نیست کارے با طبیبِ شہر رنجورِ ترا — گشتۂ سکین مبتلاے دردِ دل بیمار نیست

دیدۂ کز عشقِ جانان می نبارد سیلِ اشک — درخورِ جنات عدن تحتہا الانہار نیست

از بنِ ہر موے حسرت نالہا سر می زند
نغمہاے دلکشا در بندِ چوب و تار نیست

# سپاسِ یزدان

از مولوی محمد احسن اللہ ثاقب (سابق مدیر قند پارسی) پروفیسر فارسی و عربی وکٹوریا کالج گوالیار

سپاس کہ شایانِ یزدان بود نہ درخورد نیروے انسان بود
خداوندِ گیتی خداوندِ جان بفرمانش دوزخ بامرش جنان
جہان دار را مرخدائی تراست ہمہ بندگانیم شاہی تراست
گہرہاے رخشان بجیحون دہی فروزان شقائق بہامون دہی
دمِ عطر با از تو یابد صبا مہ چاردہ از تو جوید ضیا
تو افراختی چرخِ گردندہ را کہ حیران کند مردِ بینندہ را
شبش از ستارہ منور کنی کہ یابد زمین ہم ازان روشنی
زمین رشکِ مینو کنی در بہار ز ہرگونہ گل بر دمد بے شمار
ہوا قطرہ افشان و گل ہر طرف دمد آدمی زاد دل را ز کف
گروہے فرستی ز نوشین لبان کہ ہر عشوۂ شان بود دلستان
بقد سرو نازندہ، بخد آفتاب دلِ سینہ ریشان ازانہا کباب
بابرو کمان و بگیسو کمند کہ آرند یک شہر جان را بہ بند
ز چشمانِ شہلا کہ گیرد حساب کہ مستند و کردند عالم خراب
تبسم، مگو راہِ دل می زند کہ آتش بجان متصل می زند
گروہے فرستی ز فرماندہان کہ از سطوتِ شان بلرزد جہان
ہمہ داد پرور ہمہ عدل کوش ہمہ کوہِ حلم و ہمہ بحرِ ہوش

نہ عاصی بہر لحظہ پوزش پذیر  بشکوہِ اَلکاظمین مستنیر
کرا طاقتِ آن ستایدترا  ندانم پسندا نچہ آید ترا
مگر سجدہ آرم بدرگاہِ تو  فنا سازم این جسم درراہِ تو
کہ چون تشنہ میرم شرابم دہی  برو عانیان قطرہ آبم دہی
تبہ کاریٔ من بدان حد رسید  کہ چشم گہے روے نیکی ندید
نہ سوزے نہ دردے یکے مردہ دل  دماغے پریشان قویٰ مضمحل
تودانی ازین ہا چہ راحت رسد  کہ نخلے کہ افتادکے بر دہد
فغان از زمانے کہ آیم بتو  سیہ نامۂ خود نمایم بتو
زناکردنیہا سرافگندہ پیش  بشمشیرِ حسرت دل وسینہ ریش
ندامت مگر یاریٔ من کند  زدیوان غفران نویدے رسد
توگفتی کہ رحمت فزون از غضب  ہمین ست واین ست واین کار رب
قد سبقت رحمتی علیٰ غضبی۔
خدایا زرحمت نصیبے بدہ  بدشتم دگرو زرِ خسرمن بنہ

## غزل

مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی

زیرِ مزار جاکر در تافلک سے کیا مین  یون مٹ کے رہ گیا ہون جیسے کبھی نہ تھا مین
صیاد نے چھڑایا مجھسے وہ آشیانہ  اک عمر جسکی خاطر تنکے چُنا کیا مین
کُھل جائیگی حقیقت اُس عاریت سرا کی  جس دن اُتار دونگا یہ جامۂ فنا مین
اظہار حسرت وغم اب کیون مری لحد پر  گو آج مین نہین ہون لیکن کبھی تو تھا مین
کچھ ہوتا تو کھلتے کا ہیکو رازِ عالم  شمع خموش بنکر سبکی سُنا کیا مین

دنیا کے اہل عبرت پڑھو لینگے یہ کتابت | مٹی پہ چھوڑتا ہون اک نقش بوریا مین
دل لے سکا نہ کروٹ تیرا نظارہ کرکے | بزم جہان مین دیکھون کسکو ترے سوا مین
ہجران نصیب دل کو وصلت کا ہوش کب تہا | کہتا ہی مجھسے کوئی تیرے قریب تہا مین
ثاقب غزل نہین تھی یہ ماجرائے دل تہا | جو کچھ تہا راز الفت باتون مین کہہ گیا مین

---

## کلامِ فانی

جناب شوکت علی صاحب فانی بی۔ اے ال ال بی بدایونی

ہم اپنے جی سے گذرے یون سحر کی | شب غم بڑھ چلی تھی مختصر کی
تمہین کس دل سے اپنی جان کہئے | وفا اُس نے تو کی اور عمر بھر کی
انہین تحسین کرنا چاہتا ہے | قضا آئی ہے کیا دردِ جگر کی
کشش کیسی کہان کا جذبۂ دل | وہ آئے ہین بن آئی ہے اثر کی
ہم اکثر جاکے ویرانہ سے پلٹے | ہمارے گھر سے ویرانی نہ سرکی
مرا قتل انکے ہاتھون یہ تو باتین | کچھ انکے منھ کی ہین کچھ نامہ بر کی
تمہارے عشق کا اللہ رے فیض | جگر مین دہوم ہے دردِ جگر کی
نگاہِ شوق کے دم تک تھی آنکھین | اب آنکھین یادگارین ہین نظر کی
اُٹھا ہاتھ اے تصور فاتحہ کو | یہ دل کی ہے وہ تربت ہی جگر کی

شب فرقت کٹی یا عمر فانی
اجل کے ساتھ آمد ہے سحر کی

# مطبوعاتِ جدیدہ

## قدیم وجدید معاصرین

اردو سلسلۂ صحافت مین چند نئے رسائل واخبارات خاص طور پر قابل ذکر ہین، ان مین سے کچھ تو پرانے رسائل ہین جو نئے دم خم سے میدان مین آئے ہین، اور کچھ نئے جو ہمارے حلقۂ معاصرت کی خوشنما کڑیان ہین،

**صبح امید**، اسکا ذکر پہلے بھی ہم کر چکے ہین، اسوقت ہم نے جو امید باندھی تھی، الحمد اللہ کہ پوری ہورہی ہے، اسکا مقصد اردو مین معتدل، سیاسی، معاشرتی اور ادبی ذخیرہ پیدا کرنا ہے، چند پچھلے پرچون مین اس نے قابل قدر مضامین شائع کئے ہین، اسکے سیاسی خیالات وتعلیمات استوار و مدلل ہین، غوغاے عام کی پیروی اسکا مسلک نہین، یہ صرف حقیقت پر نظر رکھتا ہے، سیاست کی تلخی کے ساتھ ادبی لطائف کی شیرینی کو بھی اس نے ملا دیا ہے، رفتار قوم کے نیچے جو شذرات لکھے جاتے ہین انکا فقرہ فقرہ ادب وانشا کی چاشنی مین ڈوبا ہوتا ہے، آخر مین بہار سخن کے عنوان کے تحت مین قدیم شعراے اردو کے کلام کا انتخاب ہوتا ہے، اس انتخاب مین غالب کو لینا اسلئے بیکار ہے کہ انکا دیوان تو خود منتخب اور مختصر ہے، ضخیم دیوانون کے مالک شعرا کا جائزہ لینا البتہ مناسب ہے، لکھائی چھپائی بہت صاف اور عمدہ ہے، قیمت سالانہ للعہ؎ پتہ: دفتر صبح امید، امین الدولہ پارک لکھنؤ،

**قوم**، جناب عباس حسین فارسی علیگ کی ایڈیٹری مین دلی سے ہفتہ وار شائع ہوتا ہے، ادب معاشرت، تمدن، تاریخ، سیاست ہر قسم کے مضامین کی سرخیان ہوتی ہین، لیکن زیادہ تر مباحث ملکی و سیاسی ہوتے ہین، ہمدرد کے سوا دلی سے کوئی نامور اخبار نہین نکلا، عموماً جو اخبارات نکلے انکی حیثیت محض مقامی رہی، قوم پہلا اخبار ہے جس نے ہمدرد کے فراموش شدہ عہد کو زندہ کیا ہے، خیالات پرجوش

طرز تحریر پسندیدہ، ترتیب موزون، مواد وافر، لکھائی چھپائی صاف، کاغذ بھی اچھا، قیمت سالانہ سے (۳)

پتہ: دفتر اخبار قوم، دہلی،

**اعجاز القرآن**، امرتسر سے شائع ہوا ہے، اسکا مقصد محض دینی خدمت اور تعلیمات قرآنی کی تبلیغ و اشاعت ہے، ابھی پہلا پرچہ شائع ہوا ہے، جسمین کوئی خاص قابل ذکر مضمون نہین، اس لئے مضامین کی نسبت ابھی کوئی رائے نہین ظاہر کیجا سکتی، لکھائی چھپائی کاغذ ہر چیز محتاج توجہ و اصلاح ہے، قیمت سالانہ ؂، دفتر اعجاز القرآن، حکیم روڈ، امرتسر، (پنجاب)

**اسوۂ حسنہ**، یہ رسالہ کسی جدید تعارف کا محتاج نہین، چھ مہینے کی مجبورانہ تعطیل کے بعد اب پھر نکلا ہے، اسکی گذشتہ خدمات اسلامی حلقون مین فراموش نہ کی گئی ہونگی، اس رسالہ مین عموماً اخلاقی اور اصلاحی مضامین شائع ہوتے ہین، جس خوش اسلوبی کے ساتھ یہ اپنے فرائض ادا کرتا رہا ہے یقین ہے کہ اس جدید دور مین بھی وہ اُن سے قاصر نہ رہیگا، اسکا حصۂ نقد عیوب مراعات سے ہمیشہ پاک رہا ہے، واقعات حاضرہ کے متعلق اسکی رائے ہمیشہ بے لاگ رہی ہے، پہلے میرٹھ سے شائع ہوتا تھا اب دہلی (بازار چھلی والان) سے شائع ہوتا ہے، قیمت قسم اول سے (۳)، قیمت قسم دوم عہ،

**زمانہ کانپور**، یہ رسالہ بھی اپنی گذشتہ شاندار خدمات کے لحاظ سے محتاج تعارف نہین، ایک زمانہ مین اردو کے ادبی رسائل مین اسکا شمار سب سے اول تھا، اسکے بعد بعض حالات کی وجہ سے کسیقدر اپنے رتبہ سے گر گیا تھا، مگر اس جدید دور مین یہ بوڑھا پہلوان بھی نئے تیور کے ساتھ میدان مین اترا ہے امید ہے کہ اگر منشی دیا نرائن صاحب نگم کی توجہ آزاد نے سلب نہ کرلی تو رسالہ اپنی پہلی شان دوبارہ حاصل کرلیگا، ادہر جو پرچے نکلے ہین اُن مین اُردو نظم و نثر کا عمدہ لٹریچر فراہم کیا گیا ہے، اسکے افسانہ کا حصہ ہمیشہ پسندیدہ رہا ہے، بعض اقتصادی مضامین بھی اس نے قابل قدر شائع کئے ہین رفتار زمانہ کے تحت مین جن سیاسی خیالات کا اظہار ہوتا ہے، شاید قوم پرست انکو پسند نہ کرین لکھائی چھپائی

کاغذ عمدہ ہوتا ہے، ہر مہینہ مین متعدد تصویرین بھی ہوتی ہین قیمت سالانہ للعہ (۴) دفتر زمانہ کانپور،

**النظامیہ**، فرنگی محل لکھنؤ کا علمی اور مذہبی رسالہ ہے جو کئی برس سے کامیابی کے ساتھ نکل رہا ہے، کبھی کبھی اسمین عمدہ مضامین نکلا کرتے ہین، علماے فرنگی محل کے خیالات اور مجتہدات علمی کو دیکھنا ہو تو اس رسالہ کو منگوائیے، قیمت عہ پتہ: فرنگی محل لکھنؤ،

**محقق**، دلی کے متعدد جدید رسائل مین ایک نیا رسالہ یہ نکلا ہے جسکا دعوی ہے کہ وہ مذہب کو عقل و نظر کی میزان سے تولیگا، پہلا پرچہ ہمارے پاس پہنچا ہے، ع سالے کہ نکوست ازبہارش پیداست کیا آجکل دلی مین برسات کا موسم ہے،

**الواعظ**، حیدرآباد دکن سے ایک نیا ماہوار مذہبی رسالہ نکلا ہے، مضامین نظم و نثر پسندیدہ ہوتے ہین، قیمت سہ پتہ: دفتر واعظ، شاہ علی بنڈہ حیدرآباد،

**مخزن**، لاہور کا یہ پرانا ادبی رسالہ جو تقریباً ۱۸ برس سے نکل رہا ہے، ہمارے اکثر ادبی رسالون کا پدر اول ہے، یہ امر اسکے اولیات مین شمار ہوگا کہ جدید تعلیم یافتہ فرقہ کو اسی نے سب سے پہلے ادہر متوجہ کیا، اسوقت اردو کے اکابر اہل قلم شلاً ڈاکٹر اقبال، بیرنیرنگ، مولوی حسرت ہانی انکا جوہر تحریر اسی کے ذریعہ منظر عام پر نمایان ہوا،

شیخ عبدالقادر بی۔اے جب سے عملاً اس رسالہ سے علحدہ ہوگئے، وہ اپنا قدیم وقار قائم نہ رکھ سکا تاہم اسکی سخت جانی کی داد دینی پڑیگی کہ اس نے اس نا التفاتی کے باوجود اپنی زندگی کو اس مدت دراز تک قائم رکھا، مولوی تاجور نجیب آبادی کچھ عرصہ سے اسکے ایڈیٹر ہین، اور ہم نہایت خوشی کے ساتھ دیکھ رہے ہین کہ وہ مخزن کی نشاۃ ثانیہ مین کامیاب کوشش کر رہے ہین، اور اب مخزن کا نام دوبارہ زبانون پر آرہا ہے، اگر مضامین کے انتخاب مین ذرا اور احتیاط برتی جاسے تو اسکی سطح کی بلندی مین کوئی شک و شبہہ نہ رہے، قیمت للعہ پتہ: دفتر مخزن لاہور،

مجلد سوم | ماہ اپریل ۱۹۱۹ء مطابق رجب ۱۳۳۷ھ | عدد دہم



# مضامین



تصحیح - نمبر ۹ میں "سخن جیب" کے دو مصرعوں میں حسب ذیل تصحیح فرمالیں،

۱- طبع نازک بے نیاز از قید رسم افتادہ است ،

۲- آٹھویں شعر کے مصرع ثانی میں "درِ دل" کی بجائے درد دل چاہیئے ۔

ایڈیٹر

# شذرات

از مولوی عبدالماجد بی اے

حال مین مسز اینی بسنٹ کے مشہور روزانہ اخبار نیو انڈیا کے علمی ضمیمہ مین محمد ابراہیم صاحب کے قلم سے علامہ شبلی کے معرکۃ الآرا رسالہ کتبخانہ اسکندریہ کا ملخص ترجمہ شایع ہوا ہے، مترجم صاحب کی کوشش بہرصورت قابل ستائش ہے، لیکن افسوس ہے کہ بیجا اختصار نے ترجمہ کو بے لطف بنادیا، کچھ مدت ہوئی حیدرآباد کے ایک صاحب نے رسالہ مذکور کا پورا ترجمہ انگریزی مین کیا تھا، جو اسی زمانہ مین شایع ہوگیا تھا، لیکن اُسے لفظی پابندیون نے خشک و بے مزہ بنا دیا تھا، ضرورت اسکی ہے کہ مسٹر محمد علی کی قابلیت کا کوئی شخص اسکے مطالب کو اپنے طرز پر انگریزی مین ادا کرے جسمین ترجمہ کی جھلک نہو۔

---

بنگال کو ہندوستان کے دوسرے صوبون پر جو تفوق و امتیاز حاصل ہے وہ محض سیاسیات کی بنا پر نہین، محض اس بنا پر نہین کہ اُس نے بنرجی، باسو، وسنہا پیدا کئے ہین بلکہ علم و فن کے ہر شعبہ مین اسکا قدم سب سے آگے ہے، ٹیگور سے بڑھکر اسوقت دنیا مین کسی شاعر کی شہرت نہین، "نوبل پرائز" جو اساتذۂ علم و ادب کے لئے سب سے بڑا تمغہ سمجھا جاتا ہے، کئی سال ہوئے انہین مل چکا ہے، اور مشہور انگریزی پبلشر میکملن کمپنی اُنکی تصانیف کا کاپی رائٹ (حق اشاعت) ایک ایک ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ معاوضہ دیکر خریدتی ہے، مس تارادت بنگال ہی کی مشہور انگریزی شاعرہ ہوئی ہے، نئے لوگون مین اس وقت ہرندرو ناتھ چٹوپادھیا کی شاعرانہ شہرت کا آفتاب عروج پر ہے، بڑے سے بڑے انگریز ناقدین سخن اُنکی داد دینے پر مجبور ہین، مسٹر جے، سی بوس نے طبیعیات و علم الحیات مین اس پایہ کے اکتشافات

کئے ہیں کہ پہلے اور تنزل تک اسکے نام آسکے سامنے ماند پڑگئے ہیں، فن کیمیا (کیمسٹری) میں سر پی۔ سی رائے کی تحقیقات واجتہادات سے یورپ میں استناد کیا جاتا ہے، ڈاکٹر برجیندر ناتھ سیل کی فلسفیانہ عظمت یورپ کے اعلیٰ علمی طبقوں میں مسلم ہے، آر۔ سی دت اور پروفیسر جادو ناتھ سرکار کی مورخانہ اہمیت سے کسکو انکار ہوسکتا ہے، اسی طرح طب، ریاضی، ہیئت، منطق، اقتصادیات غرض ہر علم وفن کی مجلس میں فرزندان بنگال نے محققین یورپ کے پہلو میں اپنی جگہ نکال لی ہے، لیکن کیا اس ساری آبادی میں کوئی مسلمان نہیں ملتا، ہندو بنگالیوں میں اس درجہ ومرتبہ کے اگر سو دو سو افراد ہوچکے ہیں تو مسلمان بنگالیوں میں کم سے کم دس پانچ تو اس معیار پر پورے اترتے، لیکن کیا دو ایک کا نام بھی لیا جاسکتا ہے؟ سنتے ہیں کہ بنگال کے مسلمان جوش وولولہ، عزم وبلند نظری، حمیت وغیرت قومی میں اپنے ہم مذہبوں سے بہت آگے ہیں، کیا کسی پرجوش وباہمت وغیور قوم کی دماغی سطح اسقدر پست رہنا چاہیے؟

---

اردو جسقدر اول نظر میں کم مایہ معلوم ہوتی ہے، حقیقۃً اسقدر نہیں، اس ظاہری کم مائگی کا ایک بہت بڑا سبب یہ ہے کہ ہمارے ہاں ابتک پبلشنگ (نشر واشاعت) کا کوئی معقول وباقاعدہ انتظام نہیں، یورپ میں یہ ایک مستقل فن کی حیثیت رکھتا ہے، سیکڑوں بڑے بڑے کارخانے اور کمپنیاں محض نشر واشاعت مطبوعات کی غرض سے قائم ہیں جو شائقین کتب کو انکے مذاق کی مطبوعات سے برابر آگاہ کرتی رہتی ہیں، انگلستان کا نہایت مشہور دار الاشاعت ٹائمس بک کلب ہے، اسکا دعویٰ ہے کہ وہ انگریزی زبان کی ہر کتاب کو خواہ کسی ملک اور کسی زمانہ میں چھپی ہو مہیا کرسکتا ہے بشرطیکہ دنیا میں سکا وجود کہیں باقی ہو، اس سے بھی بڑھکر اس نے یہ سہولت پیدا کررکھی ہے کہ جس فن سے کسیکو دلچسپی ہو اسے اطلاع دیدیجائے اور وہ اس موضوع کے متعلق تمام مطبوعات کی ایک فہرست مع انکی قیمت اور مصنف کے نام وغیرہ کے بھیجدیگا کہ خریدار اس میں سے خود انتخاب کرلے، اردو کے لئے بھی

جب تک بڑے پیمانہ پر کوئی دار الاشاعت نہ قائم ہوگا ہمین علوم کی ترقی نہین ہو سکتی۔

ہمارے ہان کسی تعلیم یافتہ جماعت کے سامنے بھی اگر یہ سوال پیش کیا جاے کہ اردو مین فن منطق پر کچھ کتابین ہین تو شاید ہر شخص اسکا جواب نفی ہی مین دے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اردو مین اس فن پر متعدد کتابین موجود ہین، ذیل مین چند کے عنوانات مع اُنکے سنین طبع و اسماے مصنفین کے درج کئے جاتے ہین؛

| کتاب | مصنف | سنہ و مقام طبع |
| --- | --- | --- |
| کرائف المنطق | مسٹر بی جے اسکاٹ (بریلی مین پادری تھے) | سنہ ۱۸۷۲ء لکھنؤ |
| خلاصۃ المنطق | بابو دیبی پرشاد | سنہ ۱۸۷۲ء لکھنؤ |
| مبادی الحکمۃ | مولانا نذیر احمد | سنہ ۱۸۷۳ء دہلی |
| منطق قیاسی | بابو مدن گوپال ایم۔اے | سنہ ۱۸۷۹ء لاہور |
| مناہج المنطق | محمد رضا خان | سنہ ۱۸۸۰ء لکھنؤ |
| منطق استخراجی | چودہری علی گوہر ایم اے | سنہ ۱۸۹۰ء لاہور |
| منطق استقرائی | پیرزادہ محمد حسین ایم اے | سنہ ۱۸۹۳ء لاہور |

اِنکے علاوہ ملک کے مشہور منتشر کتبخانون مین اور بھی متعدد کتابین اردو مین منطق کی ملتی ہین لیکن انکے وجود کا کسکو علم ہے؟ اس عام بیخبری و لاعلمی کا اگر کچھ علاج ہو سکتا ہے تو صرف یہی کہ اعلیٰ پیمانہ پر ایک دار الاشاعت قائم کیا جائے۔

علوم و فنون کی ترقی کا ایک بڑا ذریعہ یہ بھی ہے کہ حکومت کی طرف سے مصنفین و اہل قلم کی قدردانی کیجائے، انکی تصنیفات کی سرپرستی ہو، اور انہین گرانقدر وظائف و دیگر معاش کی جانب سے

مطعون کردیا جائے، مشرق مین ہمیشہ اس طریقہ پر عمل رہا ہے، اور جمہوریت پسند و حریت دوست مغرب بھی اس دائرہ سے اب تک قدم باہر نہین رکھ سکا ہے، انگلستان، فرانس، جرمنی ہر ملک مین کم و بیش یہ طریقہ اب تک جاری ہے۔ خود ہندوستان مین گورنمنٹ آج سے چالیس پچاس سال پیشتر اس اصول پر عامل تھی، مولانا نذیر احمد کی اکثر تصانیف اسی دور کی یادگار ہین، آزاد و حالی کی بھی بعض تحریرین اسی سلسلہ کی کڑیان ہین، لیکن ایک عرصہ سے یہ مد غالباً سرکاری بجٹ (تقدمہ) سے نکال دیگئی، کیا اب گورنمنٹ کے نزدیک اردو کو اسکی ضرورت باقی نہین، یا گورنمنٹ کے اہل حل و عقد اب اتنے جوہر شناس و علم دوست نہین رہے جتنے پیشتر تھے؟ اسقدر تو یقینی ہے کہ مولانا نذیر احمد کی مبادی الحکمۃ پر جو تقریظات اسوقت کے ڈائرکٹر تعلیمات اور لفٹنٹ گورنر نے تحریر کی تھین، انکی توقع موجودہ اعلیٰ عہدیدارون سے ہرگز نہین ہو سکتی

---

اسی زمانہ کے ایک خوش قسمت مصنف مولوی مظہر الحق مظہر ہین، دلی کے باشندہ، پہلے شاید کسی اسکول مین ماسٹر تھے، پھر ایک رئیس کے اتالیق ہو گئے، ۱۸۷۰ء مین انھون نے ایک کتاب مظہر المضامین کے نام سے ترجمہ و تالیف کی، جسمین یورپ کے علوم و فنون و دیگر حالات کے متعلق تیس متفرق مضامین ہین، کتاب کی ضخامت چھوٹی تقطیع پر ڈیڑھ سو صفحہ کی ہے، نوعیت مضامین کا اندازہ عنوانات ذیل سے ہو سکتا ہے،

(۱) غبارہ یا بیلون،
(۲) خاصہ کہربائی یا الکٹرسٹی،
(۳) آلات برقی،
(۴) مرکز العلوم کیمبرج یونیورسٹی۔
(۵) کتبخانہ ہاے یورپ،
(۶) مقیاس الریح یا آلہ بیرومیٹر
(۷) قوس قزح،
(۸) بجلی اور رعد وغیرہ،

کتاب معمولی درجہ کی تھی، لیکن حکومت کی سرپرستی اُسے بھی حاصل ہوگئی، مصنف کو معقول صلہ ملا اور کتاب طبع ہوئی۔ اُسکے دیباچہ مین مصنف صاحب اپنے ایک تذکرۂ شعرار فارسی کا تذکرہ ان الفاظ مین کرتے ہین:-

"دوہزار شاعرون کی پانچ برس مین تاریخ لکھی، جان کھپائی، تلاش کی، منصف جانتے ہین کہ فارسی شاعرون کی ایسی تاریخ کسی نے نہ لکھی تھی، مگر قسمت کی بات ہے، اسکا کوئی خریدار نہوا، ایک صندوق مین پڑی ہے، سچ تو یون ہے کہ ردی ہے، اگر خدا نے چاہا اور کچھ سرمایہ بہم پہنچا تو خود ہی لکھونگا، گورنمنٹ کو بھیجونگا، اسکے سوا کون قدردان ہے،،

کیا اسوقت بھی کسی اہل قلم کو گورنمنٹ سے وہ حسن ظن ہے جسکا نمونہ فقرۂ زیر خط مین نظر آتا ہے"

---

ضمناً اس کتاب سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اسوقت گورنمنٹ کا ارادہ اُردو یونیورسٹی کے قیام کا تھا چنانچہ خود یہ کتاب بھی اسی سلسلہ مین لکھی گئی تھی، مصنف کہتے ہین کہ ہم لوگ،

اپنی محسن سرکار کا شکریہ ادا کرتے ہین کہ عنقریب انہین علوم کی یونیورسٹی بزبان اُردو بھی مقرر ہونیوالی ہے، لیکن یہ کام کچھ آسان نہین، بڑا بھاری ہے، مدت چاہیئے جب ان علوم کی کتابون کا ترجمہ ہو، اس خیال سے اپنے ہم وطنون کی بہبود کے لئے، ور... س نظر سے کہ یونیورسٹی مذکور کی اعانت ہو، احقر خلائق... الخ"

یہ عجیب لطیفہ ہے کہ جو خواب شمالی ہند مین ۱۸۶۸ء مین دیکھا گیا تھا اسکی تعبیر پچاس سال کے بعد دکن مین پوری ہوتی نظر آرہی ہے،

# مقالات

## اسلام مین مختلف فرقون کی نشوونما
اور
## اُسکے علل واسباب

از مولانا عبدالسلام ندوی

خیالات اگرچہ بذات خود مادّی نہین لیکن وہ مادیات کے سلسلے سے الگ نہین ہین، ہمارا دماغ جو خیالات کا گہوارہ ہے وہ خود مادیات سے گھرا ہوا ہے، اسلئے ذرون کی جنبش، ہوا کی حرکت، دریا کی موج، مناظر طبیعیہ کی دلفریبی، قوس وقزح کی بوقلمونی، تلوارون کی جھنکار، غرض دنیا کی ایک ایک چیز ہمارے دماغ مین ایک غیر محسوس ٹھوکر لگاتی ہے، اور اس سے خیالات کی جو لہرین اٹھتی ہین، وہ مختلف علوم، مختلف عقاید، ور مختلف مذاہب کی صورت اختیار کرکے بحر بیکران بنجاتی ہین، نیوٹن کا مسئلہ جذب وکشش کتنا عظیم الشان اور کتنا نتیجہ خیز مسئلہ ہے، لیکن اسکا رگ وریشہ صرف انگور کے ایک خوشہ کے ساتھ وابستہ ہے،

یونان اور ہندوستان دونون کی سرزمین نے بکثرت دیوتا پیدا کیے، لیکن یونان کے دیوتا اکثر حسین، خوبرو اور نرم خو ہوتے تھے، کیونکہ وہان کے دلفریب مناظر اسی قسم کے لطیف مذہبی تخیل کو پیدا کرسکتے تھے، لیکن ہندوستان کے دیوتا سخت مہیب خوفناک اور ڈراونی شکل مین نمودار ہوئے کیونکہ یہان کے عظیم الشان میدانون، جنگلون اور پہاڑون کے نظارے سے دماغ مین اسی قسم کے بھیانک خیالات پیدا ہوسکتے تھے، دنیا مین جو لوگ کسی مذہبی عقیدہ کو تسلیم کرتے ہین، انکا دماغ بھی مختلف اسباب سے انکے قبول کرنے کے لئے پہلے سے تیار رہتا ہے، مثلاً شیعہ مذہب کو سب سے زیادہ ایران مین فروغ حاصل ہوا، بابی مذہب کے بانی اور اسکے پیرو سب سے پہلے ایران مین پیدا ہوئے، لیکن اسکا اصلی

سبب کیا تھا؟ اسکو یورپ کے مشہور مستشرق ڈاکٹر براؤن کی زبان سے سننا چاہیئے، وہ اپنی کتاب نقطۃ الکاف میں لکھتے ہیں،

ایرانیان کہ از قدیم الایام ہموارہ اعتقاد بانیکہ سلطنت موہبتے الٰہی است در ذہن ایشان راسخ شدہ بود، واز عہد ساسانیان معتاد بودند بانیکہ پادشاہان خود را موجودات فوق البشری وچیزے شبیہ بالہہ محسوب دارند (چنانکہ شاپور اول یعنی شاپور بن اردشیر بابکان در کتیبہا خود را سوس (خدا) والہامی نامد) طریقہ شیعہ در مسئلہ امامت بالضرورت خیلے مناسب طبع ایشان می نمود، این است کہ کم کم مذہب شیعہ در ایران رواج یافتہ خطہ ایران مرکز وپناہگاہ این شیعہ از اسلام گردید، شیعہ نیز فرق مختلفہ می باشند، بعضی آنند کہ ائمہ را فقط معصوم می دانند بدون انکہ ازین پایہ بالاتر روند، دیگر باین اکتفا نکردہ ایشان را دارائے بعضی از نعوت الٰہی یا آنکہ مظاہر خداوند تعالیٰ میدانند واین طائفہ باسم غلاۃ معروف اند- غلاۃ نیز چندین فرقہ بودہ اند کہ در جزئیات باہم اختلاف داشتہ اند، وے بقول محمد بن عبدالکریم شہرستانی در ملل ونحل معتقدات ایشان ازین چہار طریقہ بیرون نبودہ است، تناسخ، تشبیہ، یا حلول رجعت بدار شیخیہ یعنی پیروان شیخ احمد احسائی را در جز این طریقہ اخیرہ باید محسوب نمود، بنا بر این اصل در پیشہ طریقہ بابیہ را در بین معتقدات وطریقہ شیخیہ باید جستجو نمود، اصول عقاید شیخیہ از قرار ذیل است-

(۱) ائمہ اثنا عشر یعنی علی با یازدہ فرزندش مظاہر الٰہی ودارائے نعوت وصفات الٰہی بودہ اند-

(۲) از انجائیکہ امام دوازدہم در سنہ ۲۶۰ از انظار غائب گردید وفقط در آخر الزمان ظہور خواہد کرد برائے انیکہ زمین را پر کند از قسط وعدل بعد از انکہ پر شدہ باشد از ظلم وجور، واز انجائیکہ مومنین دائما بہ ہدایت ودلالت او محتاج باشند وخداوند بمقتضائے رحمت کاملہ خود باید رفع حوائج مردم نماید واما غائب را در محل دسترس ایشان قرار دہد بنا رعلی ہذہ المقدمات

ہمیشہ باید مابین مومنین یک نفر باشد کہ بلا واسطہ با امام غائب اتصال ورابطہ داشتہ واسطہ فیض بین امام وامت باشد واین چنین شخص را باصطلاح ایشان شیعہ کامل گویند۔

شیخ احمد احسائی وبعد از وحاجی سید کاظم رشتی در نظر شیخیہ شیعہ کامل وواسطہ فیض بودہ اند بعد از فوت حاجی سید کاظم رشتی در ۱۲۵۹ھ ابتدا معلوم نبود کہ جانشین وے یعنی شیعہ کامل بعد ازو کہ خواہد بود وسے طول نکشید کہ دو مدعی برائے این مقام پیدا شد یکے حاجی محمد کریم خان کرمانی کہ رئیس کل شیخیہ متاخرین گردید ودیگر مرزا علی محمد شیرازی کہ خود را بلقب باب بخواند مفہوم ومقصود ازین کلمہ تقریباً ہمان معنی بود کہ از شیعہ کامل ارادہ می شد،

لیکن شیعہ اور بابیہ کے علاوہ اسلام مین اور بھی متعدد فرقے پیدا ہوئے، اور اُنھون نے مختلف عقاید ومسائل ایجاد کئے، اسلئے اگر ان عقاید واعمال کی تاریخ جدید طرز پر مرتب کرنی ہے تو ہمکو نہایت دیدہ ریزی سے پتہ لگانا چاہیئے کہ یہ فرقے کن اسباب سے پیدا ہوئے؟ کن اسباب سے لوگون نے اُنکے خیالات قبول کئے؟ کن لوگون نے اُنکی تائید کی؟ کن اسباب سے وہ ایک خاص زمانہ مین پیدا ہوے؟ اور ان تمام چیزون کا اسلام کی تاریخ پر بحیثیت مجموعی کیا اثر پڑا؟ یہ سچ ہے کہ ان فرقون کی تعداد اور اُنکی شاخین اس کثرت سے ہین کہ اگر ہر ایک کے عقاید ومسائل پر ان حیثیتون سے بحث کیجائے تو ہمکو کامیابی نہین ہوگی، تاہم مالایدرک کلہ لایترک کلہ کے لحاظ سے اس دلچسپ بحث کو بالکل نظر انداز بھی نہین کرنا چاہیئے۔

حلولیہ یا تناسخیہ | شیعہ فرقہ اگرچہ اس عقیدہ کی بنا پر پیدا ہوا کہ خلافت صرف اہل بیت مین محدود ہے اور کوئی دوسرا شخص پیغمبر کا جانشین نہین ہوسکتا لیکن آگے چل کر یہ عقیدہ مختلف مظاہر مین نمایان ہوا، غلاة کا ایک فرقہ پیدا ہوا جو حضرت علیؓ اور دوسرے ائمہ کو خدا یا مظہر خدا تسلیم کرتا تھا، یہ فرقہ جن اسباب کی بنا پر پیدا ہوا اسکی نسبت علامہ شہرستانی ملل ونحل مین لکھتے ہین،

"غالیہ وہ لوگ ہین جنھون نے اپنے ائمہ کے حق مین غلو کیا یہانتک کہ اُنکو مخلوقیت کی حد سے نکال دیا، اور ان پر خدا کے احکام لگائے، ان لوگون نے کبھی کسی امام کو خدا سے تشبیہ دی اور کبھی خدا کو مخلوق سے، اُنکے یہ شبہات حلولیہ، تناسخیہ اور یہود و نصاریٰ کے مذاہب سے پیدا ہوے کیونکہ یہود نے خالق کو مخلوق سے اور نصاریٰ نے مخلوق کو خالق سے تشبیہ دی، پس یہ شبہے غلاۃ شیعہ کے ذہنون مین سرایت کر گئے، یہانتک کہ انھون نے بعض ائمہ پر خدا کے احکام لگائے سب سے پہلے عبد اللہ بن سبا نے جو یہودی تھا اس قسم کا خیال پیدا کیا، اور دوسرے یہودی یعنی عبد اللہ بن سودا نے اسکی تائید کی،

ان دونون کا مقصد اگرچہ جیسا کہ علامہ ابو منصور نے کتاب الفرق بین الفرق مین تصریح کی ہے یہ تھا کہ مسلمانون میں بھی حضرت علی اور انکی اولاد کے متعلق وہی مذہبی عقیدہ قائم کردین جو عیسائیون مین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت قائم ہو چکا تھا، لیکن آگے چل کر اس عقیدہ نے تاریخ اسلام مین متعدد پولیٹکل پیچیدگیان پیدا کر دین، ابو مسلم اصفہانی اسی قوت کی بل پر بنوامیہ کے مقابلہ مین کھڑا ہوا، اور جو لوگ اس عقیدہ کے قائل تھے انھون نے اسکی اعانت کی، شیبان بن سلمہ الخارجی کی نسبت کتاب الفرق بین الفرق مین لکھا ہے،

| | |
|---|---|
| واعان ابا مسلم علی اعدائہ فی حروبہ | اس نے ابو مسلم کو اسکے دشمنون کے مقابل مین مدد دی |
| وکان مع ذلك يقول بتشبيه الله سبحانه لخلقه | اور اسکے ساتھ اس بات کا قائل تھا کہ خدا اپنی مخلوق کے مشابہ ہو سکتا ہے |

خلفائے عباسیہ جو اس عقیدہ کے سیاسی خطرات سے واقف تھے، اس قسم کے لوگون کو کبھی ابھرنے نہین دیتے تھے، منصور نے ابو مسلم کو اسی بنا پر قتل کرا دیا کہ وہ خود اس خدائی طاقت کی بنا پر مستقل سلطنت کا دعویدار ہو سکتا تھا، خراسان مین یوسف البرم نامی اسی قسم کا ایک شخص پیدا ہوا اور بہت سے لوگون کو اپنا متبع بنا لیا تو مہدی نے فوج کے ذریعہ سے اسکو گرفتار کرایا اور پھانسی دیدی، اسی زمانہ مین

کتاب مذکور صفحہ ۵

مقنع نے نبوت کا دعوی کیا، بہت سے شعبدے دکہائے اور تناسخ کا مدعی ہوا، مہدی نے اسکا بھی استیصال کردیا، معتصم کے زمانہ مین بابک نے اسی قسم کی قوت کا اظہار کیا اور وہ بھی قتل ہوا۔

بادشاہ کی انتہائی طاقت یہ ہے کہ وہ لوگون کو خدا کی شکل مین نظر آے، لیکن خلفاے عباسیہ چونکہ اس عقیدہ کی سیاسی پیچیدگیون سے واقف تھے، اسلئے جو لوگ انکو خدا بناتے تھے وہ انکو بھی ناپسند کرتے تھے، ایکبار خراسان سے بہت سے معتقدین تناسخ آے، اور منصور کے محل کے گرد گھوم گھوم کر کہنے لگے کہ "یہ ہمارے خدا کا محل ہے"۔ منصور سخت برہم ہوا، اور چونکہ اسوقت محل مین کوئی سواری نہ تھی، پیادہ پا نکلا، عام اعلان کیا گیا اور ان مین چہ سو آدمی قتل کردیئے گئے۔

اس عقیدے کے سیاسی خطرات کے پیش نظر رکھنے کے بعد تاریخ علم کلام کے بہت سے عقدے خود بخود حل ہوجاتے ہین، فرق اسلامیہ مین صرف معتزلہ کا گروہ ایک ایسا گروہ ہے جو خدا کو ہر جہت سے منزہ مانتا ہے، اس بنا پر انکا مذہب عقیدۂ تشبیہ وحلول کے بالکل مخالف ہے چنانچہ علامہ شہرستانی ملل ونحل مین لکھتے ہین،

| | |
|---|---|
| او كان التشبيه بالاصل والوضع فى الشيعة | دراصل تشبیہ کا عقیدہ شیعون تک محدود تھا بعض |
| وانما عادت الى بعض اهل السنة بعد ذلك | اہل سنت مین یہ عقیدہ بعد مین پیدا ہوا، اہل سنت مین |
| وتمكن الاعتزال فيهم لما رأوا ان ذلك اقرب | اعتزال کو رسوخ حاصل ہوا کہ انکے نزدیک یہ عقیدہ |
| الى المعقول وابعد من التشبيه والحلول[1] | عقل سے قریب اور تشبیہ وحلول سے بعید تھا۔ |

اہل سنت والجماعت مین خلفاے عباسیہ نے اعتزال کی جو تائید کی اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ عقیدۂ تشبیہ وحلول کی بنیاد سرے سے اکھڑ جاے، اور جو سیاسی پیچیدگیان اسکی وجہ سے پیدا ہوتی ہین وہ پیدا ہونے پائین۔

---

[1] کتاب مذکور جلد ۲ صفحہ ۱۰-۱۱۔

معتزلہ نے نفی صفات کا مسئلہ جسکا حاصل یہ ہے کہ خدا کی ذات مین الگ الگ صفات نہین پائے جاتے، بلکہ اسکی ذات ہی تمام صفات کا مظہر بنجاتی ہے، اس غرض سے ایجاد کیا تھا کہ تعدد الہ یا تعدد قدماء کی نفی کیجائے، لیکن چونکہ اس عقیدے سے مسئلہ حلول خود بخود باطل ہوجاتا تھا، اس لئے خلفاے عباسیہ نے خصوصیت کے ساتھ اسکی تائید کی، علامہ شہرستانی نے ملل ونحل مین لکھا ہے -

ونصرهم جماعة من بني امية على قولهم بالقدر وجماعة من خلفاء بني العباس على قولهم بنفي الصفات وخلق القرآن[1]

اور بنو امیہ کی ایک جماعت نے مسئلہ قدر مین انکی تائید کی اور خلفاے عباسیہ کی ایک جماعت نے مسئلہ نفی صفات اور خلق قرآن کی تائید کی۔

خلفاے بنو امیہ نے مسئلہ تقدیر کی تائید جن سیاسی مصالح کی بنا پر کی اسکی تفصیل آگے آئیگی، لیکن خلفاے عباسیہ نے مسئلہ نفی صفات و خلق قرآن کی جو تائید کی اسکا مقصد صرف عقیدۂ تشبیہ و حلول کا قلع و قمع کرنا تھا جو انکے نزدیک سلطنت کے لئے خطرناک تھا -

**فرقہ خرمیہ** | اسلام سے پہلے نوشیروان کے عہد مین ایک فرقہ پیدا ہوا تھا جو مزدکیہ کے نام سے مشہور تھا ان لوگون کا عقیدہ یہ تھا کہ ہر چیز مباح ہے، کوئی چیز ناجائز نہین، تمام لوگ زر، زمین اور زن مین شریک مساوی ہین، ایک شخص نہایت آزادی کے ساتھ دوسرے کی دولت، جائداد اور بی بی سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، روس مین بالشویزم کی بنیاد بھی اسی اصول پر قائم ہوئی ہے،

اسلام مین بھی اسی قسم کا ایک فرقہ پیدا ہوا جو خراسان، رے، اصفہان، آذربائجان، کرخ ابی دلف، دو، درنجان، صروان، مصبرہ، ماسندان اور ان اطراف کے تمام دیہات اور قصبات مین پھیل گیا[2]-

اس فرقہ کی دو قسمین تھین، بابکیہ اور مازیاریہ، اور دونون کے دونون محمرہ کے لقب سے

---

[1] کتاب مذکور صفحہ ۳۰، [2] مروج الذہب مسعودی صفحہ ۱۳۶،

مشہور تھے، فرقہ بابکیہ، بابک خرمی کا پیرو تھا، جو آذربائجان کے ایک کوہستانی علاقہ مین پیدا ہوا اور سفّاکی، خلق اعتنائی اور فتنہ پردازی شروع کی کہ خلفاے بنو عباس کو تقریباً ۲۰ برس تک اسکے مقابلہ مین مصروف کارزار رہنا پڑا، بالآخر معتصم کے عہد مین اپنے بہائی اسحاق بن ابراہیم کے ساتھ گرفتار ہوا اور پہانسی پائی، مازیاریہ، مازیار کے پیرو تھے، جس نے جرجان مین اس عقیدہ کا اظہار کیا، اور وہ بھی معتصم کے زمانہ مین گرفتار ہوکر مصلوب ہوا۔

تمام دنیا کی عید دن کو ہوتی ہے، لیکن فرقہ بابکیہ اپنی عید ایک مخصوص رات مین کرتا تھا جسمین مرد اور عورت دونون جمع ہوکر شراب پیتے تھے، گاتے تھے، اور جب زن و مرد کا کامل اجتماع و امتلاط ہوجاتا تھا تو چراغ بجہا دیا جاتا تھا، اور جو عورت جسکے ہاتھ مین آجاتی تھی وہ اس سے متمتع ہوتا تھا۔[۱]

بظاہر یہ قیاس ہوسکتا ہے کہ یہ فرقہ خواجہ حافظ کے فلسفۂ عیش و مسرت کی عملی تفسیر کرتا تھا جنھون نے یہ تعلیم دی ہے،

رموز مملکت خویش خسروان دانند ‌ ‌ ‌ ‌ گداے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

لیکن اوپر جو تفصیل گذر چکی ہے اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ اسکی حوصلہ آزمائی کے لئے ع "فراغتے وکتابے وگوشۂ چمنے" کے علاوہ میدان کارزار کی بھی ضرورت تھی، کیا اسلام مین اسی قسم کے عیش پرست لوگ پیدا ہوتے تھے؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ فرقہ بھی غلاۃ شیعہ مین فرقہ حلولیہ یا تناسخیہ مین شامل تھا، ان لوگون کا خیال تھا کہ جو لوگ امام سے ربط و اتصال پیدا کرلیتے ہین وہ شریعت کی تمام پابندیون سے آزاد ہوجاتے ہین، یہی خیال تھا جو انکو تمام معاصی و منکرات کے ارتکاب کی جرأت دلاتا تھا، چنانچہ علامۂ شہرستانی ملل و نحل مین لکھتے ہین۔

---

[۱] کتاب الفرق بین الفرق صفحہ ۲۵۲ و ۲۵۳،

وتاول قوله تعالى ليس على الذين آمنوا و عملوا الصالحات جناح فيما طعموا الاية على ان من وصل الى الامام ارتفع عنه الحرج في جميع ما يطعمه ووصل الى الكمال والبلاغ وعنه نشأت الخرمية والمزدكية بالعراق[1]

اور اس نے اس آیت کی کہ "جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا ان پر کوئی گناہ نہین" یہ تفسیر کی کہ جو شخص امام تک پہنچگیا اس سے ہر اس چیز کے متعلق جسکو وہ کھاسے حرج اٹھہ گیا اور وہ درجۂ کمال تک پہنچگیا، عراق مین خرمیہ اور مزدکیہ اسی خیال کی بنا پر پیدا ہوئے

استاذ ابو منصور عبد القاہر بن طاہر بن محمد البغدادی کتاب الفرق بین الفرق مین لکھتے ہین:-

واما غلاتهم الذين قالوا بالوهية الائمة واباحوا محرمات الشريعة كالبيانية والمغيرية والجناحية والمنصورية والخطابية والحلولية ومن جرى مجراهم فما هم من فرق الاسلام وان كانوا منتسبين اليه[2]

لیکن انکے وہ غلاۃ جو ائمہ کی الوہیت کے قائل ہوئے اور محرمات شریعت کو مباح کر لیا، اور فرائض شریعت کو ساقط کر دیا، جیسے بیانیہ، مغیریہ، جناحیہ، منصوریہ، خطابیہ، حلولیہ، اور انکے مثل اور لوگ تو یہ اسلام کے فرقون مین نہین ہین، اگرچہ انکی طرف منسوب ہین -

اسی بنا پر جب ان مظاہر خدا مین کوئی مظہر انکی نگاہ سے غائب ہو جاتا تھا تو ان لوگون مین سخت اضطراب پھیل جاتا تھا، خراسان مین ابو مسلم کے قتل کی خبر پہنچی تو یہ لوگ سخت مضطرب ہوئے اور اس اضطراب کی حالت مین کسی نے کہا کہ "وہ جب تک عدل و انصاف کا منارہ بلند نہ کر لے نہ مر سکتا نہ مرا ہے" کسی نے اسکی موت کو تسلیم کیا اور اسکی بیٹی فاطمہ کو امام بنایا[3] - اس لحاظ سے یہ لوگ بھی سلطنت کے لئے اسیقدر خطرناک ہو سکتے تھے جسقدر فرقہ حلولیہ یا تناسخیہ خطرناک تھا، یہی وجہ ہے کہ خلفاء نے انکے استیصال کے لئے اپنی پوری طاقت صرف کر دی اور انکے صنادید کو نہایت بیدردی کے ساتھ قتل کیا، تاریخ کی کتابون مین ہے کہ خلفاے عباسیہ کے زمانہ مین بکثرت زنادقہ و ملاحدہ پیدا ہوئے

[1] کتاب مذکور صفحہ ۲۰۳ [2] ایضاً صفحہ ۱۷ [3] مروج الذہب مسعودی صفحہ ۱۳۶ -

ور انکو خلفاء نے قتل کرادیا، مہدی کے زمانہ کے زندیق ضرب المثل ہین[۱]، ہادی کے زمانہ مین نادقہ کا ایک گروہ تہا جو مسلمانون کو طواف کی حالت مین دیکھکر کہتا تہا کہ یہ لوگ جانورون کی طرح کہلیان تین پکر لگا رہے ہین، ہادی نے ان سب کی جستجو کی اور ان مین ایک جماعت کو قتل کرا دیا[۲]۔ ان واقعات کو پڑہکر لوگون کے دل مین خیال پیدا ہوتا ہوگا کہ ان ملاحدہ کو فلسفہ اور مذہبی آزادی نے پیدا کیا ہوگا، لیکن درحقیقت یہ لوگ یا تو فرقہ خرمیہ مین شامل تھے یا اُن پر اس فرقہ کا شبہہ ہوتا تہا، اسلئے وہ پالیٹکس کی زد مین آکر تہ تیغ ہوجاتے تھے، ورنہ خلفاے عباسیہ نے فلسفہ اور فلسفہ کے نتائج کو کبھی صدمہ نہین پہنچایا

فرقہ باطنیہ | جس طرح شراب پینے سے رگون مین نہایت سرعت کے ساتھ خون دوڑنے لگتا ہے۔ اسی طرح یہ فرقہ تمام دنیاے اسلام مین اس سرعت کے ساتھ پہیلا کہ اسلام کے قالب مین مشرق سے لیکر مغرب تک دفعۃً یہ زہر سرایت کرگیا، سب سے پہلے اس مذہب کو ایک جماعت نے قائم کیا جنمین محمد بن حسین بذندان، اور میمون بن دیصان خاص طور پر مشہور ہین، یہ دونون عراق کے جیلخانہ مین قید تھے، اور اسی مین اس مذہب کی بنیاد ڈالی، اور قیدخانہ سے نکل کر بذندان نے اس مذہب کی دعوت کا آغاز کیا، مورخین کے بیان کے مطابق اس دعوت کا ظہور مامون کے عہد مین ہوا اور معتصم کے زمانہ مین وہ عام طور پر پہیلی، یہانتک کہ خود آفشین جو معتصم کی فوج کا سپہ سالار تہا، اس مذہب مین داخل ہوا اور بابک خرمی کے اتباع بھی اسمین شامل ہوکر باہم مدغم ہوگئے، یہ یاد رہے کہ خلافت عباسیہ مین عجمیت کو جو رسوخ حاصل ہوا تہا اسکا یہی عہد شباب تہا، فرقہ باطنیہ کا جادو خصوصیت کے ساتھ جن لوگون پر چلا وہ حسب ذیل ہین،

(۱) عوام، اَن پڑھ، اور جاہل لوگ شلاً نبطی، کردی اور مجوس کی اولاد،

(۲) فرقہ شعوبیہ جو عجم کو عرب پر ترجیح دیتا تہا اور یہ تمنا رکہتا تہا کہ سلطنت پھر عجمیون کو واپس ملجائے

[۱] ثمار القلوب ثعالبی صفحہ ۱۳۰، [۲] مختصر الدول صفحہ ۲۲۱،

ت - بنو ربیعہ جنکا دل قبیلۂ مضر پر اسلئے جلتا تھا کہ پیغمبر اسلام کا ظہور انہی مین سے ہوا، اسی رشک کی بنا پر جب مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعوی کیا تو بنو حنیفہ اسپر ایمان لائے، تاکہ جسطرح قبیلۂ مضر مین ایک پیغمبر پیدا ہوا اسی طرح بنو ربیعہ مین بھی ایک پیغمبر پیدا ہوجائے۔

فرقہ باطنیہ کے متعلق مورخین مین سخت اختلاف ہے، علامہ ابن صاعد اندلسی کی تصریح کے مطابق وہ قدیم فلسفہ سے متاثر نظر آتا ہے، چنانچہ انھون نے طبقات الامم مین جہان بند قلیس کا تذکرہ کیا ہے وہان لکھتے ہین،

| | |
|---|---|
| وطائفة من الباطنية تنتهي الى حكمته وتزعم ان له رموزاً قلما يوقف عليها وكان محمد بن عبد الله بن مرة الجبلي الباطني من اهل قرطبة كلفا بفلسفة دؤبا على دراستها ؎۱ | باطنیہ کے ایک گروہ کا سلسلہ اسی کی حکمت تک منتہی ہوتا ہے، اور وہ خیال کرتا ہے کہ اسکے چند رموز ہین جن سے بہت کم واقفیت حاصل ہوسکتی ہے، محمد بن عبد اللہ بن مرۃ الجبلی الباطنی جو قرطبہ کا رہنے والا تھا اسکے فلسفہ کا دلدادہ تھا اور ہمیشہ اسکا درس دیا کرتا تھا۔ |

یہ لوگ چونکہ قرآن، زبور، تورات اور انجیل وغیرہ مین شکوک پیدا کرتے تھے اور حشر ونشر و ملائکہ وغیرہ کے منکر تھے، اسلئے بعض متکلمین کا خیال ہے کہ وہ دہریت کے قائل تھے، چنانچہ استاد ابو منصور بغدادی کتاب الفرق بین الفرق مین لکھتے ہین،

| | |
|---|---|
| وفي هذا الذي ذكرناه دلالة على ان غرض الباطنية القول بمذاهب الدهرية واستباحة المحرمات وترك العبادات، | یہ تمام باتین جو ہمنے بیان کین اُنسے ثابت ہوتا ہے کہ باطنیہ کا مقصد دہریت اور محرمات شرعیہ کی اباحت اور عبادات کا چھوڑنا تھا۔ |

بعض لوگون کا خیال ہے کہ یہ لوگ صابی المذہب تھے کیونکہ حمدان قرمط جو میمون بن دیصان کے

؎۱ طبقات الامم صفحہ ۲۱،

بعد اس مذہب کا داعی ہوا، قرآن کا صادق تھا، اور قرآن کے صادق اپنا مذہب کسی پر ظاہر نہین کرتے اور یہی حال باطنیون کا بھی ہے۔

فرقہ باطنیہ نے بھی فرقہ خرمیہ کی طرح احکام شریعت کے متعلق مطلق العنانی اختیار کی تھی اسلئے بعض لوگون کا خیال ہے کہ وہ فرقہ خرمیہ سے الگ نہین ہے، مسعودی نے مروج الذہب مین لکھا ہے کہ فرقہ خرمیہ کو خراسان مین باطنیہ ہی کہا جاتا ہے، لیکن درحقیقت اسکی تولید کا اصلی سبب یہ ہوکہ قدیم قومین کسی جدید مذہب مین داخل ہوتی ہین انکے دلون مین مدتون انکے مذہب، انکی سلطنت اور انکے تمدن کی یاد تازہ رہتی ہے اور ہر ممکن طریقہ سے اپنے مذہبی احکام وروایات کو اس جدید مذہب مین شامل کرنا چاہتے ہین، شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ مین لکھتے ہین[۱]

اور مذہبی تحریف کے اسباب مین ایک سبب ایک مذہب کا دوسرے مذہب کے ساتھ اسطرح مدغم ہوجاتا ہے کہ دونون باہم متمائز نہون، یہ اس وجہ سے کہ جب ایک انسان کسی مذہب کا پابند ہوتا ہے اور اسکے دل مین اس طبقہ کے علوم متمکن ہوجاتے ہین پھر وہ مذہب اسلام مین داخل ہوتا ہے تو اسکے دل کا میلان اس قدیم مذہب اور قدیم علوم کی طرف رہتا ہے، اس لئے اسکے اس مذہب مین کوئی وجہ چاہے وہ ضعیف ہو یا موضوع تلاش کرتا ہے اور بسا اوقات ضعف روایت اور وضع کو بھی اسکے لئے جائز رکھتا ہے، رسول اللہ صلعم کا یہ قول کہ بنواسرائیل کا مذہب ہمیشہ معتدل حالت مین قائم رہا، یہانتک کہ ان مین لونڈی زادے پیدا ہوے، اور انھون نے اپنی راے سے باتین بنالین اسلئے خود گمراہ ہوے اور دوسرون کو گمراہ کیا، اسی بنیاد پر ہمارے مذہب مین بنواسرائیل کے علوم، خطباے جاہلیت کی تذکیر، یونان کی حکمت، اور بابلیون کی دعوت اور پارسیون کی تاریخ، اور نجوم رمل اور کلام اسی بنا پر داخل ہوا۔ باقی

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ صفحہ ۹۷،

# حالی و شبلی
## کی
# معاصرانہ چشمک

جدت موضوع چاہتی تھی کہ جہانتک ہماری آخری بزم کا تعلق ہے اس لپیٹ مین کوئی چھوٹنے نپائے، لیکن افسوس ہے مواد ترکیبی کی کمی نے زیادہ پھیلنے کا موقع نہ دیا، اور گو "چشمک" کا دائرہ اطلاقی حالی و شبلی کی شوخی قلم سے آگے نہین بڑھتا لیکن مین ضمناً اور دن کا انداز طبیعت (کیرکٹر) بھی دکھاؤنگا، اور بکھرے ہوے موتیون کو جہان جہان سے ہاتھ آئینگے سلسلۂ بیان مین پروتا جاؤنگا،

سرسید کی "بزم ادب" بیچ کچھ پرانے لائق پرستش بزرگون کا گویا پنچوڑ تھی، لیکن جس طرح خیمہ کے ساتھ طنابین بھی اکھڑ جاتی مین، انکے رفقا بھی ایک ایک کرکے آگے پیچھے ہمسے رخصت ہوتے گئے، انکی نکتہ سنجیان، اور روشن خیالیان، بوڑھے غمزے، اور لطائف و ظرائف، قدیم اسلامی سوسائٹی کے تبرکات تھے، جن سے ہم ہمیشہ کے لئے ہاتھ دھو بیٹھے، اور اب ان اصحاب کی تعداد بھی کم ہورہی ہے جنھون نے جاجایا نقشہ یعنی پچھلے پہر کا خواب اپنی آنکھون سے دیکھا ہے،

ان مین سے ہر فرد اپنے اپنے دائرہ کا مالک تھا، اور مستقل ہستی رکھتا تھا، آج وقار الملک اور محسن الملک کی یادگار مین چند سطرین بھی کوئی لکھنے والا نظر نہین آتا، اور "رجال العصر" کے سلسلہ مین انکی ضمنی اہمیت انکا بہترین حق ہے، جو ہمارے ہاتھون انکو مل سکتا ہے، مین یہان ان دونون لائق افراد کی زندگی کا وہ رخ دکھانا نہین چاہتا جسکے لحاظ سے کبھی یہ سالار جنگ اعظم کے نفس ناطقہ بنے ہوئے تھے، محسن الملک کے اس کارنامہ کو یاد دلانا چاہتا ہون جب انکے قیام لندن مین وزیر انگلستان کو

اعتراف کرنا پڑا کہ ہندوستان مین اتنا بڑا عالی دماغ "موجود ہے، اسی طرح ان دونون صاحبون کی سیاسی اور قومی خدمات بھی میرے موضوع کے لئے حیثیت اضافی رکھتی ہین، لیکن یہ بات بھولنے کے لائق نہین ہے کہ جہانتک سرسید کی ادبی تبلیغ کا تعلق ہے یہ دونون گویا انکے دست و بازو تھے، سرسید کے ساتھ محسن الملک کی نوک جھونک ادبی راز و نیاز جسکا ایک خاکہ مراسلات دلچسپ مین دکھایا گیا ہے اور جسکے عالمانہ اور سخن گسترانہ شواہد" مرحوم تہذیب الاخلاق" کے سیزدہ سالہ فائل مین بکثرت ملین گے، نتوحات ادب کا بہترین سرمایہ ہین، جنپر مستقلاً اظہار خیال کی ضرورت ہے، میرے موضوع کے صفحات محدود مین انکے پھیلانے کی گنجائش نہین یہان صرف چشم سخن کے اشارہ پر قناعت کرنی ہوگی

بہرحال کس کسکو یاد کرون، محسن الملک، وقار الملک، چراغ علی، ذکاء اللہ، نذیر احمد، حالی و شبلی وغیرہ وغیرہ سبھی سجائی محفل تھی جو دیکھتے دیکھتے درہم برہم ہوگئی، "سرسید کی بزم ادب" ایسا وسیع موضوع ہے اگر مولوی وحید الدین سلیم نے اپنی عمر ضایع نہ کی ہوتی اور سرسید اور انکے رفقاء کے ساتھ جو وابستگی انکو رہی ہے اور جسکے آثار "معارف" کے نقش اول مین بافراط موجود ہین، وہ افسانۂ یاران کہن کی حیثیت سے ایک ضخیم الاوراق اور نہایت دلچسپ کتاب طیار کر سکتے تھے، اگر یہ صحیح ہے کہ کسی شخص کی اخلاقی فوقیت کا راز دراصل اسکی پاکیزہ سوسائٹی مین مضمر ہوتا ہے تو "سیر الصحابہ" کی طرح علیگڈھ کی یہ آخری بزم ادب ہمارے لئے وقت کی چیز اور نتیجہ خیز رہتی،

خیر، ان تصریحات کے بعد اصل موضوع کی طرف لوٹئے، سرسید نے ہمیشہ معاصرین ادب کی حوصلہ افزائی کی، انکی بااثر شخصیت خاموش تصرف کے ساتھ دوسرون کی قلب ماہیت کرتی رہتی تھی شبلی سے "مولویت" علیگڈھ مین پہنچکر چھوڑی، انکے خیالات کی کایا پلٹ، مذاق تصنیف اور وسیع النظری غرض یہ جو کچھ ہوئے سرسید کے دامن تربیت کا اثر تھا، شبلی نے المامون کا دوسرا اڈیشن جب شایع کیا ہے تو سرسید نے جس خلوص کے ساتھ اسپر دیباچہ لکھا وہ آج بھی انکی شرافت ادبی کا پتہ دیتا ہے،

اسی طرح حالی کی نیچرل شاعری خیالات کے لحاظ سے سرسید کے فیض صحبت کی ممنون ہے، ابھی یہ فیصلہ باقی ہے کہ حالی کی روش جدید نے پروفیسر آزاد کی ڈالی ہوئی داغ بیل یعنی اُنکے نتایج فکر سے کہانتک فائدہ اٹھایا جنکو تاریخی حیثیت سے کم سے کم ادبیت کا شرف حاصل ہے مختصر یہ کہ متاخرین ادب کے ساتھ سرسید کا درجہ مناسبہ صرف مربیانہ تہا اِسلئے ایسی باوقار ہستی سے چشمک تو خیر اسکی کسرات بھی بشکل ہاتھ آئینگی،

پروفیسر آزاد اسقدر بلند خیال اور استادانہ دل ودماغ رکہتے تھے کہ انکے ہان بھی جہانتک معاصرین کا تعلق ہے "چشمک" کا گذر نہین، ایک واقعہ دلچسپ اہل ذوق کی ضیافت طبع کے لئے لکھتا ہون، لاہور مین پہلی دفعہ جب ایجوکیشنل کانفرنس کا جلسہ ہوا تو پروفیسر آزاد زندہ تھے، گو دماغ کسی حد تک متاثر ہوچکا تہا، نذیر احمد ملنے کے لئے گئے، حالی اور غالباً شبلی بھی ساتھ تھے نذیر احمد کا لکچر ہونے والا تہا جو چھپا ہوا اُنکے ہاتھ مین تہا، آزاد رسالہ کی طرف متوجہ ہوئے تو نذیر احمد نے یہ کہکر آگے بڑہا دیا کہ ایک نظر دیکھ لیجئے، کانفرنس مین پیش کرنا ہے، آزاد فوراً قلم سنبھال کر بیٹھ گئے اور کاٹ چھانٹ شروع کردی، نذیر احمد آزاد کی اس بے تکلفی سے اسقدر متاثر ہوئے کہ جوش محبت سے آنکہین نم ہوگئین، اُنکو قدرتی طور پر یہ خیال آیا کہ ابھی اُنکے دائرہ مین ایک شخص ایسا موجود ہے جو ایک "بوڑہے بچہ" کی مشق سخن پر نظر ثانی کرسکتا ہے،

حالی بھی آزاد کی استادی کا لوہا مانتے تھے، اُنکی مخلصانہ عقیدت کیشی کے لئے وہ تقریظ و تنقید دیکھئے جو "آب حیات" اور "نیرنگ خیال" پر حالی نے لکھی ہے، وہ جسمین ضمناً یہ طے کردیا ہے کہ نیچرل شاعری در اصل آزاد کی صنعت فکر کا نقش اولین اور اُنکی اولیات مین محسوب ہونیکے لائق ہے، حالی لکھتے ہین، "نظم و نثر مین بہت کچھ لکھا گیا اور لکھا جا رہا ہے، یعنی لٹریچر کے رقبہ کا طول و عرض بڑھ گیا، لیکن اسکا ارتفاع جہان تہا وہین رہا، یعنی اخلاقی سطح بہت اونچی نہین ہوئی، لیکن آزاد کی

پاکیزہ خیالی اور خوش بیانی نے بیرنگی پیدا کردی "نیرنگ خیال" کی بہت کچھ داد دی ہے، کیونکہ آزاد کے قلم سے پہلے پہل جذبات انسانی کی تجسیم و تشخیص کی، اور معقولات کی تصویرین محسوسات کی شکلون مین کھینچی ہین، وہ خصائل انسانی کے فطری خواص ایسے موثر اور دلکش پیرایہ مین بیان کئے ہین جن سے اردو لٹریچر ابتک خالی تھا"۔

**شبلی** بھی آزاد کا ادب کرتے تھے، فرمایا کرتے تھے "آزاد اردو ئے معلی کا ہیرو ہے، اسکو کسی سہارے کی ضرورت نہین، وہ اپنی معنون مین ایک زبردست انشا پرداز ہے"[1] تاہم ایک ہلکی سی چشمک لیجئے،

ہندوستان کے سب سے بڑے انشا پرداز نے نیرنگ خیال مین جہانگیر کی یہ تصویر کھینچی ہے،

اسکے بعد ایک اور بادشاہ آیا جو اپنی وضع سے ہندو راجہ معلوم ہوتا تھا، وہ خود نشہ مین چور تھا، ایک عورت صاحب جمال (نورجہان) اسکا ہاتھ پکڑے آتی تھی اور جدھر چاہتی تھی پھراتی تھی، وہ جو کچھ دیکھتا تھا، اسکے نہ جمال سے دیکھتا تھا اور جو کچھ کہتا تھا اسکی زبان سے کہتا تھا، اسپر بھی ہاتھ مین ایک فرد کاغذ کا تھا اور کان پر قلم دھرا تھا، یہ سوانگ دیکھکر سب مسکرائے مگر چونکہ دولت اسکے ساتھ ساتھ تھی، اور اقبال آگے آگے اہتمام کرتا آتا تھا، اسلئے بدست بھی نہین ہوتا تھا، جب نشہ سے آنکھین کھلتی تھین تو کچھ لکھ بھی لیتا تھا۔"

"تزک جہانگیری" کی ریویو مین شبلی فرماتے ہین "آزاد کہین اس بہوٹ مین کچھ سچ بھی ہے؟ ہمارے انشا پرداز نے جہانگیر کے کبھی کبھی ہوش مین آنیکا جو کارنامہ بتایا ہے وہ اسکی کتاب تزک جہانگیری ہے" اسکے بعد شبلی نے جو کچھ لکھا ہے ناقدانہ اور سخن گسترانہ ہے، یعنی بے ضرر چشمک کی ایک خوبصورت مثال ہے جو عنوان زیر بحث کے تحت مین آسکتی ہے،

[1] معارف: آزاد مرحوم کی وفات پر مولانا شبلی نے دارالعلوم کے صدر ہال مین جو لکچر طلبہ کے سامنے دیا تھا اسکا پہلا فقرہ یہ تھا "آج اردو کا خدائے سخن مر گیا"

"شعر العجم" جس زمانہ مین لکھی جارہی تھی مین نے شبلی کو توجہ دلائی کہ آزاد کی تالیف موعود پر نگاہ رکھئے گا جو موضوع مشترک پر نکلنے والی ہے، وہ سمجھے میرا مطلب "سخندان فارس" سے ہے، ایک دوست کو لکھتے ہین،

"آزاد کا سخندان پارس حصہ دوم نکلا، سبحان اللہ، لیکن الحمد اللہ میرے شعر العجم کو ہاتھ نہین لگایا ہے"

مجھے تحریر فرماتے ہین" آزاد کی کتاب آئی، جانتا تھا کہ وہ تحقیق کے میدان کا مرد نہین، تاہم ادہر اُدہر کی گپین بھی ہانک دیتا تو جی معلوم ہوتی لیکن خدا کا شکر ہے کہ گیارہ لکچر تک اس نے میری سرحد مین قدم نہین رکھا، بارہوین مین یہ میدان مین اترا ہے، لیکن زور پہلے صرف ہو چکا تھا، یونہی سرسری چکر لگا کر نکل گیا"

مین نے لکھا میری غرض، سخندانِ فارس سے نہین بلکہ آزاد کے "تذکرہ شعراء" سے تھی، اسپر تحریر فرماتے ہین، "مین آزاد کی طرف سے بالکل مطمئن ہوگیا تھا، لیکن آپ نے پھر ڈرا دیا، مجھکو پہلے سے معلوم ہوتا تو اس مضمون پر ہاتھ نڈالتا،" یہ جزئیات جو دکھا رہا ہون خارج از موضوع نہین ہین، اُن سے یہ پتہ چلیگا کہ شطرنج کی اصطلاح مین بساط ادب کے یہ شاطر مہرے آپس مین کس طرح گتھے ہوئے تھے۔

نذیر احمد بھی تنقیص پسند نہین تھے، انکی لے دے زیادہ تر سرسید پر رہتی تھی لیکن اسطرح کہ:

"وہ کہین اور سنا کرے کوئی"

خلوص تھا کہ حرف حرف سے ٹپکا پڑتا تھا، طبیعت مین منقولانہ رنگ غالب تھا اسلئے شروع شروع سرسید کے اجتہادات سے انکو جھجک سی تھی جو رفتہ رفتہ گئی، اور اس طرح گئی کہ سرسید کے معتقدت کیشان باصفا مین یہ کسی سے پیچھے نہین رہتے تھے، اور اُسپر فخر کرتے تھے، یہ فراخ دلی جسکے

شواہد اُنکے لٹریچر مین کثرت سے نظر آئین گے، سرسید تک محدود نہ تھی، اورون کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا، ایک آدھ واقعہ استشہاداً لیجیے،

علیگڈھ کے اسٹریچی ہال مین کانفرنس کی مقتدر جماعت کا اجلاس ہے، اطراف ملک سے پڑھے لکھے اور رو وار لوگ آآکر جمع ہوئے ہین، خطیبانہ بلند آہنگی کے سلسلہ مین ایک آواز یون گویا ہوتی ہے "مین نے کسی زمانہ مین عربی اچھی پڑھی تھی (تو ایسا ذہول ہوگیا کہ مولوی شبلی ایک صیغہ پوچھ بیٹھین تو بغلین جھانکنے لگ پڑین" ان فقرون کا نکلنا تھا کہ اس زمانہ کے مولوی شبلی جو نئے نئے علیگڈھ آئے تھے ہزارون نگاہون کے نقطۂ شعاعی بنے ہوئے تھے، اور یہ انکی قابلیت کا پہلا اعتراف تھا جسکا اثر بجلی کی طرح ہال کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک دوڑ گیا،

اسی طرح نذیر احمد لکچر سے پہلے کبھی کبھی اپنی نظم سنایا کرتے تھے، ایک موقع پر فرماتے ہین :-

"جس طرح یحیٰے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی منادی کرتے تھے کہ میرے بعد مجھسے ایک بہت بڑا پیغمبر آنے والا ہے، اسی طرح میری نظم گویا ندائے عام ہے کہ میرے بعد مولوی الطاف حسین حالی اپنی نظم پڑھین گے، اور مین اپنی پندار مین انکی نظم کی رونق کا باعث ہوتا ہون" اخلاقاً ایک ہم عصر کی شاعرانہ فوقیت کے اعتراف کا یہ کتنا بلیغ اور خوبصورت پیرایہ ہے،

اب مین نفس مطلب سے قریب ہوتا جاتا ہون، یہانتک صرف بیانات اضافی تھے، اصلی کام حالی و شبلی کو باہم ٹکرانا ہے، لیکن ترتیباً پہلے یہ دیکھیے کہ حالی نے شبلی کی نسبت جن خیالات کا اظہار کیا ہے اُسمین "چشمک" کا کوئی عنصر موجود ہے، یا نہین؟ معارف مین نامۂ حالی و شبلی کا سلسلہ کچھ عرصہ سے جاری ہے، ان خطون مین حالی شبلی کو اس خلوص و اشتیاق سے یاد کرتے ہین، انکی ایک ایک تصنیف کا جس شوق و ذوق سے نام گناتے ہین وہ بھی اس آرزو کے ساتھ کہ کوئی کتاب انکی لائبریری کے آغوش مین جگہ پانے سے رہ نہ جائے، اخلاص کی آخری حد ہے، (علاوہ برین ملتے

تو کہتے ہین" اسقدر مدت کے بعد عنایت نامہ کے ورود نے میری آنکھون کے ساتھ وہی کیا جو پیراہن یوسف نے چشم یعقوب کے ساتھ کیا تھا" جس خط کو دیکھئے درد محبت اور ایک خاص طرح کی صدق عقالی جو بڑے بوڑھون کا حصہ ہوتی ہے لفظ لفظ سے ٹپکتی ہے، شبلی کے پاؤن کا واقعہ پیش آتا ہے تو گھبرا کر انکے فرزند رشید یعنی حامد شبلی سے خیر و عافیت دریافت کرتے ہین" اور باوصف اسکے کہ آنکھ نے جواب دیدیا ہے، قوی مین باقتضاے سن عام اضمحلال ہے، پھر بھی اعظم گڈھ کے سفر کی آمادگی ظاہر کرتے ہین، یہانتک کہ الندوہ مین شبلی کے احباب کی رباعیات دیکھکر حالی کو خیال آتا ہے کہ وہ مولانا (شبلی) کے زمرۂ احباب مین ہونیکا فخر حاصل کرین، اسلئے ایک رباعی موزون کرکے بھیجتے ہین کہ الندوہ کے کسی آیندہ نمبر مین اسے بھی جگہ دیدیجئیگا،

سیرۃ النعمان جب شایع ہوئی تو حالی نے اسپر ریویو لکھا، فرماتے ہین "انھون نے (یعنی شبلی نے) اپنی ہر ایک پہلی تصنیف مین جس بلندی پر آپکو دکھایا ہے، اسکے بعد کی تصنیف مین انکی لیاقت اور روشن دماغی اس سے بلند تر منظر پر جلوہ گر ہوتی ہے، اور جہانتک میری نگاہ پہنچتی ہے سیرۃ النعمان کو ان سب سے اعلیٰ منظر پر پاتا ہون" کتاب کی ترتیب، اصول استنباط، اور طرز اجتہاد کے لحاظ سے شبلی کو حالی نے "فاضل، ادیب، محقق اور اگر وہ منظور کرین تو منشی اور شاعر کی حیثیت سے یاد کیا ہے اور دکھایا ہے، کہ جس طرح حسن تناسب اعضا کا نام ہے، سیرۃ النعمان مین روایت و درایت کی تطبیق، اور جس موزون طریقہ پر راے اور قیاس سے کام لیا گیا ہے اس طریقۂ استدلال سے فلسفۂ مذہب کی بنیاد قائم ہوتی ہے، اور مصنف (یعنی شبلی) نے اپنی فضیلت اور لیاقت پر سے بہت سے پردے اٹھا دیئے ہین"

شبلی "دستۂ گل" ہدیۃً بھیجتے ہین تو حالی جواباً لکھتے ہین:-

"کوئی کیونکر مان سکتا ہے کہ یہ اس شخص کا کلام ہے جس نے سیرۃ النعمان، الفاروق اور

سوانح مولانا روم جیسی مقدس کتابین لکھی ہین، غزلین کا بیشتر حصہ شراب دو آتشہ ہے جسکے نشہ مین خمار چشم ساقی بھی ملا ہوا ہے[1]، غزلیات حافظ کا جو حصہ محض رندی اور بیباکی کے مضامین پر مشتمل ہے ممکن ہے کہ اسکے الفاظ مین زیادہ دلربائی ہو مگر خیالات کے لحاظ سے تو یہ غزلین اس سے بہت زیادہ گرم ہین "

آپ کہیں گے کہ ان مسلسل انکشافات مین سوا ئے بہکی ہوئی باتون کے مقصود اصلی یعنی چشمک کا اب بھی پتہ نہین، لیکن مین عرض کر چکا ہون کہ مین اصلی نکتہ سے قریب تر ہوتا جاتا ہون، اصولاً تعلقات کے ساتھ تھوڑی سی کج ادائی بھی ہو تو زیادہ اجاگر ہوتی ہے جو آنکھین روشنی کی عادی ہوتی ہین انکو تاریکی گران گذرتی ہے، اسی طرح نفس انسانی کا رخ روشن اسکے دوسرے رخ کو زیادہ نمایان کر دیتا ہے، اسلئے میری اضافی تصریحات بیکار نہین ہین بہرحال اظہار خلوص کی حد ہو چکی، کچھ اصل موضوع یعنی "چشمک" کی مثالین لیجئے،

حیات جاوید مین ایک موقع پر حالی فرماتے ہین "اعلیٰ تعلیم کی حمایت کے جوش مین سرسید کے قلم سے بعض مواقع پر ایسے الفاظ نکل گئے ہین کہ ترجمون کی غرض سے سوسائٹی قائم کرنیکو وہ اپنی ایک غلطی تسلیم کرتے تھے" اور اسی بنا پر شمس العلماء مولانا شبلی نے مسلمانون کی گذشتہ تعلیم میں اس غلطی کا جسکو سرسید ۶-۷ برس پہلے ایجوکیشن کمیشن مین تسلیم کر چکے تھے ذکر کیا ہے، اور اس بنا پر کہ مغربی علوم و فنون کا دیسی زبان مین ترجمہ ہونا ممکن نہین ہے، سائنٹفک سوسائٹی قائم کرنے کو سرسید کی ایک غلطی قرار دیا ہے" اور اپنے اس دعوی پر کہ ترجمہ ممکن نہین زیادہ تر وہی دلیلین جو خود سرسید نے بعض مواقع پر بیان کی ہین پیش کی ہین "

حالی کہتے ہین کہ "اگر مولانا (یعنی شبلی) کی یہ اصلی رائے ہوتی تو ہمکو اس سے تعرض کی ضرورت

---

[1] کاش ساقیہ ہوتا۔ (م)

نہ تھی، لیکن چونکہ اُنھون نے خود سرسید کے بعض بیانات سے یہ رائے استنباط کی ہے، اسلئے انکو سرسید کے خیالات کا اصلی منشا ظاہر کرنا ہے، حالی نے ایک ایک کرکے اعتراضات کی تردید کی ہے، اور نہایت تفصیل کے ساتھ دکھایا ہے کہ شبلی کے اعتراضات کا زیادہ تر حصہ خود سرسید کے خیالات سے ماخوذ ہے[1]، "چشمک" کی یہ پہلی مثال ہے جسمین حالی کی حیثیت نسبتی اقدامی نہین بلکہ دفاعی ہے اور جسمین ناقد اظہار خیال کے سوا در پردہ کوئی چوٹ نہین ہے،

یہانتک تو آپ نے دیکھا کہ حالی کا شبلی کے ساتھ کیا رنگ تہا، لیکن یہ شرابِ اب تیز ہو چاہتی ہے، اب یہ دیکھئے شبلی کے خیالات و مقالات کا جہانتک خوش صفات حالی کا تعلق ہے، کیا حال ہے، شبلی نے ابھی المامون نہین لکھی ہے، یا لکھی ہے، لیکن لکھنے سے پہلے حیات سعدی پیش نظر ہے، ایک عزیز کو لکھتے ہین "ایک کتاب حال مین مولوی حالی صاحب نے لکھی ہے اور تحفۃً بھیجی ہے، شیخ سعدی کی نہایت دلچسپ محققانہ سوانح عمری ہے، مین نے بے اختیار اسکو تمہارے لئے پسند کیا، اور مولوی حالی صاحب کو لکھدیا ہے کہ وہ تمہارے نام بھیجدین، واقعی بے مثل ہے اور تم کو اپنے پاس رکھنا نہایت ضروری ہے، لیکن یہ دیکھنا ہے کہ شبلی جب خود تصنیفات کے مالک ہوے تو حالی کے ساتھ انکا یہ حسن ظن کہانتک قائم رہا؟

سوانح مولانا روم مین شبلی یون اظہار خیال کرتے ہین "تمام اہل تذکرہ متفق ہین کہ جن لوگون نے غزل کو غزل بنایا، وہ سعدی، عراقی اور مولانا روم ہین، اس لحاظ سے مولانا کے دیوان پر ریویو کرتے ہوے ہمارا فرض تہا کہ سعدی اور عراقی سے انکا موازنہ کیا جاتا، تینون بزرگون کے نمونے دکھائے جاتے اور ہر ایک کی خصوصیات بیان کیجاتین، اور چونکہ مولانا ہمارے ہیرو ہین، اسلئے مذاق حال کے موافق

---

[1] جس مضمون کا حوالہ حالی نے دیا ہے، رسائل شبلی کے طبع جدید مین اسکے دو ٹکڑے ہو گئے ہین، یعنی قدیم تعلیم اور تراجم، معلومات کے اضافہ کے ساتھ وہ حصہ نکال ڈالا گیا ہے جسمین سرسید پر کچھ اعتراضات تھے،

خواہ مخواہ بھی انکو ترجیح دیجاتی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنا واقعہ نگاری کے فرائض کے بالکل خلاف ہے"

اگر تھوڑی دیر کے لئے بھی یہ مان لیا جائے کہ شبلی کا ردے سخن حیات سعدی، یا یادگار غالب کی طرف ہے تو "چشمک" کی یہ نہایت ہی چبھتی ہوئی مثال ہوگی، جو ناظرین کے سامنے پیش کیجا سکتی ہے لیکن ایک نکتہ سنج پوچھ سکتا ہے کہ کیا یہی طریقہ نمایان طور پر "موازنۂ انیس و دبیر" میں اور ایک کافی حد تک "شعر العجم" میں اختیار نہیں کیا گیا؟ کلیات خسرو جسکی تہذیب و ترتیب بزعم علیگڈھ آجکل تذکرۂ دہلی میں پیش ہے اور جسمین تنقید کے سلسلہ میں معاصرانہ کلام کا موازنہ کیا گیا ہے کہانتک واقعہ نگاری کے خلاف "مذاق حال" سے بے نیازی کا دعوی کر سکتی ہے، اور سب سے بڑھکر یہ کہ آیا حالی اس نکتہ کے سمجھنے سے قاصر تھے؟

چشمک کی دوسری مثال لیجئے،

تذکرۂ گلشن ہند کے حاشیہ میں شبلی لکھتے ہیں:- "مولوی حالی صاحب نے اپنے دیوان کے مقدمہ میں لکھنؤ کی شاعری میں صرف نواب مرزا شوق کی مثنویون کا اعتراف کیا ہے، لیکن چونکہ انکے نزدیک شعرائے لکھنؤ سے ایسی فصاحت اور سلاست کی توقع نہین ہو سکتی، اسلئے اسکی وجہ یہ قرار دی کہ نواب مرزا نے خواجہ اثر کی مثنوی دیکھی تھی اور اسکا طرز اڑایا تھا، یہ اشعار اسی مثنوی کے ہین، اسکا فیصلہ خود ناظرین کر سکتے ہین کہ یہ مثنوی نواب مرزا کا ماخذ اور نمونہ ہو سکتی ہے"۔

اسی طرح جیسا کہ دیباچہ گلزار نسیم کے حاشیہ ذیل میں تصریح کیگئی ہے شبلی نے لائق چکبست کو لکھا تھا کہ "گلزار نسیم کی تنقید میں مولانا حالی نے سخت بے رحمی اور ناانصافی سے کام لیا ہے"

مین اسکے متعلق خود کچھ لکھنا نہین چاہتا مولوی عبد الحق کے ذمہ دار قلم سے یہ کلی مولی سیاہی جس طرح پھیلی ہے، ایک نظر دیکھنے کے لائق ہے، جس طرح ناممکن ہے کہ کسی ٹکسالی (اسٹینڈرڈ) کتاب کا مقدمہ ہو، یہ بھی ناممکن ہے کہ کسی نہ کسی حیثیت سے حالی کی پاسداری میں یہ شبلی پر چوٹ

نہ کرتے ہون، یعنی "چشمک"، کے جراثیم انکے مقدمات مین اس کثرت سے ملین گے کہ یہ امر انکے لٹریچر کے خصائص کا ایک جزو ہوگیا ہے، پس یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ موقع کے تاک مین رہتے ہین اور اظہار خیال سے کبھی نہین چوکتے، لیکن اگر مین غلطی نہین کرتا تو یہ جو کچھ لکھتے ہین نکتہ سنجانہ لکھتے ہین، یعنی شبلی کی تنقیص مقصود بالذات نہین ہوتی -

یہانتک تو "چشمک" کی صرف نرم مثالین تھین یعنی تلخ گولیان غلاف شکر مین، اب ذرا قوی تر شواہد لیجیے، مناقب عمر بن عبدالعزیز کے ریویو کے سلسلہ مین شبلی فرماتے ہین۔

"سوانح نویسی کے فرائض مین سے جو بڑا فرض مصنف سے رہ گیا وہ تنقید ہے، یعنی مصنف نے اپنے ہیرو کی خوبیان دکھائی ہین، اسکے کسی قول و فعل پر نکتہ چینی نہین کی، لیکن یہ اس زمانہ کے تمام سوانح نگارون کا انداز ہے"۔

اسی سلسلہ مین ارشاد ہوتا ہے :-

"مصنفین اسلام آجکل کے فریب وہ طریقہ سے بالکل آشنا نہ تھے، آجکل کی سوانح نگاری کا انداز یہ ہے کہ حقیقت نگاری کے ظاہر کرنیکے لئے ہیرو پر نکتہ چینی کیجاتی ہے، لیکن اسطرح کہ محاسن نہایت وسعت اور عمومیت کے ساتھ ہر پہلو سے دکھائے جاتے ہین، پھر نہایت کمزور اور ضعیف الفاظ مین ایک آدھ اعتراض بھی کردیئے جاتے ہین، جس سے درحقیقت مداحی کو اور قوت دینی مقصود ہوتی ہے کیونکہ اس سے یہ ظاہر کرنا منظور ہوتا ہے کہ مصنف نے واقعہ نگاری کے لحاظ سے کسی واقعہ کو چھپانا نہین چاہا ہے، اور اس لحاظ سے ممدوح کی چھوٹی سی چھوٹی برائی کا بھی ذکر کردیا ہے، ورنہ ایسے محاسن اور خوبیون کے مقابلہ مین ایک ذراسی برائی بالکل نظرانداز کرنیکے قابل تھی، یہ طریقہ ہماری زبان کے سوانح نگارون نے یورپ سے سیکھا ہے، اردو کی اعلیٰ سے اعلیٰ سوانح عمریون کا یہی انداز ہے، لیکن یہ طریقہ قدیم طریقہ سے بہت زیادہ قابل اعتراض بلکہ خطرناک ہی قدیم طریقہ صرف سکوت کا

موہوم تھا، لیکن موجودہ طریقہ درحقیقت خیانت اور خداعی ہے جو واقعہ نگاری سے بمراحل دور ہے،

یقیناً ناظرین سمجھ گئے ہونگے کہ شبلی کا روئے سخن کسکی طرف ہے، اور اعلیٰ سے اعلیٰ سوانح عمری سے ممدوح کا مقصود کیا ہے؟ شیش محل مین بیٹھکر اورون پر پتھر پھینکنا ایک خوشنما ادا ہی سہی، لیکن کیا دانائی بھی ہے؟ اسکا جواب صفحات زیر تحریر مین ملجائیگا، لیکن جلدی نہ کیجیے اور سنیے ماثر رحیمی کے ریویو مین ارشاد ہوتا ہے،

اس کتاب مین تمام خوبیون کے ساتھ یہ بہت بڑا عیب ہے کہ خانخانان کی خوبیان ہی خوبیان گنائی ہین، نکتہ چینی کا نام نہین، حالانکہ آجکل کے مذاق کے موافق سوانح عمری اور لائف کی یہ ضروری شرط ہے، لیکن اس طریقہ کو ہم آجکل کے پُر فریب طریقہ سے زیادہ پسند کرتے ہین، جس مین راست نویسی اور تنقید کا بہت کچھ دعوی کرکے بھی سوانح عمری کے بجاے مناقب کی کتاب لکھی جاتی ہے اور کوئی عیب اور وہ بھی خفیف کرکے لکھا جاتا ہے تو اس غرض سے کہ محاسن کے یقین کرانیکے کام آئے یعنی جب عیب نہین چھپایا ہے تو محاسن کیون غلط لکھے ہونگے، بہتر سے بہتر سوانح عمری جو ہماری زبان مین لکھی گئی ہے، اس طریقہ کی عمدہ مثال ہے، ابھی اور سنیے۔

موازنۂ انیس و دبیر مین اسی خیال کا اعادہ یون کیا گیا ہے۔

"ہمارے زمانہ مین جو سوانح عمریان لکھی گئی ہین ان مین باوجود دعوے آزادی کے تنقید اور جرح سے بالکل کام نہین لیا گیا، اور اسکا عذر یہ کیا جاتا ہے کہ ابھی قوم کی یہ حالت نہین کہ تصویر کے دونون رخ اسکو دکھاے جائین لیکن عذر کرنے والے خود اپنی نسبت غلطی کر رہے ہین، جس چیز نے انکو اظہار حق سے روکا ہے وہ ایشیائی شخص پرستی ہے، جسکا اثر رگ و پے مین سرایت کر گیا ہے اور عذر کرنے والون کو خود اسکا احساس نہین ہوتا، اس غلامانہ شخص پرستی سے ایک بڑا ضرر یہ ہے کہ جو لوگ ان اکابر کی تقلید کرتے ہین، ان مین ہزارون ایسے ہوتے ہین جنکو خود نیک و بد کی تمیز نہین ہوتی، اسلئے وہ اچھی

باتون کے ساتھ اکابر کی غلطیون کی بھی تقلید کرنے لگتے ہین اور سلسلہ بسلسلہ تمام قوم مین اسکا اثر پھیل جاتا ہے۔ اخلاقی حیثیت سے مولانا کی نگاہ جس نکتہ پر بار بار پڑتی ہے، اسکے اہم نتائج سے کون انکار کرسکتا ہے؟ آپ دیکھین گے ابھی تک اظہار خیال پر یک نقاب پڑی ہوئی ہے، مگر یہ نقاب اسقدر ہلکی ہے کہ باریک تارون سے چھن چھن کر "چمک" کی شوخیان آپکے ذوق پردہ دری کو اُکسا رہی ہیں، لیکن ذرا ٹھہریئے اسکا حسن عریانی دیکھنے کے لائق ہے، یعنی اسوقت تک تصریحات کی جگہ صرف اشارات وکنایات تھے، اب صاف صاف لیجیے، شبلی لکھتے ہین:

"حیات جاوید مین مولانا (حالی) نے سید صاحب کی یکرخی تصویر دکھائی ہے، اکثر لوگون کا خیال ہے کہ کسی کے معائب دکھانے تنگ خیالی اور بدطینتی ہے۔ لیکن اگر یہ صحیح ہو تو موجودہ یورپ کا مذاق اور علمی ترقیان سب برباد ہوجائین، پھر ایشیائی شاعری مین کیا برائی ہے، سوا اسکے کہ وہ محض دعوی کرتے تھے، واقعات کی شہادت پیش نہین کرتے تھے، بہرحال حیات جاوید کو محض مدلّل مداحی سمجھتا ہون"

اس پر بھی تسکین نہین ہوتی ایک دوست کو پھر لکھتے ہین،

"اختلاف آرا بھی کیا چیز ہے، حیات جاوید کو مین لائف نہین سمجھتا بلکہ کتاب المناقب سمجھتا ہون اور وہ بھی غیرمکمل غیرہ الناس فیما یعشقون مذاہب۔

یہان یہ دلچسپ سوال پیدا ہوتا ہے کہ "آجکل کا پرفریب طریقۂ سوانح نگاری" جو شبلی کے خیال مین ایک طرح کی "خیانت اور غداری ہے"، اور جسپر بار بار بے چینی کے ساتھ زور دیا گیا ہے، درحقیقت حالی کی ایجاد ہے، یا شبلی کی تصنیفات بھی اسی دائرہ مین آجاتی ہین، تاریخی تنقید کا یہ ایک نہایت نازک نکتہ ہے جسپر مولانا نے اگر مزید روشنی ڈالی ہوتی تو دنیاے ادب کے لئے ایک جدید انکشاف ہوتا۔

اسی طرح حالی کی یہ صنعت گری جو ان یورپ کے طرز تحریر سے اخذ بنائی گئی ہے شبلی یہی
بتاتے ہین کہ اس پر فریب طریقہ سے "جو" ایشائی شاعری سے ملتا جلتا ہے" موجودہ یورپ کا مذاق
اور علمی ترقیان سب برباد ہو جائنگی" لٹریچر کی طرف سے مولانا کی اس بی اوقت دقیقہ رسی اور جوش
التفات کا شکریہ، لیکن ایک نکتہ دان یہ سوال کرسکتا ہے کہ جس خطرے کا احتمال ظاہر کیا گیا ہے
اسکے لحاظ سے مغربی زبان کی کوئی سوانح عمری ایسی دکہائی جا سکتی ہے جسمین محاسن کے ساتھ معائب
اُبہار کر دکھائے گئے ہون، کم سے کم جتنی مستند کتابین سیرۃ (لائف) کی حیثیت سے انگریزی زبان مین
لکھی گئی ہین، وہ اکثر دن کے دائرہ نظر مین ہونگی، لیکن افسوس ہے کہ حیات جاوید کی طرح کسی کتاب
سے مولانا کی توقعات پوری ہوتی معلوم نہین ہوتین، یعنی ان مین ایسے مستقل ابواب نہین ملتے، جنمین
کسی "از اقوام جرائم پیشہ" یا باب الاشرار" کے عنوان سے کسی شخص کے حفظ غیب کا غیر ضروری
خاکہ اڑایا گیا ہو۔

ایک ادیب معارضہ بالمثل کی حیثیت سے پوچھ سکتا ہے کہ بلحاظ فن حالی کے جس مقصد کی
طرف نیک نیتی سے شبلی کا ذہن منتقل ہوا ہے خود اُنکی تصنیفات مین یہ رعایت کہانتک ملحوظ رکھی گئی ہے
یعنی المامون، سیرۃ النعمان، الفاروق اور الغزالی مین انسانی کمزوریان کس حدتک اُبہار کر
دکہائی گئی ہین؟ اسکا جواب مجھے خوف ہے غیر امید فزا ہوگا، کیا یہ علم النفس کی حق تلفی نہین ہے
جو ایک نکتہ سنج مورخ کے قلم سے ہو سکتی ہے کیونکہ عظمت خود ملک کے سب سے بڑے مورخ کے
خیال کے مطابق واقعات کو بدل نہین سکتی،

بہرحال یہ کہا جا سکتا ہے کہ حیات جاوید کے لئے حالی کی طرف سے اعتذار (اپالوجی)
کی بالکل ضرورت نہین، ایک شریف نے ایک شریف تر انسان کی ہمدردانہ سرگذشت لکھی
اور آشنائے فن ہوکر لکھی، اور یہی اونچے سے اونچی معیار تحریر ہے جو ایمان بالغیب کی حیثیت سے

یورپ کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے:-

یہ قطعی ہے کہ حیات جاوید کا رئیس التذکرہ فرشتہ نہیں تھا، انسان تھا لیکن اُسکے اخلاقی اوصاف اسکی اضطراری لغزشوں پر جنہیں انسانی کمزوری سمجھئے غالب تھے، یہی مابہ الامتیاز ہے جسکی بنا پر سوانح نگار کسی بڑے سے بڑے شخص کو دنیا کے سامنے پیش کر سکتا ہے، سرسید کی کمزوریاں جنکی بے نقابی پر شبلی کو اسقدر اصرار ہے اور جنکے اظہار مین حالی نے صرف بیدردی سے کام نہین لیا، دراصل سرسید کی زندگی کے وہ عناصر ہین جنکے بغیر انسانی اخلاق کی تکمیل ناممکن ہے، لیکن اس قسم کی اضافی تصریحات کا بے ضرورت پھیلانا اور تنقیصی پہلو کا اس طرح نمایان کرنا کہ اصلی محاسن دب دبا جائین بالکل ایسا ہی ہوگا جس طرح ندوہ کے آخری مناقشات کو شبلی کی ادبی زندگی سے وابستہ کیا جائے، جسپر مولانا کا سوانح نگار کبھی راضی نہین ہوگا، اور جسے شبلی کی علمی نفسیت "سائیکالوجی" دراصل کوئی تعلق نہین ہے،

یہ غور طلب ہے کہ غالب کی طرح شبلی کی افراط خودداری معاصرانہ کمالات کے اعتراف مین فیاض نہین ہے، شبلی نے الکلام لکھی لیکن سرسید کا نام تک نہ آیا، حالانکہ سرسید پہلے شخص ہین جنھون نے دورِ جدید مین مذہب کو معقولات عصریہ سے تطبیق دینے کی کوشش کی اور یہ امر بلا اختلاف اُن کی اولیات مین محسوب ہونیکے لائق ہے[۱]، ہمکو مصر کے مذہبی لٹریچر کی اوقات معلوم ہے، اسلئے مصطلح جبہ و دستار کی فضیلت سے اگر قطع نظر کیجئے تو سرسید اور انکے رفقا نے جو کچھ لکھدیا ہے مشکل سے اسپر کچھ اضافہ ہو سکتا ہے، اور یہ سرسید کے اختراعی دماغ اور انکے زبردست اجتہاد کا اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ عدم اعتراف دراصل لٹریچر کی خوش ظرفی ہوگی، مین یہان اس بحث کو چھیڑنا نہین چاہتا کہ عقاید کو جو جذباتی چیز ہین، معقولات سے جوڑنا جسپر ہمارے متکلمین کو اسقدر ناز ہے دراصل کہانتک[۲] گول خانہ مر

---

[۱] معارف: سب سے پہلے مولوی سید کرامت مین جونپوری (کلکتہ) ہین -

"بہ گشتی چنین" کا مصداق ہے، میرا منشا صرف یہ ہے کہ اس موضوع پر جو کچھ اس وقت لکھا گیا یا آیندہ لکھا جائیگا وہ محض سرسید کے قلم کی آواز بازگشت ہوگی۔ یہ دلچسپ سوال ابھی باقی ہے کہ حالی کے ہیرو کے ساتھ شبلی کو اسقدر "چشمک" کیوں ہے کیا یہ جارحانہ حیثیات شخصیت شبلی کے نام و ننگ اسلام کو ننگ بیکار کرنے والی ہے؟ یا جس طرح ایک خوبصورت عورت دوسری پرکالۂ آتش کو دیکھ نہیں سکتی اصل جذبۂ رشک اسکی تہ میں ہے؟ ملک کے ایک بہت بڑے فاضل کی رائے کے مطابق سرسید کے بعد اگر اردو میں کوئی قلم اٹھا سکتا ہے تو وہ حالی ہیں، اور اس میں کچھ شک نہیں کہ حالی نے "سرسید کی صرف کیریکٹر اور ذاتی لائف نہیں لکھدی" بلکہ یہ اردو لٹریچر میں ایسا اضافہ ہے جو حالی کی ذات پر ختم ہو گیا، لیکن کیا "شعر العجم" کے مصنف کو بھی اسپر رشک کرنا چاہیئے۔ اسکا جواب آگے چل کر تاریخ دیگی نہ جاننا کبھی کبھی جاننے سے زیادہ باکیف ہوتا ہے، اسلئے سردست میں اس لطف کو کھونا نہیں چاہتا۔

لیکن شعر العجم کے ساتھ جو ایک ذوقی چیز ہے میری بڑہی ہوئی حسن عقیدت اس موازنہ کو جائز نہیں رکھیگی، اسلئے حیات جاوید کے مقابلہ میں شبلی کی صرف ان تصنیفات کو رکھیئے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے جنس مشترک کی حیثیت رکھتی ہیں، آجکل کی عوائد رسمیہ (اٹیکیٹ) کی نزاکتیں شائستہ سوسائٹی میں موازنۂ اوصاف کو جائز نہیں رکھتیں، لیکن مصنفین کے دماغوں کی رگڑ، فن تنقید کا ایک سخن گسترانہ فرض ہے، جس سے قطع نظر نہیں کیجا سکتی، اسلئے چشمک کے وہ عقدہاے سربستہ جنمیں حالی کے مقابلہ میں لائق عزت شبلی کا پہلو کچھ دبا[1] ہوا سا ہے، کھلے ہوئے راز کی حیثیت سے پیش کیئے گئے ہیں۔

---

[1] میرے مخاطب صحیح وہ حضرات نہیں ہیں جو تحقیق و تنقید میں امتیاز نہیں کرسکتے، یا کرنا نہیں چاہتے، نہ جاننا جہل، چنداں لائق اعتراض نہیں لیکن یہ بھی نہ جاننا کہ نہیں جانتے جہل مرکب، قطعاً لائق معافی نہیں، ایک بیباک نے حال میں لکھا تھا کہ شعر العجم پروفیسر براؤن کی "لٹریری ہسٹری آف پرشیا" کا سرقہ ہے، شاید کہنا یہ منظور ہوگا کہ براؤن کی کتاب سے ماخوذ ہے، لیکن غریب کو معلوم نہیں کہ براؤن نے فارسی شاعری کی تاریخ نہیں لکھی (بقیہ صفحہ آیندہ)

قبل اسکے کہ مین اسے ختم کرون ایک فقرۂ معترضہ بار طبیعت ہو رہا ہے جس سے اسی سلسلہ مین نپٹ لینا چاہتا ہون۔ "چشمک"، جسکے متعدد نظائر جہانتک گنجائش تھی ہم پہنچائے گئے ہین موروثت طبعی کے اثر سے اسکا سلسلہ اور بڑھتا ہے، ایک زاویۂ علمی کا نوجوان سیدالطائفہ سے آگے چل کر نظام ادبی کا ایک قوی ترعنصر ہوتا ہے، ایک غیر متعلق تصنیف کے سلسلہ مین یون اظہار خیال کرتا ہے،

"مولوی نذیر احمد بھی اس گناہ کے مجرم ہین، جس قلم نے مراۃ العروس، بنات النعش، توبۃ النصوح، ابن الوقت اور ایامی لکھنے مین زندگی بسر کی ہو وہ امہات الامۃ، اجتہاد، ترجمہ قرآن

بلکہ درحقیقت وہ اسلامی لٹریچر کی دماغی تاریخ ہے، ایران سے جو کچھ تعلق ہے یہ ہے کہ براؤن ان مصنفین کو الگ کرتا گیا ہے جو اسلام کے وسیع دور مین خاک عجم سے وقتاً فوقتاً اٹھتے رہے، اسمین شعرا کا ذکر ضمناً آیا ہے وہ بھی تاریخی حیثیت سے ذوقی اور جذباتی حیثیت سے نہین کہ یہ براؤن کے بس کی بات نہین تھی، شعر العجم کا موضوع بالکل جداگانہ ہے،

ہماری زبان پر فلسفہ، "ارتقا" اور جالے کیا کیا بے سوچے سمجھے اس بری طرح چڑھ گیا ہے کہ خیر سے معلومات مین تو کچھ اضافہ ہوا نہین، لیکن ان الفاظ کی رہی سہی آبرو بھی جاتی رہی، جس ملک مین تنقید عالیہ (ہایر کریٹی سزم) کا مفہوم صحیح اچھے خاصے پڑھے لکھے نہ سمجھ سکتے ہون، مین نہین جانتا شعر العجم کی نزاکتین کسطرح انکے ذہن مین داخل کی جائین مجبوراً مین اسی گناہ کا مرتکب ہوتا ہون جس سے اورون کو باز رکھنا مقصود ہے، اور مجھکو کہنا پڑتا ہے کہ شعر العجم تذکرۂ شعرا نہین بلکہ جہانتک شاعری کی ماہیت نفسی کا تعلق ہے اسکی ارتقائی تاریخ ہے، (دیکھیے "ارتقا" زبان پر آہی گیا)

جس طرح ماضی حال کا باوا اور مستقبل کا دادا ہے، بعینہ دنیاے ادب مین بھی یہی ترتیب عمل جاری ہے، متقدمین نے متوسطین اور متوسطین نے متاخرین پیدا کیے، بالفاظ غیر سعدی، حافظ، فردوسی اور خیام جس زمانہ مین ہوئے اور جو کچھ ہوئے اسی زمانہ مین انکا ہونا ناگزیر سا تھا، اسی طرح انکے کلام کی عصری خصوصیات درحقیقت ان کے کمال اجتہاد سے زیادہ وراثت ادبی کے قدرتی نتائج ہین، شعر العجم نے اسی طلسم کی عقدہ کشائی کی ہے، لیکن یہ باتین ابھی نصف صدی کے بعد ہماری سمجھ مین آئینگی، اسوقت تک اس کتاب پر اظہار خیال ملتوی رہتا تو اچھا تھا۔

شبلی تو کیا براؤن کا خاکہ اڑائینگے، لیکن ایک صاحب نے علیگڈھ مین ڈنکے کی چوٹ شاعری پر جس جامعیت کے ساتھ اظہار خیال کی شہرائی، ایڈیٹر معارف کے سنجیدہ قلم کو اعتراف کرنا پڑا کہ گویا "شعر العجم" ہے ایک چھوٹے سے لفظ کے زہر کو دیکھیے گا جسکا تریاق ایک دفتر بھی نہین ہو سکتا، مہدی

رویائے صادقہ کے لئے سنجیدگی عبارت، متانت کلام، اور ثقاہت بیان کہان سے لائیگا، مقصود
یہ ہے کہ مذہبی کتابون اور بزرگان دین کی تاریخ کے لئے سنجیدگی چاہیئے، شوخ اور ظریفانہ عبارت
و خفیف محاورات موزون نہین"

یہ مولوی نذیر احمد کون ؟ وہی جنکا تصنیفی نام عوام مین "ڈپٹی نذیر احمد" ہے، آہا آقائے اُردو
علامہ نذیر احمد ایل ایل ڈی، جو ملک مین السنہ مشرقیہ کا سب سے بڑا ادیب تھا، جسکی عربیت اس پایہ
کی تھی کہ سخت سے سخت منحرف بھی اسکا لوہا مانتے تھے اور اُسکے تبحر علمی سے مرعوب رہتے تھے، جس نے
۔۔۔ سی کم مایہ زبان کو اپنے خاص طرز ادا اور زور فصاحت سے ایسا کردیا کہ آیندہ دنیا اُسپر ادب العالیہ
لٹریچر کا اطلاق کرگئی، جسکی طبیعت مین قدرت نے عربی کا مذاق ایسلئے رکھا تھا کہ وہ عرب کے
ذخیرۂ معانی کا قالب بدل سکے، پہلے ترجمۂ قرآن کا یہ رنگ تھا:-

"مستی نکالتیان اور یار کرتیان چھپکر"

اب وہ شستہ رفتہ اور فصیح اُردو کا ایسا مرقع ہے جسپر انشاپردازی ناز کرسکتی ہے، نذیر احمد نے
مرأة العروس کے سوا اگر کچھ نہ لکھا ہوتا جب بھی انکے کمال انشاپردازی کے ثبوت کے لئے یہ اکیلی
کتاب کافی تھی ہمکو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ اُسوقت ایک گران پایہ مصنف تھے، جب ہمارے لائق ادب
بزرگون مین بہتیرون نے قلم ہاتھ مین نہین لئے تھے، رہی انکی ظرافت جو انہی کا حصہ ہے اور جسے آپ
تماشے مین نمک سمجھے، اور ہم لٹریچر کے چہرے کا تبسم کہونگا، جو نئی تحقیقات کے مطابق صرف
خوش مزاجی نہین بلکہ اخلاقی پاکیزگی کے ساتھ کامل صحت کی دلیل ہے،

صرف ایک مثال لیجئے، نزول قرآن کے سلسلہ مین نذیر احمد اپنے فصیح لکچر مین ایک جگہ
کہتے ہین:-

"جن دنون قرآن نازل ہوا ہے وہ ایک وقت تھا کہ عربی لٹریچر کے جوبن پر ایک بہار آرہی تھی

لوگون مین یہ مادہ ایسا برسر ترقی تہا کوئی متنفس مذاق شعری سے خالی نہ تہا یہ تو عربی زبان کے عروج کا زمانہ تہا، یون بھی عرب کو اپنی بولی پر بڑا ناز تہا، انھون نے اپنے سوا دوسرون کا نام رکہا عجم یعنی گونگے یا جنکو بات کرنیکا سلیقہ نہین، ایسے لوگون سے کیسی ہی اچھی بات کہی جاتی گر وہ ہوتی حلیۂ فصاحت سے عاری تو انکے کان پر جون بھی نہ چلتی، بس ضرور تہا کہ ایسی ہوا سے انکو پیار جائے جو دلو انکو خوب روان تہا، یعنی فصاحت، قرآن نازل ہوا تو جو اپنے اپنے وقت کے سرسید، محسن الملک، سید محمود، اور حالی و شبلی تھے سب کے چھکے چھوٹ گئے؟

یہی بلاغت ہے جسکی بنا پر کہا گیا ہے کہ انشا پرداز کا ایک فقرہ ہزار دہ علمی اور تاریخی اوراق پر بھاری ہوتا ہے، اور یہی تصرفات ہین جنکے لحاظ سے ایک ادیب کو بڑے سے بڑے فلسفی اور مورخ پر ہمیشہ ترجیح رہیگی۔

یہی بلاغت تھی جس نے کسی زمانہ مین حیدرآباد دکن کے بسمارک کو نذیر احمد کا شیدائی بنا رکھا تہا، سر سالار جنگ اول اسٹیٹ ڈنر پر ہین اطلاقی قانون کا دور چل رہا ہے، چھری کانٹون کی دھیمی موسیقیت مین دفعتہ سرکاری ڈاک کے آنیکی اطلاع ہوتی ہے، ارشاد ہوتا ہے "نذیر احمد کی کوئی مراسلت ہو تو فوراً پیش کیجائے"، ایک منٹ کے بعد جلیل القدر میزبان شام کے ہاتھ مین ایک کاغذ ہوتا ہے، برقی روشنی کی جگمگاہٹ مین شائق ادب امیر الامرا کی نگاہ نقوش حرفی پر دوڑ رہی ہے اور چہرے پر رہ رہ کر وہ کیفیت طاری ہوتی ہے جسے تبسم زیر لب کی ہلکی لہرین کہیئے، نذیر احمد کے خوان ادب کا یہ وہ لقمۂ تر تہا جس سے شاہی میز بھی بے نیاز نہ رہ سکی، لیکن اب یہ ہمارے گلے مین پھنسے لگا ہے جسے ہم اگلنا چاہتے ہین، گر یہ بے تکی روایات سابقہ کے لحاظ سے کچھ ٹھیک نہین معلوم ہوتی لوب چاہتا ہے انکا کمال انشا پردازی غیر شائستہ جنبش لب سے ہمیشہ بے نیاز رہیگا۔[۱]

---

[۱] معارف: ان فضائل ومناقب کا منکر کون ہو سکتا ہے لیکن اس کا فرد ب " بتا گوارا نہ کریگا لیکن اس اعتراض کا (بقیہ صفحہ آئندہ)

آخر میں مجھے ایک نکتہ صاف کرنا ہے یعنی حالی کے ساتھ شبلی کی چشمک کے جو شواہد پیش کئے گئے ہیں ان سے کوئی صاحب یہ نہ سمجھیں کہ شبلی کو حالی سے خلوص نہیں تھا، شبلی حالی کو ہمیشہ عزت کے ساتھ یاد کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ "جب تک مواد تحریری نہوں ایک قدم بھی چل نہیں سکتا، مگر حالی کی نکتہ آفرینی کی حد نہیں، انکی دقیقہ رس اور نکتہ سنج طبیعت ایسی جگہ سے مطلب نکال لاتی ہے جہاں ذہن تک منتقل نہیں ہوتا اور یہ کمال اجتہاد کی دلیل ہے" دونوں کے … شبلی … وہ جوش میں جو رباعی لکھکر بھیجی تھی اور جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے شبلی نامہ میں "مولانا حالی کی ذرہ نوازی" کے عنوان سے یوں رقم طراز ہیں:-

" مولانا کا میری نسبت ایسے خیالات ظاہر کرنا محض انکی ذرہ نوازی ہے، وہ میرے احباب میں شامل ہونے کا ننگ گوارا فرماتے ہیں، لیکن میری عزت یہ ہے کہ مجھکو اپنے نیازمندوں کے زمرہ میں شامل ہونے کی اجازت دیں، اب بہت ہی ایسی صورتیں باقی رہ گئی ہیں جنکو دیکھکر قدما کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ خدا ان بزرگوں کا سایہ قائم رکھے"

بہرحال چشمک جو کچھ بھی ادبی حیثیت سے تھی، ذاتی تعلقات دونوں صاحبوں کے ہمیشہ ہی خوشگوار رہے، جتنے باعث اختلاف وکلائے مقدمہ کے اجلاس سے باہر ہوا کرتے ہیں، ان چند [illegible] خصائص نفسی کے مختلف نمونے سامنے آگئے ہیں، اور میری غایت محض تنشیط ادب نیز احباب کی دماغی تفریح کے سوا اور کچھ نہیں ہے، اس حیثیت سے اردو لٹریچر میں غالباً یہ ایک نیا مضمون ہے[1]،

---

[1] ابھی جواب باقی ہے کہ شوخی تحریر اور ظرافت کلام جو … کا … ہر جگہ اور ہر … طرح نمایاں رہنا چاہیے یا کہیں اپنی اوس کو ضبط بھی کرنا چاہیے، مرد مقدس بنکر … پیغمبر آپ … کو صحیفۂ الٰہی اور احکام مذہبی کا مطلب سمجھاتے ہیں اور … حال وہ ایک سنت کے لئے رکتی ہی نہیں ایسی حالت میں … اس … کشمکش ہو کر کسی … رہتا ہے سو ہم تقریب کا انتظار کیجئے۔

[2] اس مضمون میں جسقدر اقتباسات لئے گئے ہیں انکے لئے اردو لٹریچر کے عناصر خمسہ (سرسید، آزاد، نذیر احمد، حالی، شبلی) کا پورا دفتر پیش نظر تھا، لیکن افسوس ہے کہ سلسلۂ اقتباس میں میں نے صفحات متعلق کے حوالے محفوظ نہیں رکھے، … اسکا خیال آیا اب یہ ایک دردسری تھی جسے کسی طرح گوارا نہیں کر سکا تاہم میں یقین دلاتا ہوں کہ اس پیوندکاری میں میں نے کہیں کوئی تصرف یا اضافہ نہیں کیا ہے اور جسقدر اجزا جہاں جہاں سے لئے گئے ہیں علامات اقتباس میں پیش کردیے گئے ہیں … باقی ہے

# باب التربیۃ والتعلیم

## اصول تعلیم

از جناب ظفر حسین خان صاحب گورنمنٹ ٹریننگ کالج لکھنؤ

**ماہیت و مقصد تعلیم** دورِ جدید نے جہان تجربۂ انسانی کی گوناگون اور علمی تصاویر کے دوسرے رُخ کو ہمارے پیش نظر کردیا ہے وہان تعلیم کی ماہیت و مقصود پر بھی نیا ورق الٹ دیا ہے، آج "تعلیم" کا لغت ذہنی اخلاقی اور جسمانی تربیت کے وسیع ترین مفہوم مین استعمال ہوتا ہے، معلم کا فرض درس و تدریس کے ساتھ ختم نہین ہوجاتا، بلکہ تلامذہ کے قوائے ذہنیہ کے دوش بدوش، درستی اخلاق و صحت بدن کا لحاظ بھی اُسپر واجب ہے، چنانچہ معلم، مدرس بھی ہے اور مرشد و واعظ بھی، جسمانی ورزش کا استاد بھی ہے اور طبیب بھی جس زمانہ مین تعلیم کی "ماہیت" اس غلط فہمی مین ملفوف تھی کہ تعلیم کو تدریس کا مرادف سمجھا جاتا تھا تعلیم کا منشا و مقصود بھی صرف اسقدر تھا کہ متعلم کا حافظہ رنگا رنگ معلومات سے بھر دیا جائے۔ اس عہد عقلی مین یہ رسم تعلیم کمال قبیح، لغو و مضحک تصور کیجاتی ہے، کہ علم کو طالبعلم کے دماغ مین ٹھونس دیا جاے، علم النفس کی موشگافیون نے اس حقیقت کو بے نقاب کردیا ہے کہ تعلیم کی غایت اصلی، دیگر قوائے انسانی کے ساتھ قوائے ذہنیہ کے نشو و ترقی مین امداد کرتا ہے، طریق قدیم سارا بوجھ حافظہ پر ڈالتا تھا، لیکن طریق جدید ذہن انسانی کی جملہ قوتون کو کماحقہ تربیت اور متناسب بالیدگی کو پیش پیش رکھتا ہے، الغرض تعلیم کامل حسب ذیل امور کی ضامن ہے،

(۱) درس و تدریس کے ذریعہ قوائے ذہنی کی نشو و نما،

(۲) ارشاد و ہدایت، پند و نصیحت اور ذاتی نمونہ کے ذریعہ تہذیب اخلاق،

(۴) بلاناغہ ورزش، صفائی اور اصول حفظان صحت کی باقاعدہ پابندی کے ذریعہ صحتِ جسم، طاقت بدن اور چستی دستعدی کی برقراری،

علم تعلیم اور فن تعلیم | ایشیا میں علم وفن باہمدگر مترادف بولے جاتے ہیں، لیکن یورپ کے نزدیک انکے درمیان میں فرق ہے، علم، کائنات عالم کے کسی خاص شعبہ کے متعلق واقعات لیکر محض بیان کر دیتا ہے، فن، ان علمی مقدمات وقضایا سے عملی نتائج اخذ کرتا اور انکو ہدایات، قواعد اور تنبیہات کی شکل میں تدوین کرتا ہے، علم کا تعلق فہم ونظر وادراک سے ہے، طالبعلم مباحث ومطالب علمیہ کو پڑھتا غور کرتا اور انکو سمجھتا ہے، اسکے خلاف فن کا رشتہ عمل سے قریب تر ہے، کسی فن کے ہدایات محض پڑھکر سمجھ لینے کی چیز نہیں، بلکہ انکی تعمیل اور مشق لازمی ہے، علم کی حد تحصیل میں ختم ہوجاتی ہے کہ معلومات صاف صاف ذہن میں مرتب ہوں، جبکہ فن کا تقاضا ہے کہ ان معلومات کو قوت سے عمل میں لایا جائے، علم وفن کے باہمی فرق کی وضاحت امثال ذیل سے ہوگی،

تشریح ایک علم ہے جسکے اندر جسم انسانی کا کچا چٹھا ہے، اس علم کا موضوع، ہڈیاں، جوڑ، رگ پٹھے وغیرہ ہیں، علم تشریح ہمکو اجزاے بدن کے حالات سے خبردار کر دیتا ہے، اور بس، لیکن اسکے مقابل فن جراحی ہے، جو علم تشریح کے اخبار وبیانات سے مفید عملی ہدایات استنباط کرتا ہے، یہی علاقہ علم افعال الاعضاء اور فن طب کے درمیان ہے، اول الذکر اعضاے بدن اور انکے افعال کا ذکر کرتا ہے، اور فن طب ان معلومات سے استفادہ کرتا اور عملی قواعد اخذ کرتا ہے، علم افعال الاعضا کے علاوہ طب کی بنا دیگر علوم پر بھی ہے، مثلاً طبعیات، نباتات، کیمیا وغیرہ، ریاضی ایک نظری علم ہے، لیکن فن معماری کی داغ بیل تمامتر اسی پر پڑتی ہے، فن ملاحی، علم ہیئت اور علم جغرافیہ کا دست نگر ہے، غرضکہ ہر فن کی تدوین ایک یا ایک سے زیادہ علوم کی محتاج ہے، اور کسی مخصوص فن سے متعلق علم یا علوم کے ان اصول کی یکجائی جو گویا اس فن کی جڑ ہو، اسکے علم کے نام سے تعبیر کیجائیگی یعنی فن جراحی کے خلاف۔

علم جراحی سے مراد تشریح کے وہ اصول و قوانین ہین جن پر فن جراحی مبنی ہے، اسی طرح فن طب کے خلاف علم طب سے مراد علم افعال الاعضا، طبعیات، کیمیا، نباتات وغیرہ کے وہ اصول و قوانین ہین جن پر فن طب کا دار و مدار ہے، وقس علی ہذا،

علم تعلیم و فن تعلیم کی تفریق بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے، یعنی علم تعلیم عبارت ہے ان علوم کے قوانین و اصول کے ذخیرہ سے، جن قوانین و اصول پر فن تعلیم کا مدار ہے، علم تعلیم کا مایۂ خمیر کم سے کم حسب ذیل علوم ہین،

۱- علم النفس،

۲- علم الاخلاق،

۳- علم حفظان صحت،

۴- علم افعال الاعضاء،

تعلیمی نقطۂ نظر سے ان علوم کی شیرازہ بندی، علم تعلیم کی تدوین کا دوسرا نام ہے، چنانچہ بچہ کے نفسی حالات، سن و سال کے اعتبار سے قوائے ذہنیہ کا نشو و نما، تعلیم کا اخلاقی نصب العین، جسمانی قوی اور انکے ترقی و انحطاط کے اسباب، علم تعلیم کے مہمات موضوع ہین،

فن تعلیم کا موضوع بحث چیدہ اور آزمودہ دستور و طرق تعلیم ہے، انگریزی، حساب، جغرافیہ، تاریخ وغیرہ پڑھانیکی بہترین صورتین، اور مدرسہ کے نظم و نسق و ضبط کے کامیاب طریقے فن تعلیم کی جان ہین،

مشرق و مغرب | چونکہ ارتقاے انسانی کی پہلی منزل فطرۃً جسمانی ترقی، دوسری منزل فطرۃً ذہنی ترقی اور تیسری منزل فطرۃً اخلاقی ترقی ہے، لہذا ہم تعلیم انسانی پر اسی ترتیب سے بحث کرینگے یعنی اول جسمانی نقطۂ نظر سے، دوم ذہنی نقطۂ نظر سے، اور سوم اخلاقی نقطۂ نظر سے، لیکن یہ تمام مباحث

ہندوستان کی معاشرت اور اسکے موجودہ حالات وحاجات کے تابع ہونگے، یورپین فلسفہ تعلیم کے اصول وہدایات کی آزمائش کا میدان خود یورپ ہوسکتا ہے، نہ کہ ہندوستان، ہندوستانی بچہ کے تعلیم کے اصول یورپین بچہ کے تعلیم کے اصول سے اسیقدر مختلف ہونا چاہئین، جسقدر ایک ہندوستانی بچہ اور ایک یورپین، بچہ کے درمیان جسماً، ذہناً اور اخلاقاً اختلاف ہے، یورپ کے پرستار مغربی فلسفہ تعلیم کا تختہ مشق ہندوستان کو بناتے ہین، اور خلاف توقع نتائج واثرات پر تعجب کرتے ہین حالانکہ یہ قدرۃ بدیہی ہے کہ جب تک مشرق، مشرق اور مغرب، مغرب ہے مشرق کو مغرب کے قالب مین ڈھالنا اسیقدر محال ہے جسقدر مغرب کو مشرق کے قالب مین ڈھالنا، ایک دوسرے کی جغرافی تاریخی عمرانی خصوصیات اسقدر متباین ہین کہ ایک ہی دوا دونون کے مزاج کے موافق آنا محل تعجب ہے نہ کہ محل توقع مستثنیات سے ہو نہ کہ کلیات سے،

اس بنا پر دونون ملکون کی جسمانی تربیت کے اصول مین جسقدر فرق ہونا چاہیئے ظاہر ہے، حفظان صحت کے بعض اصول جو یورپ کی صحت کے ضامن ہین، ہندوستان کے حق مین سراسر صحت افگن بد احتیاطیان ہین، اس نکتہ کو ملحوظ رکھکر ہم سب سے پہلے بچہ کی جسمانی تعلیم کی جانب رجوع کرتے ہین،

## جسمانی تربیت

**غذا** غذا جو بخوبی ہضم اور جزو بدن ہوجاتی ہے، دو نتیجہ مرتب کرتی ہے،

(۱) بدل ماتحلل، اعضا اور عضلات کی بالیدگی اور انکی فرسودگی اور ٹوٹ پھوٹ کی مرمت،

(۲) حرارت غریزی کا قیام، اور قوت کی پیدائش،

اس بنا پر غذا کی تین قسمین ہوئین، یعنی ایک وہ جس سے محض ہمارے پٹھے گوشت اور ہڈی بنتی ہے، دوسرے وہ جس سے محض حرارت پیدا ہوتی ہے اور تیسرے وہ جو پٹھے بھی بناتی ہے اور حرارت بھی پیدا کرتی ہے،

اطبا، غذا کی تین حالات قرار دیتے ہین، جامد، سیال اور ہوائی. ہوائی غذا آکسیجن گیس ہے جسکو ہمہ وقت ہم سانس لیتے ہین باقی ماندہ غذاؤن کے اجزا حسب ذیل ہین،

(۱) لحمات (پروٹیڈز) شلاً انڈے کی سفیدی، ان سے پٹھے وغیرہ بنتے ہین،

(۲) مدھنات (فیٹس) شلاً گھی، مکھن، دودھ، یہ حرارت پیدا کرتے ہین،

(۳) نشاسجات (اسٹارچ) چاول، گیہون وغیرہ یہ بھی حرارت آفرین ہین،

(۴) ملحات (سالٹز) یعنی نمک جو ترکاریون مین نباتی حالت مین پایا جاتا ہے، نیز معمولی نمک ہضم غذا مین مدد دیتا ہے،

(۵) پانی، غذا کو ہضم کرتا اور فضلات کے اخراج مین گردون کی امداد کرتا ہے،

غذا ان تمام اجزا کا مناسب مرکب ہونا چاہیئے، اگر کوئی جزو غیر معتدل طور پر زیادہ ہوگا تو نقصان پہنچیگا، ہندوستان کی آب و ہوا کے لحاظ سے جوان آدمی اور بچہ کی غذا کی مقدار نمک اور پانی کے علاوہ یہ ہونا چاہیئے،

| جوان آدمی | | بچہ | |
|---|---|---|---|
| (۱) لحمات۔ | ڈہائی چھٹانک | (۱) لحمات۔ | ڈیڑہ چھٹانک |
| (۲) مدھنات۔ | ڈیڑہ چھٹانک | (۲) مدھنات | سوا چھٹانک |
| (۳) نشاسجات۔ | ساڑھے سات چھٹانک | (۳) نشاسجات | پانچ چھٹانک |

معمولی غذا مین یہ سب اجزاء موجود ہوتے ہین، ہندو جو گوشت یا انڈا نہین کہا سکتے، لحمات کی ضروری مقدار دیگر اشیاسے حاصل کرسکتے ہین، اصل شے ان سب کا باہمی توازن ہے،

مختلف غذاؤن مین اجزاے مذکور کا اوسط نقشہ کی شکل مین ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے، اس نقشہ کی مدد سے کافی و مناسب غذا کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے،

### عام غذاؤن مین اجزاء التغذیہ کا اوسط فی صدی

| غذا | لحمات | دھنات | نشاسجات | ملحیات | پانی |
|---|---|---|---|---|---|
| دال | ۲۴٫۰ | ۲٫۳ | ۵۶٫۷ | ۳٫۰ | ۱۴٫۰ |
| چاول | ۷٫۵ | ٫۵ | ۷۷٫۰ | ٫۵ | ۱۴٫۰ |
| گھی | ۲٫۰ | ۸۸٫۰ | ۰۰۰۰ | مختلف | ۸٫۰ |
| [illegible]لی | ۸٫۰ | ۱٫۵ | ۴۹٫۳ | ۱٫۳ | ۴۰٫۰ |
| آلو | ۱٫۲ | ٫۳ | ۲۲٫۵ | ۱٫۰ | ۷۵٫۰ |
| سبزی ترکاری | ۱٫۵ | ٫۵ | ۷٫۸ | ۱٫۲ | ۸۹٫۰ |
| گوشت | ۲۰٫۵ | ۳٫۵ | ۰۰۰۰۰ | ۱٫۶ | ۷۶٫۴ |
| مچھلی | ۱۸٫۱ | ۲٫۹ | ۰۰۰۰۰ | ۱٫۰ | ۷۸٫۰ |
| دودھ | ۳٫۴ | ۳٫۸ | ۵٫۰ | ۰٫۸ | ۸۷٫۰ |

دھنات اور نشاسجات چھوٹے بچون کے لئے ازبس ضروری ہین، چونکہ ایک ہی قسم کی غذا باعث ہوجاتی ہے، اسلئے ایک روز لحمات زیادہ کہانا چاہیئے اور دوسرے روز نشاسجات،

ہندوستان مین غریب بچے بھوکون مرتے ہین، اور امیرزادہ حد سے زیادہ کہا جاتے ہین، صحت پر اس قلت وکثرت دونون کا اثر یکسان برا پڑتا ہے، اور مدرسہ کے کثیر التعداد قابل افسوس مظاہر کا سرچشمہ اور ناکامیون کا سبب اصول تغذیہ سے بے اعتنائی یا لاعلمی ہے،

**آرام بعد طعام** | جس طرح مشین کے کیل پرزون کو حرکت کے وقت تیل کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح اعضاے تغذیہ کو خون کی ضرورت ہوتی ہے، اور اگر خون کی رسد ناکافی ہوگی تو یہی نہین کہ حسب دستور فعل مین خلل پڑیگا بلکہ وہ عضو بھی خراب جائیگا۔

ورزش کے وقت خون کا بیشتر حصہ پٹھون مین ہوتا ہے، مطالعہ کے وقت دماغ کے اندر خون درکار ہوتا ہے، جس وقت کھانا کھاتے ہو خون معدہ مین مطلوب ہوتا ہے، اسی لئے کھانے کے بعد ورزش ممنوع ہے، چونکہ نظام ہاضمہ کو خون کی بڑی مقدار کی حاجت ہوتی ہے، ورزش کے تقاضہ سے خون پٹھون مین آجاتا ہے، اور جب خون اس طرح دو جگہ تقسیم ہوگیا تو معدہ اپنا فعل اچھی طرح نہین کرسکتا اور لازمی نتیجہ سوء ہضم ہوتا ہے، علی ہذا کھانے کے بعد فوراً پڑھنا بھی نہین چاہیئے، اسلئے کہ معدہ اور دماغ کی باہمی کشاکش اخیر مین دونون کی خرابی کا باعث ہوتی ہے،

بعض اطبار کھانے کے بعد مشی کی صلاح دیتے ہین، لیکن علم افعال الاعضار کا مشورہ اسکے خلاف معلوم ہوتا ہے، اسکے ہدایت کے مطابق کم ازکم ایک گھنٹہ مطلقاً آرام کرنا چاہیئے،

**لباس** | ہندوستان کے موسمی حالات کے لحاظ سے لباس ایسا ہونا چاہیئے کہ جسمین ایک طرف تو گرمی سرایت نہ کرسکے، اور دوسری طرف اسمین پسینہ خوب جذب ہوسکے، گرمیون کی لُو اور برسات کا پسینہ بہت سے معصومون کی موت کا اصلی سبب ہے، جاڑون کا لباس ایسا ہونا چاہیئے جو جسم کی حرارت کو قائم رکھ سکے، یعنی باہر نکلنے نہ دے، بالفاظ دیگر ہر موسم کے لباس مین دو اہم صفتین پائی جانا ضروری ہین،

(۱) لباس ایسا ہو کہ جسمین حرارت سرایت نہ کرسکے، نہ اندر سے اور نہ باہر سے، خارجی گرمی سے جسم کو محفوظ رکھے اور داخلی گرمی جسم سے نکلنے نہ دے، حکمیات کے اصطلاح مین ایسے مادہ کو عسیر النفوذ (بیڈ کنڈکٹر) کہتے ہین،

(۲) جو پسینہ نکلے اُسے فوراً جذب کرلے،

کپڑون مین ریشم اور اُون دو ایسی چیزین ہین جنمین یہ دونون صفتین بدرجۂ اتم پائی جاتی ہین، یعنی عسیر النفوذ بھی ہین اور جاذب رطوبت بھی، گرمی اور برسات مین ریشمی بنلوکہ اندر پہننا چاہیئے، اور

جاڑون مین دبیز اُونی سینہ بند، اُوپر کا لباس گرمیون مین سوتی اور جاڑون مین اُونی ہو سکتا ہے لیکن اندر کا لباس کسی حال مین سوتی ہونا چاہیئے،

ہندوستان کے لئے سفید رنگ کا لباس زیادہ موزون ہے، اسلئے کہ سفید رنگ تمازتِ آفتاب کی مدافعت مین بے مثل ہے، لیکن ہندوستان کی فرنگی مآبی کا تقاضا دوسری جانب ہے بڑے شغف کے ساتھ رنگین سوٹ پہنے جاتے ہین، اور بعض جنٹلمین تو سخت گرمیون مین اُونی سوٹ پہنتے ہین، قطع نظر اسکے کہ رنگین کپڑا بہت جلد گرم ہو جاتا ہے، ہندوستان کے مشہور گرد و غبار کے لئے بھی اسکا دامن قدرۃً نہایت وسیع ہے، پہننے والا اسکو صاف سمجھکر پہنے جاتا ہے، حالانکہ اسکی کثافت مہلک امراض کے جراثیم کا کشت زار بن چکی ہے، ہندوستان مین اشد شدید ضرورت کہ لباس نہایت صاف ستھرا اور پاکیزہ رکھا جائے، اسلئے کہ گرم ملک ہونیکی وجہ سے پسینہ کثرت سے آتا ہے اور پسینہ مین فاسد مادے برابر خارج ہوتے رہتے ہین،

صفائی | کھال مین دو قسم کے مسامات ہوتے ہین، ایک سے پسینہ خارج ہوتا ہے اور دوسرے سے ایک چکنا مادہ نکلتا رہتا ہے یہ اسلئے کہ جلد ملائم رہے، گرم ملکون مین جسم بہت جلد میلا ہو جاتا ہے، اسلئے کہ پسینہ بہت نکلتا ہے، پسینہ مین جسقدر پانی کا جزو ہے، وہ تو خشک ہو جاتا ہے، لیکن فضلات جسم اور نمک کھال پر جمے رہجاتے ہین، نیز باہر کی خاک چکنے مادہ سے مل کر مسامات کا منھ بند کر دیتی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جسم کے فضلات خارج ہونے نہین پاتے، خون خراب ہو جاتا ہے، پھڑیان نکل آتی ہین اور ان عضاء پر جنکا فعل جسم کو نجاسات سے پاک کرتا ہے، مثلاً پھیپھڑے اور گردے، ان پر خون کی خرابی کی وجہ سے زیادہ بار پڑ جاتا ہے، اور رفتہ رفتہ ضعیف ہو جاتے ہین، یہانتک کہ ایک دن بالکل جواب دیدیتے ہین، علاوہ برین جلد کا ایک فعل یہ ہے کہ سردی اور گرمی سے خون کو خبردار رکھتی ہے جہان سردی معلوم ہوئی خون فوراً اندر دوڑ جاتا ہے، اُوپر نہین رہتا، لیکن جب جلد نہایت کثیف ہو جاتی ہے

تو صحیح احساس نہین ہوتا، خون اوپر ہی دورہ کرتا رہتا ہے، اور سردی لگ جانے سے صدہا امراض پیدا ہوجاتے ہین،

چنانچہ صحت کا دار و مدار بہت کچھ جسم کی صفائی پر ہے خصوصًا بچون کی لیکن انکی صفائی کی جانب جسقدر التفات کی ضرورت ہے، اسیقدر غفلت برتی جاتی ہے، ہندوستانی مدارس کے کثیف مناظر اسکے شاہد ہین، بلاشبہ بچون کو نہلانے دہلانے کی ذمہ داری تمامتر ماؤن پر عاید ہوتی ہے، اور چونکہ یہ بحث درحقیقت مسئلہ تعلیم نسوان کا ایک ٹکڑا ہے، لہذا ہم قلم انداز کرتے ہین،

الغرض جسم کا میل بلاناغہ روزانہ دور کرنا چاہیئے، اور چونکہ اسکے اندر چکنا مادہ شریک ہوتا ہے اسلئے صابن سے دہونا چاہیئے، صابن مین سوڈے کا جزو ہوتا ہے اور سوڈا اوہی مادہ کے ساتھ حل ہوکر میل کو جسم سے چوس لیتا ہے، نہانیکے بعد جسم کو تولیہ سے خوب رگڑ کر خشک کرنا چاہیئے،

بیماری کی حالت میں اگر نہا نہ سکو تو کم از کم پاؤن، جانگہ اور بغل دہو ڈالنا چاہیئے، پاؤن کثافت کی جمع ہوجانیکی خاص جگہ ہے، سوتے وقت بلاناغہ دہونا چاہیئے، پاؤن دہونے سے نیند خوب آتی ہے، اور غذا اچھی طرح ہضم ہوتی ہے،

دانتون کی صفائی بھی نہایت ضروری ہے، صبح، سوتے وقت اور کھانا کھانیکے بعد دانت ضرور مانجنا چاہیئے، دانتون مین جو غذا رہجاتی ہے وہ سڑ کر زہر بنجاتی ہے، لوگ یورپ کی تقلید مین برش سے دانت صاف کرتے ہین، لیکن برش بہت جلد خراب ہوجاتا ہے، دانتون کا میل اسین اکر سڑتا، گلتا، اور زہر بنتا ہے، اور اگر اسکے استعمال مین جاہلانہ شوق سے کام لیا جائیگا تو عنقریب دانت کو میل سے صاف کرنیکی جگہ منہ کو دانتون سے صاف کردیگا، زنبور کا کام دیگا،

اشتہاری منجنون سے بھاگنا چاہیئے، غریب طالبعلم کے لئے کوئلہ اور نمک بہترین منجن ہے،

بہ نسبت یورپ کے ہندوستان مین ناخنون کی صفائی کی جانب خاص توجہ کی ضرورت ہے،

اسلئے کہ کھانا ہاتھون سے کھایا جاتا ہے، ناخن زیادہ بڑھنے نہ دینا چاہئین، اور انکے اندر خلال کرتے رہنا چاہیئے، تاکہ میل جمع ہونے نہ پائے،

ہندوستان جیسے ملک مین چاہیئے تو یہ تھا کہ اندر کا لباس روزانہ تبدیل کیا جاتا، لیکن کم استطاعت لوگون کے لئے ایسا کرنا دشوار ہے، بہرطور کم از کم دو جوڑے ہونا چاہیئین، تب کو وہ کپڑا جو دن بھر اندر پہنے رہے ہو پھیلا دیا کہ ہوا آکسیجن کے عمل سے اسکو صاف کر دے، دوسرے تیسرے دن پانی اور صابن سے بھی دھو ڈالنا چاہیئے،

ورزش | بالعموم ورزش صحت کے واسطے لازمی ہے، جسم کی کثافتین خارج ہوتی ہین، معدہ اپنا عمل مستعدی کے ساتھ کرتا ہے اور جسم فربہ ہوتا ہے، اعتدال سے تجاوز ہر حال مین برا ہے اور ورزش بھی اس سے مستثنیٰ نہین، چھوٹے بچون کو ڈرل کرانا چاہیئے اور بڑے بچون کے لئے جمناسٹک اور کھیل زیادہ مفید ہین، اسلئے کہ ان سے نفسی و اخلاقی صفات کی نشو و نما مین مدد ملتی ہے، مثلاً فہم، جرارت، توجہ، ہمدردی، ایثار وغیرہ جمناسٹک اور کھیل بچہ کو اس عمر مین اختیار کرنا چاہیئے، جب اخلاقی و ذہنی کلی کے کھلنے کا موسم ہو، قبل از وقت اور بعد از وقت عبث ہوگا۔

# آثارِ علمیہ ادبیہ

## سرسید کے چند خطوط

بنام

## مولوی سید شرف الدین صاحب بلخی (گیا صوبہ بہار)

مخدومی مکرمی سید شرف الدین صاحب بلخی عظیم آبادی،

آپکا نوازشنامہ پہنچا، ممنون عنایت ہوا، جو خیال آپکا میری طرف ہے وہ صحیح نہین ہے، اسکو دل سے دور کر دیجئے، مین صرف ایک گنہگار شرمسار آدمی ہون، ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان بھی مجھ گنہگار سے ہزار درجہ بہتر ہے

آپنے مجھسے سوال کیا ہے اگر ہوسکے آپ مجھی سے مندرجہ ذیل سوال فرماتے تو مین نہایت خوشی سے اسکا جواب دیتا،

۱- نماز پنجگانہ فرض ہے یا نہین ؟

(۲) ہر مسلمان کو عالم ہو یا جاہل، درویش ہو یا دنیا دار نماز پنجگانہ اسکو فرض مذہبی سمجھکر ادا کرنا فرض ہے یا نہین

۳- جو مسلمان اسکو فرض نہ سمجھے وہ کافر ہے یا نہین، بلاشبہہ کافر ہے،

۴- نماز نہ پڑھنے یا قضا کر دینے سے مسلمان گنہگار ہوتا ہے اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے یا نہین ؟

۵- نماز قضا ہونے یا قضا کرنے پر اگر کوئی شخص نادم ہو اور اپنے تئین گنہگار سمجھتا ہو، اور سخت گناہ کا مرتکب تسلیم کرتا ہو وہ کافر ہوتا ہے یا مسلمان رہتا ہے،

۶- اُسکے ساتھ یہ بھی سوال کرو جو لوگ مسجدون مین جاتے ہین اور اس بات سے خوش ہوتے ہین کہ لوگ اُنکو نمازی اور نہایت پاک سمجھین اُنکا کیا حال ہے،

میرے نزدیک جمع بین الصلواتین جائز ہے، مین ایک گنہگار آدمی ہون، نماز پڑھتا بھی ہون قضا

ہی ہوجاتی ہے، جب قضا ہوجاتی ہے شامت اعمال سے اسکی ندامت ہوتی ہے، اپنے آپ کو گنہگار سمجھتا ہون، خدا سے معافی چاہتا ہون،

جس شخص نے آپ سے کہا کہ مین نماز مغرب مین جو مسجد مدرسہ مین ہوتی ہے شریک نہین ہوا سچ کہا ہے، کیونکہ جب تک مین مدرسہ سے واپس نہ آؤن، اور کپڑے نہ تبدیل کرون وہ کپڑے نمازی نہین ہوتے

بہرحال میری اندرونی تفتیش محض بیجا ہے، نہ مین مقدس ہون نہ مقدس ہونیکا دعویٰ ہے، نہ کسیکا ہادی بنا چاہتا ہون، ایک گنہگار آدمی کے حالات کی تفتیش کیا، البتہ مسلمانون کی بھلائی اور ترقی کا خیال ہے اسمین کوشش کرتا ہون،

والسلام خاکسار

سید احمد، علی گڈھ

۲-اگست ۱۸۹۲ء

مخدومی مکرمی مولوی شرف الدین صاحب،

آپکا نوازشنامہ پہنچا، رسالہ جن دو تحریر فی اصول التفسیر روانہ خدمت ہوچکا، جس کتاب کی تحریک کی ضرورت آپ نے تحریر فرمائی ہے بلاشبہہ بہت ضروری ہے، کوئی شخص ایسا ہو جسکو جمیع مذاہب اسلامیہ سے نہ محبت ہو نہ عداوت، بلکہ سچے مورخ کی طرح اصلی حالات کو بیان کرے، خدا کسی کو ایسی توفیق دے، مین تو جب تک میری تفسیر ختم ہو لے کوئی بڑا کام اختیار نہین کرسکتا، میری نسبت تو بسبب میری تصنیفات کے فتوہاے کفر ہوچکے ہین، آپ میری تحریرات کو پسند فرماتے ہین، آپ پر بھی فتوہاے کفر ہوجائین گے، رسالہ استجابت دعا علحدہ لکھا ہے، اسکو بھی ملاحظہ فرمایئے، خطوط سب میرے نام ہون، مین خود تعمیل کرونگا

والسلام خاکسار

سید احمد

۷-فروری ۱۸۹۳ء

مخدومی مکرمی مولوی سید شرف الدین احمد صاحب سلمہٗ

آپکا نوازش نامہ مورخہ ۱۱- فروری میرے پاس پہنچا، آپ نے جو الفاظ اپنی عنایت سے میری نسبت لکھے ہیں اُنھوں نے مجھے تکلیف دی، برائے خدا مجھکو امام نہ سمجھیے بلکہ احد من الانام کا الانعام سمجھیے، آپنے لطیف بات لکھی ہے کہ علما بتا دیں کہ میں مہدی ہوں یا دجال، میں آپکو اطلاع دیتا ہوں کہ علمار نے میرے دجال ہونے پر فتوی دیا ہے، میں تلاش کرونگا اگر ملا تو اسکی نقل آپکے پاس بھیجدونگا، والسلام

خاکسار سید احمد

۱۵ فروری ۱۸۹۳ء

مخدومی مکرمی مولوی سید شرف الدین احمد صاحب سلمہٗ

عنایت نامہ پہنچا، نسبت جواب کے ایک بہت بڑا مضمون تفسیر جلد پنجم میں بذکر خواب ہائے حضرت یوسف و فرعون وغیرہ مندرج ہے اسکو ملاحظہ فرمایئے،

بیعت کی رسوم ظاہری لغو و ہیچکارہ ہیں، صرف ارادت رہبر مقصود ہے، حقیقت بیعت پر میرا رسالہ ہے، جو مجموعۂ تصانیف میں چھپا ہے، اُسکو دیکھیے،

بیعت مسنونہ جسکی تفصیل میرے رسالہ میں ہے دو شخصوں سے یا متعدد اشخاص سے کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے،

والسلام خاکسار

سید احمد

علیگڈھ ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء

مخدومی مکرمی،

تفسیر صرف سورۂ النحل تک چھپی، اس سے اگلی سورتوں کی تفسیر لکھی گئی ہے، مگر ابھی تک چھپنے کی

…بت نہین آئی، خدا نے چاہا تو عنقریب چھپنی شروع ہوگی، سید محمود نے جو اسپیچ الہ آباد کے تھیٹر مین
…ی تھی وہ صرف زبانی تھی، وہ لکھی گئی اور نہ چھپی ہے، مجھے تو یہی یاد ہے، مگر حال مین سید محمود نے
…کانفرنس مین ایک بے نظیر لکچر دیا ہے انگریزی تعلیم پر اور دکھایا ہے کہ مسلمانون نے اس سے کسقدر
…فائدہ اٹھایا اور ہندؤن نے کسقدر اور ڈگری گراہم بناکر آنکھون سے دکھایا ہے، وہ چھپ جائیگا تو ایک
…کاپی خدمت عالی مین بھیجونگا،

دس قطع اشتہارات در باب اجراے تہذیب الاخلاق مرسل خدمت ہین، از راہ مہربانی
…انکو دو ستون مین تقسیم فرما دیجئے،

والسلام خاکسار

سید احمد

علی گڈھ، ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء

(بقیہ مطبوعات جدیدہ)

# انقلاب

اخباری حیثیت سے لاہور اور کلکتہ اجڑ گیا، لیکن اب لکھنؤ اور خاصکر دہلی آباد ہو رہی ہے
حال ہی مین ہفتہ وار انقلاب جناب عارف مختار اللہ کے زیر ادارت دہلی سے شائع ہونا شروع
…ہے، ابھی چند پرچے اسکے شائع ہوئے ہین لیکن انہین کو دیکھکر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ اخبار نویسی کی
…شان کو بلند کرنا چاہتا ہے، سیاسی مضامین مناسب بحث و تبصرہ کے ساتھ شائع ہوتے رہتے ہین موجودہ سیاسیات
…مین ملک کی خواہشون کا شدت کے ساتھ ہم آہنگ ہے، اسلامی مسائل خصوصیت کے ساتھ اسکے صفحات پر
…زیر بحث رہتے ہین، لکھائی چھپائی بہت صاف اور اچھی، نوعیت مضامین مناسب اور ترتیب بھی عمدہ ہوتی ہے
…صفحے، قیمت سالانہ ۴ (؏) پتہ: کوچہ چیلان، دفتر انقلاب دہلی -

# ادبیات

مستیِ چشمِ بتان ساغرِ سرشار نداشت
نشه نداشت ولے فتنهٔ بیدار نداشت

نامهٔ دوست که صد بار بخواندم آن را
ذوق‌ها داشت ولے لذتِ گفتار نداشت

گرچه در جلوه گہت موسیٔ عمران برسید
لیک آن نیز بخلوت گہ تو بار نداشت

این همه رد و قبولِ تو بکه بود؟ که دوش
حرفِ انکارِ تو ہم معنیٔ انکار نداشت

ذوق از زندگیٔ خویش چه برد؟ آن زاہد
آنکه خلوتکدهٔ داشت ولے یار نداشت

دل و دین باخته‌ات ماند بکویت حیران
مدعا داشت ولے از در و دیوار نداشت

رونقِ شہر دگر گشت چو یوسف آمد
پیش ازین مصر چنین کوچه و بازار نداشت

زاہدِ بیخبر از جلوهٔ زلف و قدِ دوست
بود منصور ولیکن رسن و دار نداشت

گوے از ما بہ ثباتِ قدمِ خویش ببرد
آنکه در کوچهٔ تو طاقتِ رفتار نداشت

واے بر دیدهٔ شوقم که ز مژگانِ نگاه
دامنے داشت در دولتِ دیدار نداشت

در بساطِ دلِ ما طرحِ دو عالم انداخت
عشق زان پیش که اندازهٔ پرکار نداشت

از دلِ ندوی و مژگانِ تو رازت آمیخت
ارتباطے که بہم آبله و خار نداشت

عبدالسلام ندوی

---

قدِ موزونِ تو یک سروِ بگلزار نداشت
شیوهٔ چشمِ تو یک نرگسِ بیمار نداشت

گرچه صد جام بکف لاله همی داشت بباغ
لیک چون چشمِ تو یک ساغرِ سرشار نداشت

نقشِ زیبات که شد مایهٔ تسکینِ دلم
شیوه‌ها داشت ولے شیوهٔ گفتار نداشت

پر شد آوازهٔ عشق من و تو گشت جهان — این نوا پیش ازین گنبد دوار نداشت
واعظ شهر کرد دی جلوه بمنبر میکرد — صد سخن داشت مگر یک هم ازانها بار نداشت
راز عشقم همه در کوچه و بازار افتاد — شکر صد شکر که دل پردهٔ پندار نداشت
هر که در صحبت یارے می گلرنگ نخورد — نقد فرصت بکفش بود و سر کار نداشت
شوق را بین که برد کار ز اندازه برون — جلوه میخواست ولے طاقت دیدار نداشت
تا نه سر زد ز من این غلغلهٔ عشق بدهر — حسن خودگرمی هنگامهٔ بازار نداشت
بسکه یک یک شمردم خم زلفش آسان — که شکن در شکن آن طرهٔ طرار نداشت
دوش آن ساقی سرمست بجامم می ریخت — آن مے تند که در میکده خمار نداشت
انجمن را چه دهم شرح چه برگ است و چه ساز — رونق کارکش امسال بود پار نداشت
حرفے از گفتهٔ آن شوخ بهم آمیخت مگر — نامه بر ورنه دلآویزی گفتار نداشت

حیف صد حیف که نیّر بسر منزل دوست
پائے میداشت ولے طاقت رفتار نداشت

ابوالحسنات ندوی

## مساوات فاروقی

امیر المومنین حضرت عمرؓ کے عہد مین اک دن — کیا دعوی ابیؓ نے آپ پر دارالعدالت مین
قضا کے منصب عالی پہ مامور ابن ثابتؓ تھے — انھون نے حاضری کا حکم بھیجا انکی خدمت مین
ہوے حاضر وہان تو زیدؓ نے تعظیم دی انکو — کہا حضرت عمرؓ نے یہ نہین جائز شریعت مین
(زید ابن ثابت)
خطا پہلے تمھاری تو یہی اے ابن ثابتؓ ہے — کہ غفلت عدل سے کی آ گئے رعب خلافت مین
یہ فرما کر ابیؓ کے پاس ہی وہ خود بھی جا بیٹھے — کہ داخل تھی مساوات آپکی عادت مین طینت مین

تمھارا دعوی بے دلیل انکا نہین انکار دعوی سے
قسم دین انکو یہ سوچا انھون نے ایسی صورت مین

ادب ملحوظ امیرالمومنین کا تھا جو قاضی کو
کہا ایسی نہ گستاخی کرو حضرت کی خدمت مین

جبین شان فاروقی پہ بل پڑنے لگے فوراً
کہا ای زید تم حق پر نہین ہو اس رعایت مین

قسم دینے نہین منکر کو اسکا تمکو حق کیا ہے
خطا یہ دوسری سرزد ہوئی تم سے عدالت مین

تمھاری ہے یہی حالت اگر بیجا حمایت کی
تو اس منصب کے تم قابل نہین ہو ایسی صورت مین

---

یہی وہ اسوۂ فاروق اعظم ہے کہ اک عالم
مثالین اسکی سن کر غرق ہے دریای حیرت مین

نظر ڈالو تعمق سے ذرا تاریخ عالم پر
نظیر اسکی نہین ملتی مساوات و عدالت مین

حامد حسین قادری بچھرایونی

## غزل

ایڈیٹر اخبار سعید کانپور

مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی

دل سے مین کہہ رہا ہون تجھ پہ ہوا فدا مین
دل مجھسے کہہ رہا ہے او بیخبر جلا مین

تڑپا دیا ہے دل کو شاباش ہم صفیرو
یونہین پھر اک صدا دو ٹوٹا قفس چلا مین

وہ زندگی کی خوشی جام جہان نما تھی
اک عمر کی کہانی دم بھر مین کہہ گیا مین

ویرانۂ قفس مین باتین کرون تو کس سے
پہلے سے سننے والے ہوتے تو بولتا مین

دل کی جراحتون کے مرہم کہان سے لاؤن
پھٹتا رہا وہ دامن جسکو سیا کیا مین

پھر اور کس طرح سے اجڑے مکان کو سمجھتا
قصر ابد مین آکر تصویر ہو گیا مین

انکی رضا پہ مرنا اک قسم زندگی تھی
اپنے دل حزین سے پھر کیون ہوا خفا مین

قبرون پہ مین نے پھینکا ثاقب دل و جگر کو
کچھ اور تھا نہ ممکن تحفہ چڑھا گیا مین

# مطبوعاتِ جدیدہ

**مسلمانانِ اندلس**، مشہور مغربی مصنف اسٹینلی لین پول کی کتاب "مورس ان اسپین" کا ترجمہ جناب مولانا سید عبدالغنی صاحب وارثی بہاری مرحوم سابق مددگار صدر محاسب ریاست حیدرآباد نے کیا تھا، اور حال میں مترجم مرحوم کے انتقال کے بعد مطبع الناظر لکھنؤ نے یہ کتاب شائع کی ہے۔

مصنف نے مغربی مذاق تصنیف کے مطابق اپنی کتاب کے ابتدائی ابواب میں اندلس کی قدیم تاریخ مسلمانوں کے داخلہ سے پہلی کی حکومت اور اسکے طریق حکومت سے بقدر ضرورت اعتنا کیا ہے، جس سے اسلامی فتوحات پر بھی کسیقدر روشنی پڑتی ہے، مسلمانانِ امرائے اندلس، اندلس کا بالکل خلافت سے تعلق وانقطاع اسکا اثر، دمشق کی خلافت کا بنو امیہ سے نکل کر بنو عباس کے قبضہ میں جانا، پھر اندلس کا استقلال حکومت، ان تمام بیانات میں مصنف نے ان تمام جزوی وکلی امور کا استقصا کیا ہے جس سے اندلس کی کل تاریخ بعد کی ترقیان اور انقلابات کا نقشہ آنکھون کے سامنے پھر جاتا ہے، ہر واقعہ کے اصلی اسباب وعلل پڑھنے والے کو بیک نظر معلوم ہوجاتے ہیں۔

مترجم مرحوم کی قدرت ترجمہ کا یہ کمال ہے کہ اس کتاب کو پڑھتے وقت ذرہ برابر اسکا احساس نہین ہوتا کہ کسی دوسری کتاب کا ترجمہ ہے، زبان کی سلاست وروانی، طرز ادا کی صفائی وبے تکلفی سے ترجمہ پر اصل کتاب کا دھوکا ہوتا ہے، چونکہ مترجم مرحوم انگریزی وعربی دونون زبانون سے اچھی طرح واقف تھے، اسلئے مقامات وادی دریا پہاڑ اور اسمائے رجال وغیرہ میں ویسی غلطیاں بھی نظر نہین آتیں جیسی عموماً اسلامی تاریخون کے نئے انگریزی خوان مترجمین کرتے ہیں، صفحہ ۲۰۰، قیمت عہ، پتہ: الناظر بک ایجنسی لکھنؤ،

**نتائج بعثت**، تحریر وتقریر دارالعلوم ندوہ کے طلبا کی عام خصوصیت ہے، اور وہ [illegible] ان بھی تو ہین اپنی خصوصیات کے نمونے پیش کرتے ہین، نتائج بعثت بھی ایک ندوی کی تحریری خصوصیت کا نتیجہ ہے،

۱۳۳۸ء مین مجلس میلاد النبی سکندر آباد نے علیگڈھ کالج، دار العلوم دیوبند، اسلامیہ کالج پشاور، مدرسہ عالیہ کلکتہ، سہارنپور، دہلی، اور ریاست حیدر آباد کے تمام مدارس اسلامیہ مین یہ عام اعلان بھیجا تھا کہ وہان کے طلبار نتائج بعثت پر مضامین لکھکر بھیجین جسکا مضمون بہترین ثابت ہوگا اسکو ایک طلائی تمغہ انعام دیا جائیگا، مولوی خواجہ ابو زبیر منظور احمد ندوی متعلم جامعہ الٰہیہ کانپور کی تحریر معیار امتحان پر پوری اتری اور وہ طلائی تمغہ انکو دیا گیا، وہ تحریر اب رسالہ کی صورت مین شائع کیگئی ہے، توحید، تکمیل اخلاق تمدن، مساوات، مذہبی بے تعصبی، حکومت جمہوری، اور عبادات وغیرہ اس بحث کے اجزا ہین جہانتک مباحث کا تعلق ہے یہ مضمون علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الکلام کو پیش نظر رکھکر لکھا گیا ہے اور اچھا لکھا گیا ہے تسلسل و ترتیب مناسب ہے، طرز بیان بھی بہت معقول ہے، لیکن زبان کی نسبت مضمون نگار سے کہنا ہے کہ وہ اس سے عمدہ اور سلجھی ہوئی بنانیکی کوشش کرین،

صفحہ ۶۰، تقطیع چھوٹی، قیمت ۶ر، منیجر مکتبۂ الٰہیہ کانپور،

**ہاروت ماروت** مولوی محب حسین صاحب محب نے اپنا ایک مسدس اس نام سے شائع کیا ہے جسمین مشہور قصہ ہاروت و ماروت کو اخلاقی حیثیت سے نظم کیا ہے، دنیا کی حالت، اہل دنیا کے اخلاق نفس انسانی کی خباثت وغیرہ کو دکھایا ہے، طرز بیان گو معمولی ہے لیکن جو کچھ بیان کیا گیا ہے صاف اور واضح ہے، بعض بعض جگہ بندشین بہت سست واقع ہوئی ہین، بلکہ بعض الفاظ بھی غلط استعمال کئے گئے ہین، مثلاً غرق (۳) و شرف (۶) حالانکہ بفتح را ہونا چاہیئے، اسی طرح فرش بچھا ہوا (۵) بہ تشدید غلط ہے،

صفحہ ۲۴، قیمت ۴ر، احاطہ موسیٰ خان بیگم بازار حیدر آباد دکن،

| عدد پانزدہم | ماہ مئی ۱۹۱۸ء مطابق شعبان ۱۳۳۶ھ | جلد سوم |
| --- | --- | --- |



## مضامین

# شذرات

مصائب جنگ کا ہندوستان کے غریب مطابع پر جو اثر پڑا وہ محتاج اعادہ نہین، کاغذ کا قحط، سامان طبع کی نایابی، کام کرنیوالون کی تعداد مین قلت، اور شرح اجرت مین اضافہ، ان سب دشواریون کا بار بار بیان ہوچکا ہے، دیکھنا یہ ہے کہ انگلستان کا متمول و باثروت پریس انکی زد سے کس حد تک محفوظ رہا؟ اسکا جواب اعداد ذیل دینگے:-

| سال | تعداد مطبوعات | سال | تعداد مطبوعات |
|---|---|---|---|
| سنہ ۱۹۱۳ء (سال قبل جنگ) | ۱۲۳۷۹ | سنہ ۱۹۱۴ء (سال آغاز جنگ) | ۱۱۵۳۷ |
| سنہ ۱۹۱۵ء | ۱۰۶۶۵ | سنہ ۱۹۱۶ء | ۹۱۴۹ |
| سنہ ۱۹۱۷ء | ۸۱۳۱ | سنہ ۱۹۱۸ء | ۷۷۱۶ |

جب انگلستان کا پریس بہ این تمول و ثروت اسقدر متاثر ہوا تو ظاہر ہے کہ ہندوستان کے نادار و قلیل البضاعت اہل مطابع کو جسقدر بھی دشواریان پیش آئی ہون بجا ہین،

---

پروفیسر لارکن، ڈائرکٹر رصدگاہ کالیفورنیا نے حال مین ایک امریکن پرچہ مین ایک دلچسپ و پرمعلومات مضمون حالات آفتاب سے متعلق شایع کیا ہے جو نیوانڈیا کی وساطت سے ہندوستان پہنچا ہے، پروفیسر موصوف لکھتے ہین کہ آفتاب جسکا قطر ۸ لاکھ ۶۶ ہزار میل ہے، دیگر اجرام فلکی کے مقابلہ مین بہت ہی چھوٹا کرہ ہے، تاہم اسکی جسامت کرۂ ارض کی نسبت سے ۱۳ لاکھ ۱۰ ہزار گنی زیادہ ہے، اور اسکی موجودات مادی بمقابلہ زمین کے

حالانکہ ۳۳ ہزار ۲۴ درجہ زیادہ ہے، آفتاب کی عمر کا آفتاب اب ڈھل چکا ہے، یعنی اسکی حیات طبعی کا بڑا زمانہ ختم ہو چکا ہے، اور اب اسکے انحطاط کا دور ہے ،

---

موجودہ لفٹننٹ گورنر کے عہد حکومت مین ہمارا صوبہ متحدہ تعلیمی حیثیت سے غیر معمولی ترقی کر رہا ہے، متعدد جدید کالجون اور یونیورسٹیون کا نظام تیار ہو رہا ہے، سب سے بڑھکر یہ کہ گورنمنٹ تعلیم کی مد مین شاہانہ فیاضیون کا اظہار کر رہی ہے، چنانچہ سنہ ۱۹۲۰-۲۱ء کے تازہ بجٹ مین ۴۴ لاکھ کا اضافہ منظور کیا گیا ہے جس سے تعلیمی بجٹ کی میزان ایک کرور چھ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے، اس توجہ والتفات کے لئے ہر شخص ممنون ہوگا، لیکن سوال یہ ہے کہ اس تعلیمی بجٹ کو متمدن ممالک کے تعلیمی بجٹ سے کیا نسبت ہے؟

انگلستان و ویلز کی مجموعی آبادی صوبہ متحدہ کی آبادی سے بقدر ایک کرور کے کم ہے، اس لحاظ سے وہان کا تعلیمی بجٹ ۷۰-۵۰ لاکھ کا ہونا چاہیئے تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ سنہ ۱۵ء مین وہان کا تعلیمی بجٹ ۲۲ کرور کا تھا! اور رعایا کو اسپر بھی تسکین نہوئی، اخبارات نے سخت شور و غل برپا کیا، چنانچہ گذشتہ اگست مین جدید قانون تعلیم کا نفاذ ہوا، جس نے مصارف تعلیم پر کافی اضافہ منظور کیا!

اپنی پست قامتی کا احساس کرنا ہے تو کسی دیوہیکل کے پہلو مین کھڑے ہوجانا چاہیئے۔

---

آغاز جنگ کے وقت جو لوگ مطابع اور انکے دفاتر سے تعلق رکھتے تھے، انکی مجموعی تعداد انگلستان مین دس ہزار تھی، ان مین سے پورے پانچ ہزار فوج مین داخل ہوگئے، خاتمۂ جنگ پر ان مین سے جو اشخاص صحیح و سالم کام کرنیکے قابل واپس آئے، انکی تعداد تیس سے بھی کچھ کم نکلی! پریس سے زیادہ آبادی انگلستان کے کسی حصہ نے جنگ مین انہماک، ایثار و سرفروشی کا عملی ثبوت نہین دیا۔

---

ہندوستان مین سالانہ جلسے اب صرف قومی وسیاسی مجالس ہی کے نہین ہوتے بلکہ چند سال سے مختلف علمی انجمنین بھی اپنے سالانہ اجلاس کرنے لگی ہین، اس قسم کی مجالس مین سب سے ممتاز انڈین سائنس کانگرس ہے جسکا اجلاس گذشتہ جنوری مین مشہور ڈاکٹر و مکتشف سر پیونا رڈ راجرس کی زیر صدارت بمبئی مین منعقد ہوا، اور علم الحیات، طبعیات، ہیئت، زراعت وغیرہ کے متعدد مسائل پر محققانہ بحث ہوئی، اسی زمانہ مین انڈین میتھیمٹکل سوسائٹی (انجمن ریاضیات ہند) کا دوسرا سالانہ اجلاس بھی بمبئی مین منعقد ہوا، اور ریاضیات سے متعلق دلچسپ مباحث درپیش رہے، انکے علاوہ بمبئی مین اکانومک کانفرنس (انجمن اقتصادیات) اور کلکتہ مین انجنیرز کانفرنس کے اجلاسات ہوئے۔ ان مین سے ہر انجمن اپنے اپنے دائرہ مین مفید و قابل قدر خدمات انجام دے رہی ہے، اور یہ دیکھکر خاص طور پر مسرت ہوتی ہے کہ ان علمی کارگذاریون مین یورپین علماء کے دوش بدوش، بنگالی، مرہٹہ و پارسی فضلاء بھی سرگرم عمل نظر آتے ہین، ہم اپنے ہموطنون کو اس ترقی پر مبارکباد دیتے ہین، لیکن ہماری مسرت یقیناً بہت زاید ہوتی اگر خادمان علم وفن کی اس طویل فہرست مین مسلمانون کے دو ایک نام بھی موجود ہوتے:

---

کانفرنسون اور انجمنون کے سلسلہ مین میوزک کانفرنس (انجمن موسیقی) بھی قابل تذکرہ ہے اسکے انعقاد کی ابتدائی تحریک ملک کے مشہور روشن خیال و علم دوست رئیس ہز ہائنس گیکوار بڑودہ نے کی، چنانچہ سنہ ۱۶ء مین انہین کی زیر صدارت و سرپرستی اسکا پہلا اجلاس ہوا، دوسرا اجلاس چند ماہ ہوئے دہلی مین زیر صدارت نواب صاحب رامپور منعقد ہوا، اور آیندہ اجلاس کے لئے بنارس کا مقام تجویز ہوا ہے موسیقی درحقیقت ریاضی و فلسفہ کے ہم مرتبہ ایک نہایت اعلیٰ فن تھا، ہندو حکماء کے نزدیک یہ فن خود برہما (خالق کائنات) سے نکلا ہے، اور عبادت کی بہترین صورت ہے یونانی فلاسفہ انسانی نغمہ کو صوت سرمدی کا عکس قرار دیتے تھے، مسلمانون مین اکثر صوفیائے کرام اسے وسیلۂ عرفان سمجھتے ہین،

اور بعض حکماے اسلام (مثلاً فارابی) تو اس فن کے امام ہوئے ہین، غرض موسیقی کی عظمت واہمیت ہر متمدن قوم کو مسلم ہے، لیکن ہندوستان مین ایک عرصے سے یہ فن جس گروہ کے ہاتھ مین ہے، اس نے اسکی ساری عظمت کو خاک مین ملا دیا ہے؛

مے گر بدنام کند اہل خرد را غلط است

بلکہ مے میشود از صحبت نادان بدنام

کاش اس کانفرنس کے ذریعہ سے اس طائفہ ضالہ کی جلد اصلاح ہو اور یہ فن لطیف اپنا گذشتہ وقار از سر نو حاصل کرے۔

---

دولت و ثروت کل دنیا کی طرح یورپ مین بھی سنجیدہ مصنفین کے نصیب مین نہین، علم و ادب کے بہترین خدمتگذارون نے اکثر وہان بھی تنگدستی بلکہ فقر و فاقہ مین بسر کی ہے، لیکن عموماً افسانہ نویس اس کلیہ سے مستثنیٰ رہے ہین، اور ان مستثنیات مین سب سے زیادہ حیرت انگیز مثال فرانس کے نامور ناول نگار ڈوماکی ہے، اُسکے ناول اسقدر مقبول ہوئے کہ رفتہ رفتہ وہ ایک نہایت متمول رئیس ہو گیا، ثروت و تمول کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سونے کی رکابیون مین کھانا کھاتا تھا، اور دسترخوان اسقدر وسیع ہوتا تھا کہ اتنا کسی بڑے رئیس کا بھی مشکل ہوتا ہوگا، لیکن اس "دولت قارون" کے ساتھ ہی "ہمت حاتم" بھی حصہ مین آئی تھی، ساری آمدنی احباب کے ساتھ حسن سلوک کے لئے وقف تھی، یہانتک کہ ظروف طلائی جنمین احباب کو کھانا کھلاتا تھا، اکثر انہین کی نذر کر دیتا تھا۔

ہندوستان کے مصنفین کے لئے یہ واقعات "داستان طلسم ہوشربا" سے زیادہ اہمیت نہین رکھتے۔

---

پیرس کی مشہور علمی اکاڈمی نے سنہ کے لئے متعدد علمی وظائف کا اعلان کیا ہے جنمین سے اکثر کیلئے کسی ملک و قوم کی تخصیص نہین، اور عنوانات اس کثرت سے رکھے ہین کہ سائنس کا شاید ہی کوئی شعبہ

تی رہ گیا ہو، ریاضی، ہیئت، جغرافیہ، طبعیات، تشریح، طب، کیمیا، حیاتیات، ارضیات، وغیرہ سب
مضامین قابل صلہ ہو سکتے ہین، طبعیات مین پہلا وظیفہ دس ہزار فرنک (چھ ہزار روپیہ) اس شخص کیلئے ہے
جو اس سال مین اس فن پر بہترین کتاب لکھے، ایک ہزار فرنک (چھ سو روپیہ) کا وظیفہ اسکے لئے ہے
جو برقیات پر بہترین مضمون لکھے، ڈھائی ہزار فرنک (ڈیڑھ ہزار روپیہ) کا وظیفہ اس شخص کے لئے جو مقناطیس
و علم البرق سے متعلق کوئی اجتہاد کرے، اور اسیقدر رقم اس باشندۂ فرانس کے لئے ہے جو برقیات مین کسی
خاص کمال یا شغف کا ثبوت دے،

جس قوم مین علمی قدرشناسی و حوصلہ افزائی کے یہ طریقے رائج ہون، اگر وہ حیرت انگیز ترقی کرے
توحیرت نہ کرنا چاہیئے۔

---

ہندوستان مین اسوقت قدیم ہندی علوم کے سب سے بڑے محقق پونہ کے ڈاکٹر بھنڈارکر ہین جنکا فضل و تبحر
یورپ کے بڑے سے بڑے مستشرق کو بھی مسلّم ہے، انکے زیر اہتمام انکے قائم کردہ ریسرچ انسٹیٹیوٹ مین قدیم معرکۃ الآرا
کتاب مہابھارت، تصحیح و تحشیہ کے ساتھ ازسرنو شایع ہونیوالی ہے، اس کام مین کئی سال لگین گے، اور
ہزارون روپیہ کا صرف ہوگا، صوبہ بمبئی کے ایک ہندو رئیس نے نصف مصارف اپنے ذمہ لئے ہین،
امید ہے کہ بقیہ نصف کی کفالت بھی ملک جلد سے جلد کریگا۔

---

ہندوستان مین حکومت تعلیم پر جو خرچ کرتی ہے اسکا سالانہ اوسط فی کس سات آنہ پڑتا ہے،
ہم اسکے مقابلہ مین امریکہ کی نظیر نہین پیش کرتے، جہان فی کس سالانہ اوسط مصارف ۴۷ شلنگ (بارہ روپیہ) ہے
بلکہ ہندوستان ہی کی ایک ریاست کا نام لیتے ہین جہان اوسط مصارف نو آنہ فی کس ہے، افسوس ہے کہ
یہ کوئی اسلامی ریاست نہین بلکہ مغرب کی مرہٹی ریاست بڑودہ ہے۔

# مقالات

## مساجد اور غیر مسلم

افادۂ فاضل ہمام مولانا ابو الکلام

### مسجدون کی مجالس مین مسلمانون کی اجازت سے ہندؤون کا شریک ہونا شرعاً جائز ہی

---

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ ۔ بعض اخبارات نے مسلمانان دہلی و کلکتہ کے اس طرز عمل کو شرعاً ناجائز قرار دیا ہی کہ مسجدون کی مجالس مین ہندؤون کو بھی شریک کیا گیا، اور تقریر کرنے کی اجازت دی گئی ۔ دہلی کے مسلمان سب سے زیادہ نشانۂ ملامت ہین کہ اُنھون نے سوامی شردھانند سے جامع مسجد مین تقریر کرائی ۔ اِن اخبارات نے اِس فعل کو نہ صرف ناجائز بتلایا ہے، بلکہ ایک سخت فتنہ و بدعت سے تعبیر کیا ہے اور لکھا ہے کہ مساجد کی توہین کی گئی، اور اسلامی عبادت گاہ کے احترام کا کچھ لحاظ نہین کیا گیا، وغیر ذلک ۔

جن صاحبون نے یہ خیالات ظاہر کیے ہین، انھون نے اس مقصد کے لیے بڑی بڑی تمہیدین اُٹھائی ہین، اور شاندار عنوانات اختیار کیے ہین، مثلاً "مسلمانون کو ہر حال مین چاہیے کہ احکام شرعیہ کو مقدم رکھین اور جوش اتحاد مین ایسے بیخود نہو جائین کہ احکام شرعیہ سے بے پرواہ ہو جائین"، اِن شاندار و اعظانہ تمہیدون کو دیکھکر خیال ہوتا ہے کہ شاید مسلمانان دہلی و کلکتہ نے کوئی بڑی ہی خلاف ورزی احکام شرعیہ کی کی ہے، اور اب اسپر ماتم کیا جا رہا ہے ۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہی ۔ اِس دور فتن و بدعات مین اگر مسلمانون کی کسی جماعت نے کوئی بہتر سے بہتر کام کیا ہی تو وہ یہی ایک کام ہی کہ مقاصد صالحہ سے مسجدون مین مجالس منعقد کین، اور اپنے غیر مذہب ہمسایون اور حلیفون یعنی ہندؤون کو بھی اُسی مقصد سے ان مین شریک کیا، جس مقصد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر مذہب کے صلح پسندون اور دوستون کو مسجد مین بلاتے اور ٹھہراتے تھے، اِفتا بغیر علم

کی اس سے بڑھکر اور کیا مثال ہوسکتی ہے کہ جو فعل مستحسن اور ہدیِ نبوۃ سے ماخوذ ہے، اس کو بدعۃ قرار دیا جا رہا ہے، اور طرح طرح کی بدعتین علانیہ مسجدون مین ہو رہی ہین، مثلاً انعقاد مواسم و محافل بدعیہ ورفع الصوت وبیع وشرا فی المسجد، وہجوم سائلین، و سائلین وجرح فی الجماعۃ، وسکونۃ فساق وتارکین صلوۃ، وصلاتان معاً، وغیر ذلک، ان کو کوئی نہین روکتا، بلکہ بہت سے مدعیان علم ہین جو انکو عین سنۃ سمجھ رہے ہین، احکام شرعیہ کی تقدیم و پابندی تو عین مطلوب و مقصود ہے لیکن اسکے دعظ کا استعمال صحیح موقعہ پر ہونا چاہیے، ان حضرات کو سب سے پہلے اپنی نسبت فیصلہ کرلینا تھا کہ کہین وہ خود تو حدود شرع سے متجاوز نہین ہو رہے ہین؟ شریعۃ کی پابندی کے معنی صرف یہی ہین کہ شریعۃ کی پابندی یتحکم بالظنّ والرائی اور "اعجاب کل ذی رای برایہ" کا نام شریعت نہین ہے، فَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمْ هٰذَا حَلَالٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ

خود اصل واقعہ بھی غلط سمجھا گیا ہے، جامع مسجد کے جلسے کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ سوامی شردھانند نے ممبر پہ کھڑے ہو کر تقریر کی، اور ممبر کو لوگون نے ممبر جمعہ سمجھ لیا، جو مسجدون کے ہال مین ہوتا ہے۔ حالانکہ ممبر سے مقصود مکبر کا چبوترہ ہے، جو صحن مسجد مین ہے اور اسپر ممبر مصطلحۂ مساجد کا اطلاق کسی طرح درست نہین۔ یہ چبوترہ بڑی بڑی مسجدون مین بنا دیا جاتا ہے تاکہ تکبیرات انتقال کو ایک بلند مقام سے دہرایا جا سکے۔ پھر اگر اس چبوترہ پر ایک غیر مسلم دوست نے مسلمانون کی اجازت سے کھڑے ہو کر تقریر کی تو اس مین شرعاً کیا قباحت لازم آئی؟ ومن ادعی خلافہ فعلیہ البیان۔

رہا اصل مسئلہ یعنی غیر مسلمون کا مسجدون مین داخل ہونا، تو معترضین کو معلوم ہونا چاہیے کہ نہ صرف داخل ہی ہونا جائز ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ کہ اگر مصالح مقتضی ہون تو انکو مسجد مین عارضی طور پر بطور مہمان کے ٹھہرانا بھی جائز ہے۔ اور مسلمانون کا جو امام یا مسلمانون کی جو جماعت رعایت مصالح اُخریٰ کے ساتھ ایسا کرتی ہے وہ ٹھیک اُس اسوۂ حسنہ کی پیروی کرتی ہے، جو صاحب شریعۃ صلعم نے امت کو دکھلایا ہے، فخیر الھدی ھدی محمد وشر الامور محدثاتھا۔

(۱)

آنحضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر مجالس اور صحبتین مسجد نبوی ہی مین منعقد ہوتی تھین، بسا اوقات غیر مسلم آتے تھے، اور بلا کسی روک ٹوک کے اُن صحبتون مین شریک ہوتے تھے، آنحضرۃ صلے اللہ علیہ وسلم کا حجرۂ مبارک مسجد سے متصل تھا، جو لوگ آپکی خدمت مین حاضر ہوتے تھے انکو بعض اوقات مسجد ہی مین آپکا انتظار کرنا پڑتا تھا، اوران لوگون مین غیر مسلم بھی ہوتے تھے، یہ امور ضمناً متعدد روایات سے مستنبط ہوتے ہین، آپکے بعض یہودی قرضدارون نے مسجد مین آکر تقاضا کیا ہے، اور آپنے اپنے حلم وخلق کی وجہ سے اُنکے حق طلب وتقاضا کو تسلیم فرمایا ہے، غیر مسلم اقوام سے پولیٹکل علایق، سفرا کا ایاب وذہاب، معاہدہ مواثیق کی مجالس شوریٰ عرائض وشکایات مسلمین وغیر مسلمین، یہود مدینہ اورمشرکین اطراف وجوانب سے پولیٹکل تعلقات کی گفت وشنید، یہ اور اسی طرح کے تمام معاملات مسجد نبوی ہی مین طے پاتے تھے. خود مسلمانون کو آپنے مسجد کے متعلق متعدد معاملات مین تنبیہ فرمائی اور اُنہی سے احکام احترام وحقوق مسجد مستنبط ہوئے، مثلاً منع اکل بصل وثوم، ومنع انشاد ضالہ، ومنع بیع وشرا، وغیر ذلک، مگر ایک واقعہ بھی ایسا موجود نہین جس سے ثابت کیا جاسکے، کہ آپ نے کسی غیر مسلم کو صرف اس بنا پر مسجد مین داخل ہونے سے روک دیا ہو کہ وہ مسلمان نہین ہے. آپکے زمانہ مین اور آپ کے بعد خلیفۂ دوم تک تمام سرکاری عمارتون کا کام مسجد نبوی ہی دیتی تھی، اور غیر مسلم اقوام وقبائل کے جسقدر وفد (ڈیپوٹیشن) اور سفرا آتے تھے وہ یا تو مسجد مین ٹھرائے جاتے تھے، یا شہر کے مسلمانون کے ہان. تاریخ اسلام مین سب سے پہلے حضرۃ عمر رضی اللہ عنہ نے سرکاری مہانسرا بنائی جیسا کہ مقریزی اور عسکری نے لکھا ہے، اور ابن حبان نے کتاب الثقات مین تصریح کی ہے کہ مدینہ کی مہانسرا ۱۷ سنہ ہجری مین حضرۃ عمرؓ کے حکم سے تعمیر ہوئی،

(۲)

ازانجملہ وفد نجران کا واقعہ ہے جو صحاح وسیرۃ مین بہ تفصیل موجود ہے اور جسکی نسبت سورۂ آل عمران

کی آیات مباہلہ واحتجاج اہل کتاب بالاتفاق نازل ہوئین، نجران (یمن) مین عیسائی آباد تھے، اسلام کا پیام دعوۃ پہنچا تو آمد ورفت شروع کی، دوسری مرتبہ ان کا وفد آیا تو اتوار کا دن تھا، اور شام قریب تھی، مسجد نبوی مین پہنچے تو انھون نے چاہا کہ پہلے اپنی نماز ادا کرلین، بعض مسلمانون پر یہ بات ناگوار گزری کہ اسلام کی عبادت گاہ مین عیسائیون کو مسیحی عبادۃ کی اجازت کیون دیجائے؟ انھون نے روکنا چاہا، لیکن آنحضرۃ صلعم نے فرمایا مت روکو، نماز پڑھنے دو، چنانچہ وفد کے تمام عیسائیون نے پورب کی طرف منھ کرکے نماز پڑھی۔ زاد المعاد مین ہے: "لما قدم وفد نجران علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخلوا علیہ مسجدہ بعد العصر فحانت صلاتھم فقاموا یصلون فی مسجدہ فاراد الناس منعھم فقال رسول اللہ دعوھم فاستقبلوا المشرق فصلوا صلاتھم" اھ

اس واقعہ سے کئی باتین ثابت ہوئین: اولاً یہ کہ غیرمسلم مسجد مین بلائے جاسکتے ہین۔ نجران کے وفد کے ارکان رومن کیتھولک عیسائی تھے، مگر آنحضرت نے انکو مسجد مین داخل ہونے سے نہین روکا،

ثانیاً اگر کوئی غیرمسلم مسلمانون کی مسجد مین اپنے طریق پر اللہ کی عبادت کرنا چاہے اور کوئی فعل محسوس ومشہود بت پرستی کا یا خلاف احترام مسجد نہ کرے، تو شرعاً اسکو نہین روکنا چاہئے، الا یہ کہ اُس سے کسی فساد ومضرۃ یا عادۃ والتزام یا قبضۂ وتمکین کا اندیشہ ہو، مسجد خدا کی عبادت کے لیے ہے، پس اس کا ہر بندہ عبادت کرسکتا ہے لیکن شرک عبادۃ نہین ہے، عبادت کی ضد ہے: اسلیے شرک و بت پرستی کی اجازت عبادت گاہ مین نہین دی جاسکتی، مسیحی نماز کے تین رکن ہین۔ تلاوۃ، سجدہ، دعا، پس انھون نے اپنے طریق پر یہی کیا ہوگا۔

ثالثاً روایات سے ثابت ہے کہ اس وفد مین ساٹھ آدمی تھے، ساٹھ آدمیون کی جماعت اچھی خاصی جماعت ہے، نماز پڑھی ہوگی تو بہت نمایان حالت ہوگی، کچھ یہ بات نہ تھی کہ ایک دو آدمیون نے کسی

گوشے مین چپکے سے کوئی کام کیا اور چلدیے، بااین ہمہ آپ نے اجازت دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ معاملہ پنی نمایان اور ممتاز شکل مین بھی احترام مسجد کے خلاف نہ تھا، ورنہ آپ ضرور روکتے؛ اور ظاہر ہے کہ خلاف کیون ہوتا، اسلام قیام عبادت کے لیے آیا تھا، نہ کہ منع عبادت کے لیے۔ یہود و نصاریٰ پر سب سے بڑا الزام تو اُس نے یہی لگایا کہ رسمی عبادت کرتے ہین، مگر وہ شے جسکا نام "قیام عبادت" ہے مفقود ہوگئی ہے، حافظ ابن قیمؒ نے اپنی عادت کے مطابق اس واقعہ کے فقہ پر بھی بحث کی ہے،

" ففیہا جواز دخول اهل الکتاب مساجد المسلمین وفیہا تمکین اهل الکتاب من صلاتهم بحضرة المسلمین وفی مساجدهم ایضًا اذا کان عارضًا ولا یمکنوا من اعتیاد ذلک " (جلد دوم صفحہ ۲۹ مطبوعہ مصر)

رابعاً اس واقعہ سے اُن مسلمانون کو عبرت پکڑنی چاہیے جو چند جزئی اختلافات کی بنا پر خود مسلمانون کو اپنی مسجدون مین آنے سے روکتے ہین اسکے لیے مقدمہ بازیان کرتے ہین، اور ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ الخ کی وعید مین داخل ہوتے ہین، اعاذ اللہ تعالیٰ منہ،

(۳)

اگر یہ کہا جائے کہ اس واقعہ سے صرف اہل کتاب کے لیے جواز ثابت ہوتا ہے نہ کہ غیر اہل کتاب غیر مسلمون کے لیے، تو یہ بھی صحیح نہین، فتح مکہ کے بعد جب قبیلہ ثقیف کا وفد آیا تو آنحضرت صلعم نے ان کو نہ صرف مسجد مین آنے دیا، بلکہ بہ حیثیت مہمان کے مسجد مین ٹھرایا، اور چند گھنٹون کی شرکت مجالس اور کئی دن کے متصل قیام مین جو فرق ہے وہ ظاہر ہے، اس وقت بھی بعض لوگون کو اسی طرح شبہہ ہوا تھا جو آج لوگون کو ہو رہا ہے، اور دنیا مین سمجھ کی طرح ناسمجھی کا ظہور بھی ہمیشہ یکسان رہا ہے۔ بعض مسلمانون نے اعتراض کیا "اتنزلهم فی المسجد وهم مشرکون"؟ آپ ان کو مسجد مین ٹھراتے ہین، حالانکہ وہ مشرک ہین؟ فرمایا "ان الارض لا تنجس" زمین انسانون کے مس و قیام سے ناپاک نہین ہوجاتی اور مسجد زمین

وہلکان کے ایک مخصوص ٹکرے ہی کا نام ہے، یعنی نجاست دل کی نجاست اور گندگی اعتقاد کی گندگی ہی، ابوداؤ
اور امام احمد نے عثمان بن ابی العاص سے (جو خود شریک وفد تھے) روایت کیا ہے: "ان وفد ثقیف
لما قدموا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم انزلھم فی المسجد لیکون ارق لقلوبھم" اسی روایت
کو بہ تغیر بعض الفاظ طبرانی نے بھی اوسط مین لیا ہے، اور ابو داؤد نے بروایت حسن مرسلاً اسپر اسقدر
زیادہ کی ہے" ان وفد ثقیف اتوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فضرب قبة فی المسجد لینظروا
الی صلوة المسلمین فقیل لہ یا رسول اللہ انزلھم فی المسجد وھم مشرکون؟ فقال ان الارض
لا ینجس انما ینجس ابن آدم"، چونکہ صاحب ہدایہ نے اس واقعہ سے جواز دخول پر استدلال کیا ہے اسلیے
اسکی تخریج مین زیلعی نے تمام طرق حدیث جمع کر دیے، اسوقت میرے پاس نہ نصب الرایہ ہے اور نہ حافظ عسقلانی
کی درایہ، لیکن اگر میرا حافظہ غلطی نہین کرتا تو عطیہ بن سفیان کی روایت مین ہے کہ: "قدم وفد ثقیف
فی رمضان فضرب لھم قبة فی المسجد" (وکما قال) یعنی یہ وفد رمضان مین آیا تھا، پس انکے قیام
کے لیے آنحضرت صلعم نے ایک خیمہ مسجد نبوی مین نصب کرا دیا۔

اس واقعہ مین متعدد امور قابل غور ہین،

اولاً جب یہ وفد آیا تو مغیرہ بن شعبہ نے آنحضرتؐ سے درخواست کی کہ مجھے انکے ٹھرانے اور
خدمت کرنے کا موقع دیا جاے، آپ نے فرمایا انکی خدمت و تکریم سے نہین روکتا لیکن ایسی جگہ ٹھراؤ جہان
سے وہ قرآن سن سکین، فقال لا امنعک ان تکرم قومک ولکن انزلھم حیث یسمعون القرآن"، (زاد المعاد)
اس سے معلوم ہوا کہ انکو مسجد مین ٹھرانا کسی مجبوری و عذر کی بنا پر نہ تھا بلکہ قصداً ٹھرایا گیا، اور اسکی ایک خاص
علت تھی، یعنی سماع قرآن و نظارۂ صلوة کما سیاتی بیانہ۔

ثانیاً، یہ وفد فتح مکہ کے بعد ۹ھ ہجری مین آیا ہے، اور یہ وہ وقت ہے کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ
وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا کا پورا پورا ظہور ہو چکا ہے، پس یہ وقت

غلبہ وشوکت کا تھا، اور خود وفد عاجزانہ و مفتوحانہ آیا تھا، یہ بات نہ تھی کہ عجز و درماندگی کی وجہ سے بہ نظر تالیف قلب و اعزاز وتکریم مخالفت انکو ٹھرایا ہو،

ثالثاً معلوم ہے کہ اس وفد کے تمام ارکان مشرک تھے، اور مشرک بھی کیسے؟ اشد شدید، اور بغض اسلام و صاحب اسلام اور تصلب فی الشرک والجاہلیۃ مین مشہور و معروف، اس وفد کا سردار ابن عبد یالیل تھا، اس شخص کا یہ حال ہے کہ ابوطالب کے انتقال کے بعد جب قریش مکہ کا ظلم وجور اس حد تک پہنچگیا کہ آنحضرتؐ کے لیے مکہ مین رہنا بھی دشوار ہوگیا، تو اپ نے طایف کا سفر کیا کہ شاید باہر کے قبائل حق کا ساتھ دین، لیکن جب قبیلہ ثقیف کی بستی مین پہنچے تو اسی عبد یالیل اور اسکے دونون بھائیون نے آپکے ساتھ یہ سلوک کیا کہ طایف مین دم لینے کی مہلت نہ دی، دعوۃ حق کا یہ جواب ملا کہ "اماوجد اللہ احداً یرسلہ غیرک" ؟ کیا خدا کو تمہارے سوا اور کوئی آدمی نہ ملا جسکو پیغمبر بنا کر بھیجتا؟ جب آپ واپس ہوئے تو بستی کے لڑکون اور غلامون کو آپکے پیچھے لگا دیا کہ تضحیک وتحقیر کرین، اُنھون نے آپ پر کیچڑ پھینکا، اُس جسم مقدس کو جسکے بقا پر تمام کرۂ ارضی کی سعادت و ہدایت کی بقا موقوف تھی، پتھرون کی بوچھار سے زخمی کردیا، پیشانی مبارک کا خون بہ کر پاے مبارک کو رنگین کر رہا تھا، اور یہ دعا ورد زبان تھی "اللھم الیک اشکو ضعف قوتی وقلۃ حیلتی وھوانی علی الناس یا ارحم الراحمین!" یعنی

بجرم عشق توام می کشند غوغائیست ۔۔۔ تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

اس کے بعد جنگ ہوازن وثقیف کے جو واقعات پیش آئے، کتب سیرۃ کے مطالعہ کرنے والون سے مخفی نہین، جنگ ہوازن کے بعد عروہ بن مسعود ثقفی مدینہ آیا، اور مشرف بہ اسلام ہوا، مسلمان ہونے کے بعد تبلیغ حق کے عشق نے چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ آنحضرتؐ روکتے رہے اور وہ اپنی قوم کی محبت کے اعتماد پر طائف واپس گیا، اور دعوۃ اسلام شروع کردی، لیکن ثقیف نے اسکے ساتھ یہ سلوک کیا کہ ایک دن عین حالت نماز مین شہید کردیا۔ یہ حال تو اسلام اور اہل اسلام کی عداوت کا تھا، شرک

وجاہلیۃ کے جمود وتصلب کا یہ حال تھا کہ جب فتح مکہ کے بعد یہ وفد مدینہ آیا اور مسجد کے قیام، کلام الٰہی کی سماعت جماعۃ صلوٰۃ کے نظارہ، اور آنحضرۃ کے خلق عظیم کے اسلوٗ محبت سے مسخر ہوکر اسلام لانے کے لیے آمادہ ہوگیا تو گو اسلام کی صداقت کا اعتراف تھا، لیکن پھر بھی بت پرستی اور جاہلیۃ کا کانٹا دل سے نہین نکلتا تھا، چاہتے تھے کہ اپنی شرطین منوا کر مسلمان ہون، پہلے کہا کہ نماز کی پابندی سے ہمکو مستثنےٰ کر دیجیے، فرمایا "لاخیر فی دین لیس فیہ رکوع" وہ دین ہی کیا جسمین خدا کے سامنے جھکنے والی پیشانی نہو! پھر کہا اچھا زنا کے بغیر تو چارہ نہین، ہماری قوم کے لوگ اکثر سفر مین رہتے ہین۔ فرمایا انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا، پھر کہا سود چھوڑنا تو مشکل ہی، شراب تو ہماری غذا ہے، فرمایا "اتقواللہ وذروا مابقی من الربا! ورجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ" جب ان ساری شرطون مین سے کوئی نہ چلی تو آخر مین کہا کہ اچھا ساری باتین منظور مگر ربّہ کو تو ہم اپنے ہاتھون سے نہین ڈھا سکتے، ربّہ یعنی دیبی، رب کا مونث، اس بات کو آنحضرۃ نے منظور کرلیا، اور خالد بن ولید کو چند صحابہ کے ساتھ بھیجا کہ طائف کی دیبی کو منہدم کردین، حضرۃ خالد نے مندر کی زمین تک کھود ڈالی، مگر یہ لوگ یہی کہتے رہے کہ دیبی کی بے حرمتی کا وبال آئے گا،

ان واقعات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ لوگ سخت بت پرست اور اسلام کی عداوت مین کس درجہ سنگدل تھے؛ بااین ہمہ آنحضرۃ نے انکو مسجد مین ٹھرایا، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ جس قلعۂ طائف کو مسلمانون کی منجنیق چالیس دن تک سنگ باری کرکے بھی فتح نہ کرسکی، اُسکے بسنے والون کے دلون کو آنحضرۃ صلعم کے خلق عظیم، اسلام کی مسامحت، مسجد کے قیام، اور اسلامی عبادت کے نظارہ نے چند گھنٹون کے اندر فتح کرلیا، لوہے کی تلوار کو سپر پر روکا جاسکتا ہے، لیکن محبت کی تلوار کے لیے کوئی سپر نہین۔

درس وفا اگر بود زمزمۂ محبتے ۔۔۔ جمعہ بہ مکتب آورد طفل گریز پاے را

---

مسلم مین بروایۃ حضرت عائشۃ ؓ ہے کہ انھون نے آنحضرۃ صلعم سے پوچھا ھل اتی علیک یوم، کان اشد من یوم اُحد؟ "جنگ احد والے دن سے بھی بڑھکر کوئی مصیبت وشدت کا دن آپ پر آیا ہے"

فرمایا "ان یوم العقبہ اذ عرضت نفسی علی ابن عبد یالیل بن عبد کلال فلم یجبنی الی ما اردت"
"وہ دن جب مین طایف گیا اور اعانت وقبول حق کی امید سے اپنی دعوۃ ابن عبد یالیل کے سامنے
پیش کی اور اُسنے میری کچھ پرواہ نہ کی، وہ دن اُحد کے دن سے بھی میرے لیے اشد تھا۔ تن تنہا
بے یار و مددگار طائف کی گھاٹیون مین پھر رہا تھا، اور ایک انسان بھی نہ تھا جو مجھ پر ہمدردی اور ترس
کی نظر ڈالتا، آپ کے اس ارشاد سے اندازہ کرو کہ ثقیف نے آپکے ساتھ کیسا ظالمانہ و وحشیانہ سلوک
کیا تھا، کہ اپنی ساری زندگی کے اُن مصائب عظیمہ مین جو دعوۃ الی الحق کی راہ مین پیش آئے، طائف
کی گھاٹیون والی مصیبت کو اشد فرمایا، اسی روایت مین ہے کہ باوجود ان تمام مظالم وشدائد کے
آپنے فرمایا تھا "ارجوان یخرج اللہ من اصلابہم من یعبد اللہ وحدہ لا یشرک بہ شیئاً"
اس پر بھی مین اُن لوگون کے لیے بددعا نہین کرون گا۔ مین نے صداے حق کا بیج ڈال دیا ہے اور آج
نہین تو کل پھل لاے گا، یہ لوگ اگر بت پرستی پر مٹے ہوئے ہین تو انکی نسل سے وہ لوگ پیدا ہونگے جو حق
کو قبول کرینگے اور اللہ کی پرستش کے سوا ان کی کوئی پرستش نہ ہو گی؛ غزوہ طایف مین جب قلعہ مسخر
نہ ہوا، اور مختلف مصالح مقتضی ہوے کہ حصار اُٹھا لیا جائے، تو لوگون نے کہا "ادع اللہ علی ثقیف"
ثقیف کے لیے اللہ سے التجا کیجیے، فرمایا "اللھم اھد ثقیفا وائت بھم" خدایا ثقیف کے دلون کو
حق کے لیے کھول دے، چنانچہ وہی ہوا، جن لوگون نے پتھر پھینکے تھے خود دوڑے ہوئے آے کہ
حق کے بے پناہ تیرون سے اپنے دلون کو دو نیم کردین، یہ تیر ان دشمنون پر کمان چلائے گئے تھے؟
میدان جنگ مین؟ نہین، خدا کی مقدس عبادۃ گاہ کے صحن مین "ضربوا لھم خیمۃ فی المسجد"
جن لوگون نے منجنیق کے پتھرون سے اپنی دیوارون کو بچا لینے کا بندوبست کر لیا تھا، وہ ان تیرون سے
اپنے دلون کو نہ بچا سکے، عثمان بن ابی العاص راتون کو چھپ چھپ کر حضرۃ ابو بکرؓ کے پاس آتے
اور قرآن سیکھتے، یہ تھا وہ ھدی نبوۃ اور اُسوۂ حسنۂ رسالۃ جس نے فھی کالحجارۃ او اشد قسوۃ کو بھی

موم بناکر گھلادیا، اس کے مقابلہ مین آج مسلمانون کا یہ حال ہے کہ انکے ہمسایے اور شریک وطن عشق و محبت کے جوش سے بیخود ہوکر انکی مسجدون مین خود بخود دوڑے آتے ہین، کاندھے سے کاندھا ملاکر کھڑے ہوجاتے ہین، خود کہتے ہین کہ ہم بھی تمہارے ساتھ تمہاری نماز پڑھین گے، نماز جنازہ کی صفین کھڑی ہوتی ہین تو تسویۂ صفوف کی خدمت خود انجام دیتے ہین، اپنے ہاتھون سے پانی دیکر نمازیون کو وضو کرا دیتے ہین، مسجد کے چبوترہ پر کھڑے ہوکر پکارتے ہین کہ ہم سب ایک کے بندے اور ایک ہی گھرانے کے بھائی ہین، مگر مسلمان ہین کہ اس نعمۃ الٰہی پر سجدۂ شکر بجا لانے اور آنے والون کو اور زیادہ اپنی طرف کھینچنے کی جگہ ناک بھون چڑھا رہے ہین، کہ ہماری مسجد غیرون کی چھوت سے بے احترام ہوگئی! غور کرو۔ پہلے کیا حالت تھی؟ اور اب کیا حالت ہے؟ جب حالت مین انقلاب ہوا تو نتائج مین بھی انقلاب لازمی ہے۔

شتان بین مشرق ومغرب  سارت مشرقۃ وسرت مغربا

(۴)

حقیقت یہ ہے کہ آج اشاعت اسلام مین سب سے بڑی روک مسلمانون کا یہی طرز عمل ہے اور یہ نتیجہ ہے قرآن وسنۃ کے علم و عمل حق سے بُعد اور عہدی نبوۃ سے جہل وغفلت کا، یا بالفاظ مختصر علماء حق و راسخین فی العلم کے فقدان کا۔ افسوس خود مسلمانون کو اسلام کی قوۃ و صداقت پر بھروسہ نہ رہا، نادان سمجھتے ہین کہ دوسرون سے اگر ہم ملین گے تو ہم ان مین جذب ہوجائین گے، انکو اپنے مین جذب نہین کرسکین گے۔ اور سچ یہ ہے کہ اس وہم فاسد سے بڑھکر اور کوئی خیال اسلام کے لیے مایۂ صد توہین و تذلیل نہین ہوسکتا، اگر مسلمانون کے پاس لوہا نہین بلکہ مقناطیس ہے تو مقناطیس اور لوہے کا جب آمنا سامنا ہوگا نتیجہ صرف یہی نکلے گا کہ لوہا مقناطیس کی طرف کھنچے گا، یہ کیا مصیبت ہے کہ ہر بات مین اللہ اور اس کے دین حق کی نسبت سوء ظن، ظن الجاھلیۃ، اور ہر معاملے مین خود اپنے نفس پر حکم و شھدوا علی انفسھم شہادت بطلان وضعف و ہلاکت، فالی اللہ المشتکی

تعالیٰ اللہ المشتکی !

(۵)

وفد ثقیف کی روایات پر غور کرو، مسجد مین ٹھرانے کی علت کیا بتائی گئی ؟ یہ وہ تعلیل نہین ہے جو تعلیل باطل ہے یعنی تحکم بالظن والاراے اورحصر تعلیل بالقیاس غیر موید بالنص، بلکہ یہ وہ تعلیل ہے جو خود شارع نے بتلادی، مغیرہ کو کہا کہ وفد کی تکریم سے نہین روکتا لیکن "انزلھم حیث یسمعون القرآن" اور ابو داؤد و احمد وطبرانی کی روایت مین ہے "لیکون ارق لقلوبھم" اور ایک روایت مین ہے "ولکی یسمعوا القرآن ویروا الناس اذا صلوا" (ابن ہشام) یعنی وفد کو مسجد مین اس لیے ٹھرایا کہ وہ اسلام کے محاسن سے واقف ہوسکین، قرآن کی صدائین انکے کانون مین پڑین، مسلمانون کو نماز پڑھتے ہوے دیکھین، اور خدا کی سچی اور فطری عبادت کی خوبیان انکے دلون مین راہ پیدا کرین۔ اس ایک بات سے بے شمار فروعات دعوۃ وتبلیغ اسلام اور جزئیات طرق اصلاح اقوام و امم مستنبط ہوتے ہین جنکو نہایت تفصیل سے رسالۂ دعوۃ وتبلیغ اسلام مین لکھ چکا ہون جو منجملہ تالیفات قیام رانچی کے ہے۔ (ازانجملہ یہ کہ اسلام کو اپنی صداقت وحقیت کی طاقت پر پورا بھروسہ ہے اور قانون الٰہی یہ ہے کہ ہر قوی ضعیف کو اپنی طرف کھینچتا اور ہر طاقت کمزور پر چھا جاتی ہے۔ قوہ مین فاعلیت ہے اور کمزوری مین انفعال۔ اور قوت و ضعف مین اعتبار کیفیت کا ہے نہ کہ مجرد کمیت کا۔ اسی قانون جذب وانجذاب و فعل و انفعال و جلب و انجلاب پر کارخانۂ وجود و ہستی کے تمام حوادث واعمال کا دارومدار ہے، اور یہ قانون مادہ و جسم کی طرح تمام معقولات اور معنویات مین بھی بعینہ وہی جاری وساری ہے۔ پس اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ قوت ہے، طاقت ہے، اصلح ہے، امثل ہے، اسلیے جب کبھی اسلام اور غیر اسلام مین قرب ہوگا، تو اسلام اپنے ماسوی کو کھینچے گا، اور اپنے مین جذب کرلے گا، یہ نہین ہوسکتا کہ اسلام کو غیر اسلام اپنے مین جذب کرلے، اگر ایسا ہو تو قانون الٰہی باطل ہوجائے، اور اگر یہ قانون باطل ہو تو تمام نظام عالم درہم برہم ہوجائے، یہی معنی ہین اس آیۂ کریمہ

کہ "وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَاۗءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ" اور یہی معنی ہین لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کے جسکی تفسیر مین لوگون کو کیا کیا حیرانیان نہین ہوئی مین، حالانکہ بات بالکل صاف اور قدرتی تھی، اِس عالم مین بقا صرف اصلح کے لیے ہے، اور بالآخر تمام غیر اصلح عقائد و اعمال کو مٹ جانا ہے، والعاقبۃ للمتقین۔ اور فیصلۂ حق و باطل کی یہی سب سے بڑی شہادت ہے قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۟ اور یہی معنی ہین اِس آیۃ وامثالہا کے کہ اِعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اور یہ کہ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ اور اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ، وامثال ھذا فی الکتاب والسنۃ، اسی اصل الاصول کا نتیجہ ہے کہ اسلام نے اپنے تمام عقائد، اعمال، امکنہ، اور مواسم واجتماعات مین دوسرے مذہبون کی طرح کوئی راز اور مخفی بات نہین رکھی ہے اسکی ساری باتین دوپہر کے سورج کی طرح کھلی اور چمکیلی ہین۔ اسکی عبادت گاہون مین کوئی بھید نہین جسکے کھل جانے کا اس کو ڈر ہو۔ دل اور روح کو چھوڑ کر اس نے زمین اور مٹی کی کوئی ایسی پاکی اور ستھرائی نہین بنائی ہے۔ جو جسم و وجود اور اس کے سایہ کی چھوت سے ناپاک ہو جائے وہ ایک بے باک طاقت اور کامل حُسن کی طرح سب کو دعوۃ دیتا اور بلاتا ہے کہ آئین، دیکھین، اور مفتون ہون اسکی صداقت کی دعوۃ اسکی ہر چیز مین ہے، صرف چند چنے ہوئے واعظون کی بولیون ہی مین نہین، ایک مسلمان کا وجود یکسر دعوۃ و وعظ ہے، بشرطیکہ وہ مسلمان ہو، ایک مسجد اور اسکی سادہ اور بے نقش و اشکال دیوارین مجسم وعظ و حق ہین، جبکہ امام قرآن پڑھ رہا ہو، اسکے نمازیون کی صفون کے نظارۂ وحدت سے بڑھکر کوئی خطبۂ تبلیغ اور درس دلائل نہین، جبکہ ایک ہی خدا کے بندے بنیان مرصوص کی طرح کاندھا جوڑے کھڑے ہون، اور خدا کی قائم کی ہوئی انسانی اخوت کو بحکم "یشد بعضہ بعضا" کتشبیک الاصابع دکھلا رہے ہون، پس وہ انسانون کو اپنی ہر بات دکھلاتا، اور ہر مقام پر بلاتا، اور ہر راہ مین اپنے سے جوڑتا، اور ہر شکل مین

اپنے سے قریب کرنا چاہتا ہی اور اس کا دعویٰ ہی کہ جو اس سے قریب ہوگا بالآخر اس مین جذب ہو جائیگا قرب و اتحاد مین اس کے لیے خوف نہین ہی کہ وہ غیرون سے بھاگے اور الگ رہے بلکہ غیرون کے لیے انجذاب و انفعال ہی جس کے لیے انکو ڈرنا اور بھاگنا چاہیے، اس کا سارا رونا تو یہی ہے۔ لوگ اسکی سنتے نہین اسکو دیکھتے نہین، اس مین آتے نہین، اسکی طرف گردن موڑتے نہین تعالوا لووا رؤسھم و رأیتھم یصدون وھو مستکبرون، یہ کیسے ہوسکتا ہی کہ خدا کے بندے اسکی طرف پیار اور اخلاص سے بڑھین اور وہ اپنا گھر بند کردے کہ تمہارے اندر آنے سے میرے گھر کی تقدیس کو بٹہ لگ جائے گا؟ مسجدون کا اصلی احترام یہی ہے کہ اُس مین انسانون کی بھلائی کے لیے انسانون کا اجتماع ہو، انسانون کے نکال دینے مین اُنکی حرمتہ نہین بلکہ بے حرمتی ہے، اسلام نوع انسانی کی عظمت و احترام کے لیے کے لیے آیا ہے، نہ کہ تذلیل و تحقیر کے لیے پس وہ کسی انسان کو بہ حیثیت ایک انسان کے نجس نہین قرار دیتا، جسکی چھوت سے مٹی اور اینٹ ناپاک ہو جائے۔ نجاست انسان کے جسم مین نہین بلکہ اسکے اعتقاد اور عمل مین ہوتی ہی۔ کاش جسم مین ہوتی تو دریا کا پانی اس کو دھو دیتا اور انسان کا بنا ہوا کپڑا پونچھ دیتا، مگر افسوس وہ دل اور عمل کی گندگی ہے، جسپر نہ تو پانی بہایا جاسکتا ہے اور نہ کوئی ہاتھ صاف کرسکتا ہی، اس کو صرف خدا کا سچا ایمان اور راستی کا کامل عشق پاک کرسکتا ہے، سو انسانون پر اسکی راہین بند نہ کرو!

(۶)

جہان تک مکان اور عمارت کا تعلق ہے، اسلام کی دینی عمارت صرف مسجد ہی ہی اور کوئی نہین۔ پس اگر اسلام غیرون کو قبول کرلیا چاہتا ہے تو مسجد ہی مین قبول کرنا پڑے گا، آج اگر ہمارے ہندو بھائی خود اپنی محبت اور پیار سے ہماری مسجدون مین آتے ہین، تو یہ وہ چیز ہے جسکی

خود ہمکو آرزو کرنی تھی، اور جسکو اول دن ہی سے شروع ہو جانا تھا، کاش اگر ایسا ہوتا تو ہندوستان مین مسلمانون کا نوصدیون سے متصل قیام بے اثر ثابت نہ ہوتا اور آج ملک کے سارے تفرقے مٹ گئے ہوتے، مین جب رانچی مین نیا نیا آیا اور جامع مسجد مین جمعہ کے خطبون کا سلسلہ شروع ہوا تو شہر کے بہت تعلیم یافتہ ہندوؤن اور وکلا وغیرہ کو تقریر سننے کا شوق ہوا، انہون نے کہلایا کہ کوئی صورت اختیار کیجیے کہ ہم بھی تقریرین سکین، مین نے جواب دیا کہ نظربندی کی قیود کی وجہ سے عام مجالس کا انعقاد آپ لوگون کے لیے موجب مشکلات ہوگا، اگر شوق ہو تو مسجد مین کیون نہین آتے؟ اس پر ان لوگون کو تعجب ہوا کہ مسجد مین عین جمعہ کے موقعہ پر ہم لوگ کیونکر جا سکتے ہین؟ لیکن مین نے عین جمعہ کے دن انکے مسجد مین آنے اور ایک مناسب مقام سے خطبہ سننے کا انتظام کر دیا، اس کے بعد انجمن اسلامیہ قایم ہوئی، اور اسکی تمام مجالس بھی مسجد ہی مین منعقد ہوتی رہین، ان مین بھی تمام ہندو شریک ہوتے رہے صرف اتنی سی بات سے جو نتائج حسنہ پیدا ہوئے وہ شاید برسون کے وعظ و تبلیغ اور آجکل کے مجادلانہ مناظرات و مباحث سے بھی پیدا نہ ہوتے، اور ان کا اندازہ ابھی باہر کے لوگ نہین کر سکتے، جب تک ایک بڑی طولانی سرگذشت نہ سنائی جائے۔

( ۷ )

منجملہ خصائص خمسہ اسلام کے یہ ہے کہ "جعلت لی الارض مسجداً وطھوراً" (بخاری) خدا کی ساری زمین اسلام کے لیے مسجد ہے:

ہر جا کنیم سجدہ، بہ آن آستان رسد!

جس اسلام کی اس وسیع اور غیر محدود عبادت گاہ کو ہزارون قومون اور مذہبون کا رہنا اور بسنا ناپاک نہ کر سکا اسکی چار دیواری کے اندر گھری ہوئی عبادت گاہ کو غیر مسلمون کا داخل ہونا کب بے احترام کر سکتا ہے؟

اور من جملہ ادلۂ جواز دخول مشرک فی المسجد، کے ثمامہ بن آثال کا واقعہ ہے جو صحیحین مین بتفصیل موجود ہے، اور امام بخاری رح نے اپنے داب فقاہت کے مطابق مختلف کتب وابواب مین اُس سے متعدد مسائل مہمہ کا استنباط کیا ہے، ثمامہ نجد کا رئیس تھا، ہجرت کے پانچوین سال آنحضرۃ صلعم نے چند سوار نجد کی جانب بھیجے، وہ ثمامہ کو گرفتار کر لائے اور مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دیا، تمام روایات کے جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تین دن تک وہ مسجد ہی مین رہا، تیسرے دن آنحضرۃ صلعم نے بلا کسی شرط کے رہا کر دیا، امام بخاری اسی روایت کو زیادہ تفصیل وتطویل سے کتاب المغازی مین بھی لائے ہین، وفیہ انہ صلعم مر علی ثمامہ ثلاث مرات وھو مربوط فی المسجد وانما امر باطلاقہ فی الیوم الثالث وکذا اخرجہ مسلم وغیرہ وصرح ابن اسحاق فی المغازی من ھذا الوجہ ان النبی صلعم ھو الذی امرھم بربطہ قالہ ابن حجر فی الفتح (جلد ۸ صفحہ ۴۲ ۹) مگر اس خلق عظیم کا اسیر ایسا اثر پڑا کہ آزاد ہونے کے بعد خود واپس آگیا کہ مسجد کے ستون کی جگہ اب دینِ حق کے ایمان واعتقاد کی زنجیرون سے ہمیشہ کے لیے وابستہ کر دیا جاے! امام بخاری نے کتاب الصلوۃ مین ایک خاص باب اس عنون ترجمہ سے درج کیا ہے "الاغتسال اذا اسلم، وربط الاسیر فی المسجد وکان الشریح یامر الغریم ان یحبس الی ساریۃ المسجد" اور اس کے نیچے اسی واقعہ سے بروایۃ حضرۃ ابوہریرۃ استدلال کرتے ہین "بعث النبی صلعم خیلا قبل النجد فجائت برجل من بنی حنیفہ یقال لہ ثمامہ بن آثال فربطوہ بساریۃ من سواری المسجد" الخ، پس اس واقعہ سے بھی ثابت ہوا کہ مشرک کو مسجد مین داخل کرنا جائز ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو ثمامہ کو تین دن تک مسجد مین کیون اسیر رکھا جاتا؟ خود آنحضرۃ صلعم اسکی اسیری کو دوسری جگہ منتقل فرما دیتے، چنانچہ امام بخاری نے جواز دخول مشرک پر اسی واقعہ سے استدلال کیا ہے۔ اور یہ اس فقیہ الامۃ کے کمال دقتِ نظر واستنباط اور منتہا مرتبۂ اجتہاد وفقاہۃ فی الدین سے کے

شواہد مین سے ہے، کتاب الصلوٰۃ مین ایک خاص باب اس عنوان سے قائم کیا ہے "دخول للمشرک فی المسجد" یعنی مشرک کا مسجد مین داخل ہونا، اور اس مین اسی واقعہ سے استدلال کیا ہے اور معلوم ہے کہ فقہ بخاری کے تراجم ابواب مین ہے۔

(۹)

چنانچہ انہی ادلہ سنتہ کی بنا پر ائمہ مجتہدین و فقہاء امصار اس طرف گئے ہین کہ غیر مسلمون کا مسجد مین داخل ہونا مسلمانون کے اذن سے جائز ہے، اور علی الخصوص حضرۃ امام ابو حنیفہ رح کا مذہب تو اس بارے مین متقلین ہر ایک کو معلوم ہے، انکے نزدیک مطلقاً بلا قید و استثنا جائز ہے، اذن کی بھی شرط نہین، اشباہ والنظائر مین ہے " ولا یمنع من دخول المسجد جنباً بخلاف المسلم ولا یتوقف جواز دخوله علی اذن مسلم عندنا ولو کان المسجد الحرام " (الی ان قال) " ولنا ما روی ان النبی صلعم انزل وفد ثقیف فی مسجده وهم کفار، ولان الخبث فی اعتقادهم فلا یؤدی الی تلویث المسجد " (کتاب الکراہیۃ: مسائل متفرقہ) یعنی ہمارے نزدیک کوئی مضائقہ نہین اگر ذمی مسجد حرام مین داخل ہون، برخلاف امام شافعی کے جو عام مساجد مین دخول کو جائز قرار دیتے ہین، مگر مسجد حرام مین نہین، اور دلیل ہماری وفد ثقیف کا مسجد مین نزول ہی، حالانکہ وہ کفار تھے، اور اس لیے کہ مشرک کا خبث اس کے اعتقاد کا خبث ہے، جسم کا نہین جس سے مسجد کے ملوث ہونے کا اندیشہ ہو، قاضی زادہ اسکی شرح مین لکھتے ہین: " قال بعض المتاخرین ظاهره ان هذا دلیل آخر ولا وجه له لحق التعبیر حرف التعلیل لیکون اشارة الی دفع ان یقال کیف انزلهم فی مسجده وقد وضعهم الله بکونهم انجاسا؟ اقول لیس ذاک بشئ اذ لا شک فی صحة ان یکون هذا دلیلا آخر عقلیا لنا، فان الخبث اذا کان فی اعتقادهم لا یؤدی الی تلویث المسجد فلا یکون فی دخولهم المسجد بأس

(الی ان قال) کما حکی انہ علیہ السلام لما انزلھم فی مسجدہ وضرب لھم خیمۃ قال الصحابۃ قوم انجاس فقال علیہ السلام لیس علی الارض من انجاسھم شیء انما انجاسھم علی انفسھم" (تکملہ فتح القدیر جلد میری۔ (۱۴) عبارت ہدایہ کا اشکال اور شارح کا جواب اور اولۂ شافعیہ کی تحقیق آگے آے گی، شارح نے نزول وفد ثقیف پر صحابہ کے اعتراض اور اس کے جواب والی روایت جن الفاظ مین نقل کی ہے گو وہ الفاظ نہین، مگر معنیٔ صحیح ہی اور اصل روایات اور گذر چکین، نقل متن اور حفظ اسناد کا یہ وہ تساہل ہے جو جابجا خود صاحب ہدایہ نے کیا ہے اور متاخرین فقہار حنفیہ مین عینی اور ابن ہمام کے سوا سب کرتے ہین۔

اسیطرح درمختار مین ہے "وجاز دخول الذمی مسجداً ولو جنباً"، (باب الکراہیۃ)

قاضی ابن رشد بدایہ مین لکھتے ہین "وجوزوا (الحنفیۃ) مُطلقاً"، یعنی حنفیہ کے نزدیک مطلقاً ذمیون کا مسجد مین داخل ہونا جائز ہے (بدایۃ المجتہد شہر مین سے اور مین مورآبادی مین یہ مضمون لکھ رہا ہون، اس لیے صفحہ کا حوالہ نہین دے سکتا۔ کتاب الکراہیۃ دوسری جلد مین ہوگا)

(۱۰)

باقی رہی آیۃ قرآنی کہ اِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا تو اس کے متعلق چند امور غور طلب ہین:

اولاً یہ حکم خاص مسجد حرام (مکہ) کی نسبت ہے، یا تمام مساجد کے لیے؟ تو ائمہ اربعہ نے اتفاق کیا کہ خاص مسجد حرام کی نسبت ہے اور ظاہر آیۃ کا یہی منطوق ہے۔

ثانیاً نجاست کی تحقیق کہ نجاست سے یہان مراد ظاہری ہے یا معنوی؟ تو تمام ائمہ اہل سنۃ کا اس پر اتفاق ہوچکا ہے کہ نجاست سے مراد نجاست معنوی یعنی اعتقاد و شرک کی نجاست قلبی ہے نہ کہ نجاست جسمی۔ اور دلائل کتاب وسنۃ اسپر ناطق وشاہد، اور احتیاج بیان وتفصیل نہین۔

فذهب الجمہور من السلف والخلف ومنہم اہل المذاہب الاربعۃ الی ان الکافر لیس بنجس الذات، لان اللہ احل طعامہم، وثبت عن النبی صلعم فی ذٰلک من فعلہ وقولہ ولقرینۃ مایفید عدم نجاستہ ذواتہم، فاکل فی آنیتہم وشرب منہا وتوضأ فیہا، وانزلہم فی مسجدہ وغیر ذٰلک من الادلۃ النقلیۃ والعقلیۃ۔

ثالثاً فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ الخ سے مقصود کیا ہے؟ تو حنفیہ اس طرف گئے ہین کہ یہ نہی تکوینی ہے تکلیفی نہین، وہ اسکو محمول کرتے ہین کفار کے ایسے قرب پر جو غلبہ واستیلاء کے ساتھ ہو، یعنی آیندہ کفار کو مسجد حرام مین باذن جانے کا موقعہ نہ دیا جائے "قرب" کا لفظ منع استیلاء وتمکین کے لیے کمال مبالغہ ہے: "وانما نہوا عن الاقتراب للمبالغۃ فی المنع من دخول الحرم ونہی المشرکین ان یقربوا راجع الی نہی المسلمین عن تمکینہم من ذٰلک"، (تفسیر ابو السعود حنفی) اور ہدایہ مین ہے: "والآیۃ محمولۃ علی الحضور استیلاءً واستعلاءً"، (باب الکراہیۃ) اور حاشیۂ عنایہ سعدی چلپی مین ہے: "ای علی منعہم ان یدخلوہا مستولین وعلی اہل الاسلام مستعلین وایضاً النہی تکوینی لا تکلیفی"۔ اور شامی مین ہے: وحاصلہ انہ خبر منفی فی صورۃ النہی" نتیجہ اس سے یہ نکلا کہ حنفیہ کے نزدیک مسلمانون کے لیے جائز نہین، کہ غیر مسلمون کو مسجد حرام مین غلبہ وتمکین کے ساتھ داخل ہونے دین لیکن اگر کسی خاص عارضی ضرورت سے کسی غیر مسلم کو آنے دیا جائے، مثلاً تعمیر عمارات یا تجارت یا غیر مسلم حکومتون کے غیر مسلم سفراء، تو جائز ہے لیکن ائمہ ثلاثہ اور جمہور سلف وخلف امت اور تعامل مستمرۂ اہل اسلام اس مذہب کے خلاف ہے، اور علماء اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ آیہ کریمہ فلا یقربوا المسجد الحرام الخ اپنے نص منع دخول مین عام ومطلق اور ظاہر وغیر ماؤل ہے۔ یعنی کسی حال مین بھی کوئی غیر مسلم مسجد حرام کے حدود مین داخل نہین ہو سکتا، مسلمانون پر فرض ہے کہ وہ غیر مسلم کے قرب مکانی کو اگرچہ وہ عارضی اور بلا تمکن واستیلاء ہو، روکین اور

اور اس مقام، اور اس مقام کے ایسے اطراف و حوالی کو جہان کا داخلہ حرم کے داخلہ تک منجر ہو سکتا ہے
ہمیشہ صرف اہل اسلام ہی کے لیے مخصوص و محفوظ رکھین، حافظ نووی شرح مسلم مین لکھتے ہین، "فلا یجوز
تمکین کافر من دخولہ بحالٍ فان دخل فی خفیة وجب اخراجہ، فان مات ودُفن
فیہ نبش واخرج مالم یتغیر، ھٰذا مذھب الشافعی وجماھیر الفقہاء۔ وجوز ابو حنیفة دخولہ
الحرم (مطبوعہ دہلی صفحہ ۴۳۳ جلد ۱) یعنی کسی حال مین جائز نہین کہ غیر مسلم کو حدود حرم مین داخل ہونے دیا جاوے اور اگر کوئی غیر مسلم چھپکر چلا جاے
تو اس کا اخراج واجب ہے، اور اگر وہ مکہ مین مرجاے اور دفن بھی ہو جاے تو چاہیے کہ قبر کھودی
جاے اور لاش نکال دی جاے، اگر متغیر نہین ہوئی ہے۔ انتہیٰ، موید اس مذہب جمہور کی خود آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت اور حضرۃ عمرؓ کا باتفاق و اجماع جمیع صحابہ واضح و صریح عمل ہے،
(کما سیاتی)، اور یہ کہنا کہ نہی تکوینی ہے تکلیفی نہین اس بارے مین بالکل غیر مفید ہے کیونکہ یہ
ظاہر ہے کہ نہی اقتراب مین کمال مبالغہ منع دخول کے لیے ہے، اور جب منع دخول مین مبالغہ ہوا
تو ظاہر ہے کہ قرب کی ہر صورت و حالت اس نہی مین داخل ہوگی، اور جب خود شریعت نے اس
بارے مین مبالغہ فرمایا تو معلوم ہوا کہ عملاً کمال و شدۃ منع اور مبالغہ در منع اقتراب مطلوب شارع ہے
عربی مین کہین گے "لا اریٰنک ھاھنا" تو اس سے یہی سمجھا جاے گا کہ کسی حال مین بھی تم کو یہان
ہم نہین دیکھ سکتے، اردو مین کہین گے "تم اس جگہ کے پاس بھی نہ پھٹکو" یعنی کسی حال مین بھی
تمہارا یہان آنا ہمین گوارا نہین، اور اس مین شک نہین کہ جمہور ہی کا مذہب اس بارے مین
حق و قوی ہے اور اسی لیے تیرہ سو برس سے تمام اہل اسلام قرناً بعد قرن اسی پر عمل کر رہے ہین
عثمانی حکومت کا سرکاری مذہب حنفی ہے، مگر معلوم ہے کہ انھون نے بھی ایک دن کے لیے
امام صاحب کے اس مذہب پر عمل نہین کیا، اور ان کے تمام دور حکومت مین کوئی مثال اسکی نہین
ملسکتی کہ کسی غیر مسلم تاجر یا معمار و صناع یا طبیب و سفیر کو سخت ضرورت کے مواقع مین بھی حدود حرم کے

اندر جانے کا موقع دیا گیا ہو، بلکہ ایک سے زیادہ واقعات اس کے خلاف تاریخ عہد عثمانیہ مین موجود ہین،

اصل یہ ہے کہ دین حق کے قیام اور امۃ مسلمہ کے بقا کے لیے ضروری تھا جس طرح تعلیم و احکام کو ہمیشہ کے لیے اوراق و صحف مین محفوظ کر دیا گیا (یعنی کتاب و سنۃ بحکم "اوتیت الکتاب ومثلہ معہ") اسی طرح باعتبار مکان کے بھی ایک مرکزی مقام ہمیشہ کے لیے ایسا مقرر کر دیا جاتا جو صرف حق و پرستاران حق کے لیے مخصوص ہوتا، اور وہان کی فضاء ہدایت کی پاکی شرک و فساد کی ناپاکی سے کبھی مکدر و ملوث نہ ہوتی، اللہ تعالی نے ان بے شمار مصالح و حکم کی بنا پر (جو اپنے مقام پر معلوم و منضبط ہین) سرزمین حجاز کو اس غرض سے منتخب فرمایا، اور یہی ناف زمین دنیا کی آخری و باقی ہدایت و سعادت کے لیے ایک مرکزی سرچشمہ و درگاہ کی حیثیت سے قایم کی گئی، ذٰلِکَ تَقْدِیرُ الْعَزِیزِ الْعَلِیمِ پس ضرور تھا کہ اسکو صرف اسلام ہی کے لیے مخصوص کر دیا جاتا، تاکہ کرۂ ارضی کے سخت سے سخت عہد فساد مین بھی ایک مرکز و منبع ہدایت ہمیشہ قایم و محفوظ رہے، درخت کی جڑ اگر سلامت ہے تو ٹہنیون اور پتون کے مرجھا جانے سے باغ ویران نہین ہو جا سکتا، یہی معنی ہین اس آیۂ کریمہ کے وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا اور جَعَلَ اللّٰہُ الْکَعْبَۃَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیَامًا لِّلنَّاسِ اور وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا۔ اور چونکہ یہ مقصد حاصل نہین ہو سکتا تھا جب تک اس مین کمال مبالغہ و اہتمام نہ کیا جاے کیونکہ طبائع انسانی تساہل پذیر و حیلہ جو ہین اس لیے ناگزیر ہوا کہ نہ صرف غیر مسلمون کے قبضہ و تمکین کو بلکہ سرے سے انکے قرب و وجود ہی کو ہمیشہ کے لیے روک دیا جاے کیونکہ اگر آمد و رفت کا دروازہ کھلا رہے گا تو خصوصیت اسلام و اہل اسلام کی اہمیت باقی نہ رہے گی، طبیعتین اسکی متحمل اور خوگر ہو جائین گی کہ غیر مسلمون کو بھی حرم مین مسلمانون کی طرح موجود دیکھین، اور ایسا ہوا تو کل کو قبضہ و استیلا کا دروازہ بھی کھلجا نے گا اور طبیعتین اسکو بھی گوارا کر لین گی،

اور معلوم ہے کہ منجملہ مہمات اصول شریعت کے ایک اصل عظیم یہ ہے کہ شریعت صرف مقاصد ہی کو نہین

روکنا چاہتی بلکہ ذرائع مفاسد کو بھی روک دیتی ہے، بلکہ بسا اوقات جو اہتمام و اشتداد اصل مفاسد
کے دفع و منع مین نظر آتا ہے، ویسا ہی اہتمام وسائل و ذرائع کے سدباب مین بھی ملحوظ رہتا ہی
ت کے تمام احکام اور شرائع کے تمام اعمال مین اس کے اشباہ و نظائر بکثرت موجود ہین اور
خصائص دین آخری کے ہے کہ صرف برائیون ہی کو نہین روکا بلکہ ان راہون کو بھی بند کر دیا
برائیون تک پہنچا سکتی تھین، پس زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ منع دخول غیر مسلم بلا تمکین
و استیلاء فقہا کی اصطلاح مین لذاتہ نہین ہے بلکہ لغیرہ ہے لیکن اس کے ممنوع ہونے مین
کوئی شک نہین۔

غرضکہ اس بارے مین حنفیہ کا مذہب نہایت ضعیف ہی اور قوی و متفق یہی ہے جو ائمہ
ثلاثہ و جمہور کا مذہب ہے کہ مسجد حرام مین غیر مسلم کو داخل ہونے دینا کسی حال اور کسی شکل مین بھی جائز نہین
اور اسی پر تیرہ سو برس سے مسلمانون کا عمل ہے، گذشتہ ازان ظاہر نص بھی مطلقاً منع پر ناطق ہے، اور
اصول مین طے پا چکا ہے کہ منطوق مفہوم پر مقدم ہے۔ اس سے بھی بڑھکر یہ کہ نص سنۃ اور عمل صحابہ
سے بھی اسی مذہب کی تائید ہوتی ہی آنحضرۃ صلعم کی زبان مبارک سے مرض الموت مین آخری وصیت
جو نکلی وہ یہ تھی، "اخرجوا الیہود و النصارىٰ من جزیرۃ العرب" (صحیحین عن ابن عباسؓ عائشہ
و ابی ہریرہؓ) اور "آخر ما تکلم بہ النبی صلعم لا یترک فی جزیرۃ العرب دینان و فی لفظ
لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب"، اور اسی وصیت کی تعمیل مین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خیبر اور
یمن کے یہود و نصاریٰ کو عرب سے خارج کر دیا اور بلاد شام و سواد عراق مین آباد کرایا، حافظ
عسقلانی نے فتح الباری مین ایک قول نقل کیا ہے کہ حضرۃ عمر کے اجلا کردہ اہل کتاب کی تعداد
تقریباً چالیس ہزار تھی اور یمن کی نسبت لکھا ہے کہ "ھم اھل نجران"۔ اور یہ جو کچھ کیا تمام صحابہ کے
مشورہ و اتفاق سے، اور اس سے صحابہ کا اجماع صحیح و کامل معنون مین ثابت ہوگیا۔ باقی رہا یہ عتراض

کہ حضرۃ ابوبکر نے اپنے عہد خلافت مین اور حضرۃ عمر نے اہل خیبر کی شرارتون اور واقعہ عبداللہ بن عمر سے پہلے ایسا کیون نہین کیا؟ تو معلوم ہے کہ تعمیل وصیت کے لیے ضرور تھا کہ تنفیذ وصیت پر تمکین حاصل ہو۔ حضرت ابوبکر کو اہل ردت کے قتال وغیرہ مہمات نے مہلت نہ دی اور حضرۃ عمر خلیفہ ہوتے ہی ایران وعراق اور شام کے مہمات عسکریہ مین مشغول ہوگئے۔ جب یہود خیبر کی شرارتون نے خود مناسب موقع پیدا کردیا، تو یہ معاملہ انجام پایا، اور جس طرح مہمات احکام وشرائع شارع کے عہد مین بتدریج تکمیل کو پہنچے نہ کہ بغتۃً و دفعۃً واحدہ، اسی طرح ضروری تھا کہ مہمات ملکی و احکام متعلق تدابیر سیاسی شارع کے بعد عہد خلفاء راشدین مین بتدریج تکمیل کو پہنچین۔ لیکن اُسکے بعد کسی کے لیے گنجایش نہین ہے کہ محض رائے و تخمین کی بنا پر نص صریح کا مقابلہ کرے، اور ظنی تعلیلات شخصیہ غیر موید بالنص سے نص قرآنی اور وصیۃ نبوی کو رد کردے، مولانا شبلی مرحوم نے الفاروق مین واقعہ اجلاء اہل کتاب کی یہ توجیہ کی ہے کہ یہود خیبر اور نصاریٰ یمن بغاوت کی تیاریان کرتے تھے اسلیے مجبور ہوکر حضرۃ عمر نے نکال دیا، مولانا مرحوم کو اس توجیہ کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ وہ حضرۃ عمر کے اعمال کو یورپ کے ادعائی مذاق کے مطابق دکھلانا چاہتے تھے، اور چونکہ "لایترک فی جزیرۃ العرب دینان" کا معاملہ انکے خیال مین آجکل کی تہذیب و روشن خیالی کے خلاف تھا اور اسکی کوئی عقلی مصلحت و حکمت پیش نظر نہ تھی، اس لیے ناچار یہود خیبر کی شرارت اور واقعہ ابن عمر مندرجۂ بخاری کتاب الشروط سے متشبث ہوے اور تعمیل وصیۃ نبوی کے معاملہ کو محض دفع بغاوت کا ایک سیاسی و عارضی واقعہ بنا دیا، جیسے واقعات یورپ کی تمام نہاد متمدن حکومتون مین غیر مذہب رعایا کے ساتھ ہمیشہ پیش آتے رہتے ہین، حالانکہ یہود خیبر کی شرارت اور حضرت عبداللہ کو گرا دینا، ایک ایسا واقعہ تھا جو اس معاملے کی تنفیذ وتکمیل کے لیے محرک ہوا، لیکن اصلی علت یہ نہین ہوسکتی۔ بالفرض اگر تمام یہود خیبر بغاوت کے لیے آمادہ بھی ہوگئے تھے، تو

جلاوطن کردینا کب مقتضائے عدل فاروقی ہوسکتا ہے؟ کیا حضرت عمر کی وہ حکومت جس نے تخت کسریٰ کو ہمیشہ کے لیے الٹ دیا اور مصر کی رومانی حکومت کا چند مہینوں کے اندر خاتمہ کر دیا، یہود خیبر کی سیاست و تفتیہ سے عاجز تھی؟ بہرحال حضرت عمر نے باتفاق جمیع صحابہ جو کچھ کیا وہ دراصل اسی وصیت نبوی کی تعمیل تھی کہ "اخرجوا الیہود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب" اور جن لوگون نے حسن وقبح اشیاء کا معیار یورپ کی نام نہاد تہذیب و تمدن کو قرار نہین دیا ہے، بلکہ حقیقت اور عقل صحیح و قیاس صالح کو، تو انکو اس توجیہ و تلمیع کی کوئی ضرورت نہین، سورہ براۃ کی تفسیر مین اس مسئلہ کو بہ تفصیل لکھ چکا ہون، اور اس کے مطالعہ سے واضح ہو جائیگا کہ یہ حکم شریعت مقتضائے عدل وانصاف کے عین مطابق ہے اور کسی تاویل رائی و قیاسی کی اس کے لیے ضرورت نہین خواہ وہ فلسفۂ تاریخ کے نام سے پیش کی جائے، خواہ فلسفیانہ فقاہت کے نام سے۔

کیا تیرہ سو برس کا تجربہ، اور صدیون کے وقوعی نتائج و حوادث اس حکم قرآنی اور وصیت نبوی کی تفسیر کے لیے کافی نہین؟ کیا یہ حقیقت نہین ہے کہ بے شمار مقامات بلکہ بڑے بڑے براعظمون اور اقلیمون پر غیرون کے قبضہ کی بنیاد استیلاء و تسلط سے نہین بلکہ محض قیام و قرب اور آمد و رفت سے پڑی؟ پہلے دروازہ کھلا، قیام و سیاحت کا، پھر تجارت کا، اور اسکے بعد رفتہ رفتہ تاجرون یا سوداگرون پیشہ ورون، محکومانہ و متوطنون نے حاکم و قاہر کی صورت اختیار کرلی، مصر تن پیشہ، و صناعۃ کے نام سے تقریب ہوئی، ہندوستان مین تجارت کے وسیلہ سے۔ اور جواز دخول حرم کی جو صورتین حنفیہ کی جانب سے بیان کی جاسکتی ہین وہ بہتر سے بہتر اور محدود سے محدود شکل مین یہی ہوسکتی ہین پھر اگر فلا یقربوا المسجد الحرام کے یہی معنی قرار دیے جائین کہ صرف قرب بحالت استیلاء و تمکین ممنوع ہے۔ نفس قرب و تقریر ممنوع نہین۔ تو اس کے معنی بجز اسکے اور کیا ہوسکتے ہین کہ حرم پر غیر مسلمون کا قبضۂ و تسلط تو ممنوع ہے۔ مگر قبضہ و تسلط کا دروازہ کھولنا ممنوع نہین، پھر کیا ایسا اجتہاد

تسلیم کیا جا سکتا ہے؛ والامام لیس بمعصوم حتی تاول له الشریعة ونترك نصوص الکتاب والسنة، ولم یأذن الله ولا رسوله لاحد بهذه النصرة وما امرنا باتباع مذهب من المذاهب ورای من آراء الرجال واستکتاب التحملات لتصحیحه ورضی الله عن مالک ابن انس حیث یقول ما من احد الا یؤخذ من قوله ویترك الا صاحب هذا القبر صلی الله علیه وسلم،

باقی رہا یہ کہنا کہ آیۂ سیف مقید ہے آیۂ "وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ" سے اور اس بارہ مین قاضی ابو یوسف رح کا مذہب، اور حدیث صحیحین "اخرجوا الیهود والنصاری" کے مقابلے مین حدیث ابو عبیدہ بن الجراح سے استشہاد، اور نص کے مقابلے مین اخراج کی علت ومصلحت خود قرار دینا اور اس کو امام کی راے پر مفوض کرنا، اور روایت بریدہ اسلمی کہ "فان ابوا فسلهم الجزیة فان اجابوک فاقبل منهم" اور اس سے استدلال تقریر مشرکین در حجاز پر بصورت ادا جزیہ وغیر ذلک، تو ان مین سے کوئی دلیل بھی ایسی نہین ہے جو نصوص صریحۂ کتاب وسنت کے معارض ہو سکے، روایت ابو عبیدہ خود بغایت مضطرب ولایق احتجاج نہین، اور آخر تکلم آنحضرت "اخرجوا الیهود والنصاری" ہے جو ناسخ جمیع ما سبق کے لیے قاطع وصریح، اور نص کے مقابلہ مین کوئی قیاس مسموع نہین، اور خود ائمہ وفقہا نے اجماع کیا، بطلان تعلیل بمصالح پر اس لیے کہ تعلیل بمصالح مقبول نہین تا وقتیکہ منضبط نہو، اور معلوم ہے کہ حکم ومصالح غیر منضبط، اور اس طرح کی اکثر تعلیلات خیالیہ ورائیہ "اعجاب کل ذی رائی برایه" سے زیادہ وزن نہین رکھتین، پس حاجت اطناب نہین اور اپنے مقام پر یہ بحث صاف ہو چکا ہے۔ علی الخصوص تفسیر البیان مین،

(۱۱)

اسی بنا پر حضرۃ امام شافعی نے اس بارہ مین مذہب تفصیل اختیار کیا یعنی غیر مسلمون کا

عام مساجد مین داخل ہونا اذن اہل اسلام سے جائز ہے مگر مسجد حرام مین نہین، وہ مستثنےٰ ہے۔ خلافاً للحنفیہ، چنانچہ حافظ نووی شرح مسلم مین لکھتے ہین " اما قولہ تعالیٰ اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ فھو خاصٌ بالحرام ونحن نقول لایجوز ادخالہ الحرم (صفحہ ۲۳۶ مطبوعہ دہلی،)

اور دلائل انکے وہی ہین جو اوپر گذر چکے، لیکن صاحب ہدایہ نے اس موقع پر سخت تسامح کیا ہے اور اسی وجہ سے انکی عبارت مین اشکال پیدا ہوگیا جسکو قاضی زادہ نے دور کرنا چاہا، وہ لکھتے ہین " ولان الکافر لایخلو عن جنابۃ لانہ لایغتسل اغتسالاً یخرجہ عنہا والجنب یجنب المسجد" یعنی امام شافعی کی دلیل منع دخول کے لیے یہ ہے کہ کافر ناپاک ہو کیونکہ وہ بوجہ غسل معتبر فی الشرع نہ کرنے کے کبھی جنابت سے خالی نہین ہوتا، پھر اس دلیل کا جواب دیتے ہین " والتعلیل بالنجاسۃ عام فینتظم المساجد کلہا"، اور " ولان الخبث فی اعتقادہ فلایؤدی الی تلویث المسجد" یعنی اگر کافر ناپاک ہے اور اس لیے اس کا داخل ہونا جائز نہین تو اس مین مسجد حرام کی کیا خصوصیت ہے؟ تمام مسجدون مین ممنوع ہونا چاہیے، حالانکہ خود امام شافعی اس کے قایل نہین، اور معلوم ہے کہ کفار کی اصلی نجاست اعتقاد کی نجاست ہے نہ کہ جسم کی انتہیٰ، حالانکہ نہ تو امام شافعی کی یہ دلیل ہے اور نہ تعلیل بالنجاستہ سے انکا یہ مطلب ہے جو صاحب ہدایہ نے قرار دیا ہے۔ خود ہی انکی جانب سے ایک دلیل قیاساً قرار دے لی ہے، پھر خود اسکا رد کر دیا ہے، اور خلافیات مین اسطرح کے تسامحات صاحب ہدایہ سے اور مقامات پر بھی ہوئے ہین، جیسے جواز نکاح متعہ کو حضرۃ امام مالک کی طرف منسوب کر دینا وغیر ذلک، یہ کتاب الام اور شرح مہذب اور شرح مسلم نووی موجود ہے اور متقدمین و متاخرین شافعیہ کی ان سے زیادہ معتبر اور کون سی کتابین ہوسکتی ہین؟ امام شافعی کا استدلال صرف نص قرآنی فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ سے ہے جس نے خود ہی مسجد حرام کو خاص طور پر مخصوص و مستثنےٰ کر دیا، تمام مسجدون کے لیے ایسا حکم نہین دیا، اور اس ایک قانونی و ناطق دلیل ظاہر کے

بعد اور کسی دلیل کی انکو ضرورت ہی کیا تھی؟ بلا شبہ وہ منع دخول کی علت نجاست کو قرار دیتے ہین، مگر اپنے قیاس وراے سے نہین، بلکہ اس لیے کہ خود قرآن ہی نے یہ تعلیل کر دی ہے؛ "اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ" "اِنَّمَا" اور اس کے بعد حرف "فا" کا آنا اپنی دلالۃ مین ظاہر و ناطق ہے۔ گر وہ نجاست سے نجاست جسمی مراد نہین لیتے، اگر ایسا ہوتا تو اُنکے مذہب مین کفار کی ملامسۃ اور مواکلۃ اور مشاربۃ جائز نہ ہوتی، جیسا کہ امامیہ اور بعض ظاہریہ کے مذاہب مین ہے، اور معلوم ہے کہ ایسا نہین ہے۔ پس وہ نجاست سے نجاست معنوی مراد لیتے ہین جو عام مسجدون اور مکانون کو تو ناپاک نہین کر سکتی۔ لیکن مسجد حرام کا مرکز و کعبۂ ہدایت اور دار التوحید اُسکے قرب و مس کا تحمل نہین، وہ اپنی فضا کو اس نجاست معنوی کی آمیزش سے ہمیشہ پاک اور بے میل رکھنا چاہتا ہے، کہ تمام کرۂ ارضی مین کوئی ایک مرکزی مقام تو ہمیشہ توحید و ہدایت کے لیے محفوظ و مخصوص رہے، پس امام شافعی نے اگر اس بارہ مین حنیفہ کے عموم و اطلاق کی جگہ مذہب تفصیل اختیار کیا اور عام مسجد مین دخول کی اجازت دیتے ہوے مسجد حرام کو مستثنیٰ کر دیا، تو یہ مذہب نصوص کتاب و سنۃ اور قیاس صحیح و حکمت شرعی کے عین مطابق ہے، اور اُن کے رد مین یہ کہنا کہ "والتعلیل بالنجاسۃ عام" اور "ولان الخبث فی اعتقادھم فلا یؤدی الی تلویث المسجد" بالکل بے کار بلکہ بے معنی ہے، قرآن نے جو تعلیل نجاست کی کی ہے، وہ عام نہین ہے۔ مسجد حرام کے لیے خاص ہے۔ اور خبث اعتقاد عام مساجد کو ملوث نہین کر سکتا، البتہ مسجد حرام کی خالص اور بے مزج کفر پاکی کو ملوث کر دے گا۔

**تاخیر:** رسالہ کی تاخیر غیر معمولی وجوہ سے پیش آئی، انشاء اللہ آیندہ پرچہ وقت پر نکلے گا۔

"منیجر"

# اسلام مین مختلف فرقون کی نشوونما

اور

# اسکے علل واسباب

(۲)

از مولانا عبدالسلام ندوی

**فرقہ باطنیہ کی تولید کا اصلی سبب** اوپر سلسلۂ کلام اس حد تک پہنچکر منقطع ہوگیا تہا کہ جب کوئی جدید قوم، کسی جدید مذہب کو قبول کرتی ہے، تو الف وعادت کی بنا پر مدتون اسکو اپنے قدیم عقاید، اپنے قدیم اعمال اپنے قدیم علوم وفنون، غرض اپنی پوری گذشتہ تاریخ یاد رہتی ہے، اور وہ اس جدید مذہب کو کہینچ تان کر اپنے قدیم مذہب کی طرف لیجانا چاہتی ہے،

ایرانی قوم دنیا مین سب سے بڑے تمدن، سب سے بڑے مذہب، اور سب سے بڑی سلطنت کی مالک تھی، اسلئے جب وہ تباہ وبرباد ہوکر اسلام مین داخل ہوئی تو اُسکو یہ خواب ہمہ وقت نظر آنے لگا، لیکن اسکے لئے صرف یہی کافی نہ تہا کہ مذہب اسلام مین اپنے قدیم مذہب کی چند باتین شامل کرکے اپنی تسکین خاطر کا سامان کرلے بلکہ اُس نے سرے سے اسلام کے نظام کو اُلٹنا اور ازسرنو مجوسی مذہب کو زندہ کرنا چاہا، چنانچہ اُس نے اسکے لئے مامون اور معتصم کے زمانہ کو جو عجمیت فلسفہ اور عقل کی گرم بازاری کا زمانہ تہا، نہایت ہی موزون پایا اور علانیہ کہُل کہیلی، چنانچہ استاد ابومنصور بغدادی نے کتاب الفرق بین الفرق مین متعدد مواقع پر اسکی تصریح کی ہے،

"اس فرقے مختلف طریقون سے احکام شریعت کی ایسی تاویلین کین جسکا نتیجہ رفع شریعت ہو

یا وہ احکام مجوس کے مشابہ ہوجائے،[1]

اصحاب تاریخ نے بیان کیا ہے کہ جنلوگون نے مذہب باطنیہ کی بنیاد رکھی وہ مجوس کی اولاد تھے اور اپنے اسلاف کے مذہب کی طرف مائل تھے، لیکن مسلمانون کی تلوار کے خوف سے اسکے اظہار کی جرات نہین کرسکتے تھے، اسلئے انھون نے ایک ایسی بنیاد قائم کی کہ جو اسکو قبول کرلیتا تھا وہ باطنی طور پر مجوسیت کی طرف مائل ہوجاتا تھا[2]۔

متکلمین کا اختلاف ہے کہ فرقہ باطنیہ نے اپنی بدعات کی جو دعوت دی اس سے انکا مقصد کیا تھا؟ تو اکثر لوگ اس طرف گئے ہین کہ ان تاویلات سے جو وہ کتاب وسنت کی کرتے تھے، انکا مقصد دین مجوس کی دعوت دینا تھا[3]۔

مخفی دعوت کے علاوہ انھون نے نہایت خداعانہ طریقون سے اسلام مین مجوسیت کی آمیزش کی، مجوسی آتش پرستی کرتے ہین، اسلئے انھون نے چاہا کہ اس شرارے کا جلوہ مسلمانون کی مسجدون مین بھی نظر آئے، اس غرض سے انھون نے مسلمانون کو ترغیب دی کہ مساجد مین انگیٹھیان رکھی جائین اور ان مین عود وغیرہ سلگایا جائے، اسی غرض سے برامکہ نے ہارون رشید کو ترغیب دی تھی کہ کعبہ مین بھی اس قسم کی انگیٹھیان رکھی جائین لیکن اس نے دوراندیشی سے معلوم کرلیا کہ اس سے درپردہ آگ کی پرستش کرانا اور خانۂ کعبہ کو آتشکدہ بنانا مقصود ہے، چنانچہ جن اسباب کی بنا پر ہارون رشید نے اس خاندان کو تباہ کیا اُن مین ایک سبب یہ بھی تھا،[4]

لیکن اس مذہبی طاقت کے زندہ کرنے سے باطنیہ کا اصلی مقصد یہ تھا کہ ایرانیون کی ملکی طاقت دوبارہ زندہ ہوجائے، چنانچہ استاذ ابومنصور بغدادی لکھتے ہین،

انا لا نجد علی ظہر الارض مجوسیا الا وھو — ہم زمین پر کسی ایسے مجوسی کو نہین پاتے جو ملک پر

[1] کتاب مذکور صفحہ ۲۰۰ [2] کتاب مذکور صفحہ ۲۶۹ [3] ایضاً صفحہ ۲۷۷ [4] کتاب الفرق بین الفرق صفحہ ۲۷۱

موا دلهم منتظر ظهور هم على الله یا ر جو سیون کے غلبہ کا منتظر ہو، وہ لوگ سمجھتے ہین کہ
یظنون ان الملک یعود الیہم بذلک[۱] سلطنت اسی طریقہ سے انکو واپس ملیگی،

یہی وجہ ہے کہ ان لوگون نے متعدد بار خلفار و سلاطین پر قاتلانہ حملے کئے اور اسلام کی فوجی طاقت کو
انکی مقاومت و استیصال مین حصہ لینا پڑا۔

معتزلہ | معتزلہ[۱] کے اصولی عقاید مین دو عقیدے نہایت اہم ہین۔

(۱) قدر، یعنی یہ کہ بندہ اپنے تمام افعال کا خالق اور ذمہ دار ہے، خدا حکیم ہے، عادل ہے، اسلئے
اسکی طرف شر و ظلم کا انتساب نہین کیا جا سکتا، معتزلہ کو اصحاب عدل اسی اصول کی بنا پر کہتے ہین،

(۲) نفی صفات باری یعنی یہ کہ خدا قدیم ہے، اور قدم اُسکے مخصوص اوصاف مین ہے، جو دوسرے
مین نہین پایا جا سکتا، اس بنا پر وہ خدا کے تمام صفات قدیمہ کا انکار کرتے ہین، اور کہتے ہین کہ وہ
بذات خود عالم ہے، قادر ہے، زندہ ہے، اور علم، قدرت اور حیات کا جو اسکی ذات کے ساتھ قائم
ہون، محتاج نہین، کیونکہ اگر یہ اوصاف قدیمہ پائے جائین تو قدم مین خدا کی شریک ہونگے، اور اس سے
تعدد قدما، یا تعدد آلہ لازم آئیگا، اسی اصول کی بنا پر معتزلہ کو اہل توحید کہتے ہین،

ان عقاید مین پہلے عقیدہ کی ابتدا، پالیٹکس سے ہوئی، بنو امیہ کے زمانہ مین چونکہ سفاکی کا
بازار گرم رہتا تھا اسلئے طبیعتون مین شورش پیدا ہوئی، لیکن جب شکایت کا لفظ کسی کی زبان پر آتا تو
طرفداران حکومت اسکو یہ کہکر چپ کر دیتے تھے، کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کی طرف سے ہوتا ہے، ہمکو اسمین
چون وچرا نہین کرنا چاہیے (آمنا بالقدر خیرہ وشرہ) لیکن جو لوگ آزاد، دلیر، اور راست گو تھے
وہ خاموش نہ رہ سکے، چنانچہ معبد جہنی نے جو بعض صحابہ کا زمانہ پایا تھا اور امام حسن بصری کے حلقۂ درس مین
شریک ہوا کرتا تھا، ایکدن اُن سے عرض کی کہ بنو امیہ کی طرف سے قضا و قدر کا جو عذر پیش کیا جاتا ہے

[۱] معتزلہ کے مختلف فرقے اگرچہ مختلف نام سے موسوم ہین لیکن ہم نے سب کو معتزلہ ہی کے لقب سے یاد کیا ہے،

دو گے بالکل صحیح ہے"؟ امام صاحب نے کہا کہ "یہ خدا کے دشمن جھوٹے ہیں" وہ پہلے سے بنو امیہ کے جور وظلم پر طیش سے بھرا ہوا تھا، اب علانیہ بغاوت کی اور جان سے مارا گیا، اسکے بعد غیلان دمشقی نے اس خیال کو ترقی دی، اور ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں بغاوت انگیزی کے جرم میں جان سے مارا گیا[51] اسی زمانہ میں جہم بن صفوان پیدا ہوا اور وہ بھی امر بالمعروف کے جرم میں قتل ہوا۔[52]

معبد اور غیلان کے بعد اس اصول کو سب سے زیادہ واصل بن عطا نے مستحکم کیا، چنانچہ علامہ شہرستانی ملل ونحل میں لکھتے ہیں۔

وقرر واصل ابن عطاء هذه القاعدة اكثر ما كان يقرر قاعدة الصفات[53]

اور واصل بن عطا نے اس قاعدہ کو قاعدۂ صفات سے زیادہ ثابت کیا۔

احادیث میں جو یہ الفاظ آئے ہیں کہ خیر وشر جو کچھ ہے خدا کی طرف سے ہے، واصل نے اسکے یہ معنی لئے کہ مرض، شفا، موت، حیات، اور رنج وغم وغیرہ خدا کی طرف سے ہیں، یہ نہیں کہ بندے جور وظلم، فسق وفجور، نیکی، بدی جو کچھ کرتے ہیں وہ سب خدا کی طرف سے ہے، علامہ شہرستانی نے لکھا ہے کہ "میں نے ایک خط دیکھا ہے جو حسن بصری کی طرف منسوب ہے، اور عبدالملک بن مروان کے نام لکھا گیا ہے، اسمیں قرآن مجید کی آیات، اور عقلی دلائل سے اس اصول کو ثابت کیا گیا ہے، لیکن غالباً یہ خط واصل کا لکھا ہوا ہوگا کہ حسن بصری سلف کے اس مذہب کی کہ خیر وشر خدا کی طرف سے ہے کیونکر مخالفت کر سکتے تھے"[54] لیکن ہم نے اوپر حسن بصری کا جو قول نقل کیا ہے، اس سے علامہ شہرستانی کے اس حسن ظن کی غلطی ثابت ہوتی ہے بلکہ ظن غالب تو یہ ہے کہ واصل نے اس مسئلہ کو حسن بصری ہی کے حلقۂ درس میں سیکھا ہوگا، بہرحال اس مسئلہ بلکہ اس فرقہ کی ابتدا پالیٹکس سے ہوئی تھی، اور اس نے آگے چل کر پولیٹکل نتائج بھی پیدا کئے۔ چنانچہ خود خاندان بنو امیہ میں یزید بن الولید نے یہ مذہب اختیار کر لیا

[51] شرح ملل ونحل بحوالہ علم الکلام، [52] تاریخ مصر مقریزی جلد دوم صفحہ ۳۵۵ [53] ملل ونحل صفحہ ۵۸، [54] ایضاً صفحہ ۵۹۔

اور جب ولید تخت نشین ہوا، اور تخت نشینی کے بعد علانیہ میخواری اور عیاشی شروع کی تو یہ رنگ بلکہ یزید نے امر بالمعروف کے دعوی سے علم بغاوت بلند کیا اور ہزاروں معتزلہ اسکے ساتھ ہوگئے[1]۔ لیکن ولید نے اسی مصلحت سے یہ مذہب اختیار کیا ہوگا۔

دوسرا اصول واصل کے زمانہ تک بالکل صاف و سادہ تھا، وہ صرف یہ کہتا تھا کہ دو خدا کا وجود محال ہے، اور جو لوگ صفات قدیمہ کا اثبات کرتے ہین وہ تعدد خدا کا اثبات کرتے ہین لیکن معتزلہ مین اس مسئلہ کو اسکے اصحاب نے فلاسفہ کی کتابون کا مطالعہ کرکے ترقی دی[2]، علامہ ابن صاعد اندلسی نے طبقات الامم مین لکھا ہے کہ حکما مین سب سے پہلے بندقلیس نے صفات الٰہی کا انکار کیا اور ابو الہذیل علاف نے اسی مذہب کی تقلید کی[3]،

اگرچہ یہ نہین معلوم ہوتا کہ اس مسئلہ کے پیدا ہونے کا اصلی محرک کیا تھا؟ تاہم خلفائے بنو عباسیہ نے اس سے پولیٹکل فوائد حاصل کئے، اسلام مین سب سے پہلے ایک یہودی الاصل شخص نے جسکا نام عبداللہ بن سبا تھا یہ دعوی کیا کہ حضرت علی خدا ہین اور اسی سے غلاۃ کے تمام فرقے پیدا ہوئے[4]، اس غلو نے ترقی کرکے حلول کا عقیدہ قائم کیا، اور اس عقیدہ کی بنا پہ سیکڑون مدعیان الوہیت پیدا ہوگئے جو اپنے آپ کو امام کہتے تھے، اور عرش نشینی کے ساتھ تخت نشینی کی بھی خواہش رکھتے تھے، قائلین حلول کے متعدد فرقے تھے، لیکن سب کا مقصد توحید کے عقیدہ کا باطل کرنا تھا[5]، اس بنا پر یہ مسئلہ امامت و توحید دونوں حیثیتون سے نہایت اہم مذہبی سیاسی نتائج پیدا کرتا تھا، لیکن اگر سرے سے صفات الٰہی کا انکار کردیا جائے تو یہ عقیدہ دفعۃً متزلزل ہوجاتا ہے، کیونکہ اس صورت مین ذات الٰہی ایک بے چون و چرا ہستی رہجاتی ہے، اور اسمین کوئی وصف ایسا نہین پایا جاتا جو دوسرے کی ذات مین حلول کرے، غالباً توحید کے اثبات اور ائمہ کی الوہیت کے ابطال کے لئے معتزلہ نے اس مسئلہ کو ایجاد کیا ہوگا۔

---

[1] مروج الذہب مسعودی بحوالہ علم الکلام [2] ملل ونحل صفحہ ۵۰، [3] کتاب مذکور صفحہ ۲۲، [4] ملل ونحل صفحہ ۱۱، [5] کتاب الفرق بین الفرق

بہرحال اسکی ایجاد کا سبب جو کچھ بھی ہو لیکن دنیا کی تمام بڑی طاقتون نے اس مسئلہ کا خیر مقدم کیا فلسفہ نے اسکی تائید کی، اور خلفائے بنو عباسیہ اس بنا پر کہ اس سے مدعیان امامت کا دعوی الوہیت باطل ہوتا ہے، اسکی حمایت کے لئے کھڑے ہو گئے[1]

اہل سنت و الجماعت نے بھی اعتزال کو اس بنا پر قبول کر لیا کہ

ان ذلک قرب الی المعقول وابعد من التشبیہ والحلول[2] یہ مذہب عقل سے قریب اور تشبیہ وحلول سے بعید تھا

لیکن ان مسائل کے علاوہ عام طور پر معتزلہ کے خیالات فلسفہ سے متاثر ہین چنانچہ علامہ شہرستانی نے متعدد مسائل کے متعلق تصریح کر دی ہے کہ وہ فلسفہ سے ماخوذ ہین، نظام جو معتزلہ مین نہایت ممتاز شخص گذرا ہے اسکے عقاید و مسائل فلسفہ کے علاوہ دوسرے مذاہب سے بھی ماخوذ ہین، چنانچہ استاذ ابو منصور بغدادی کتاب الفرق بین الفرق مین لکھتے ہین۔

نظام نے اپنے زمانہ شباب مین ایک ثنوی قوم کی صحبت اٹھائی تھی اور ایک سمینہ قوم سے میل جول پیدا کیا تھا، جو تکافو ادلہ کے قائل ہین اور بڑھاپے مین ملاحدہ فلاسفہ کی ایک جماعت سے ارتباط پیدا کیا اور اسکے بعد ہشام بن حکم رافضی سے تعلقات پیدا کئے، اور اس سے اور ملاحدہ فلاسفہ سے ابطال جزء الذی لا یتجزی کا مسئلہ لیا، پھر اس پر مسئلہ طفرہ کی بنیاد ڈالی، جسکی طرف اس سے پہلے کسیکا وہم وگمان بھی نہین گیا تھا، اس نے مجوسیون سے یہ مسئلہ لیا کہ عدل کا کرنیوالا ظلم اور جھوٹ کا قادر ہی نہین ہو سکتا، اور اس نے ہشام سے یہ مسئلہ بھی لیا کہ رنگ، لذت، بو اور آواز اجسام ہین، اور اس بدعت پر مسئلہ تداخل اجسام کی بنیاد ڈالی، اور مجوسیون کے مذہب فلاسفہ اور ملاحدہ کے شبہات کو اسلام مین داخل کیا، اور ابطال نبوات کے متعلق اسے براہمہ کا مذہب پسند آیا، لیکن اس قول کے اظہار کی جرات تلوار کے ڈر سے نہ کر سکا، اسلئے قرآن مجید کے عبارت کے معجزہ

---

[1] ملل ونحل شہرستانی جلد ا صفحہ ۴۷ [2] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۱۱ -

ہونیکا انکار کیا، اور شق قمر، کنکریون کی تسبیح، اور رسول اللہ صلعم کے انگلیون کے درمیان پانی ابلنے کے معجزات کا انکار کیا تاکہ اسکو آپکی نبوت سے انکار کرنیکا ذریعہ بنائے۔

(زیدیہ) اسکے نسبت تو کچھ لکھنے کی ضرورت ہی نہین، تمام دنیا جانتی ہے کہ یہ فرقہ پولیٹیکل اسباب سے پیدا ہوا، اور اس نے عمر بھر پولیٹیکل کام کئے۔

ان فرقون کے علاوہ اور بھی متعدد فرقے تھے جو نہایت معمولی معمولی اسباب کی بنا پر پیدا ہوئے مثلاً فرقۂ شعیبیہ کے زعیم شعیب پر میمون خارجی کا قرض آتا تھا، اس نے تقاضا کیا تو شعیب نے کہا، اگر خدا نے چاہا تو مین تمہین دونگا، میمون بولا کہ خدا تو ابھی چاہتا ہے، شعیب نے کہا اگر خدا چاہتا تو مجھے مجبوراً دینا ہی پڑتا، میمون نے کہا کہ خدا نے تم کو اسکا حکم دیا ہے، اور خدا جس چیز کا حکم دیتا ہے اسکو چاہتا ہے، اور جس چیز کو نہین چاہتا اسکا حکم ہی نہین دیتا، اب مشیت الٰہی کے متعلق عجاردہ کے دو فرقے ہوگئے ایک نے میمون کی اور دوسرے نے شعیب کی تقلید کی، اور اسطرح شعیبیہ ایک مستقل فرقہ پیدا ہوگیا۔[1]

فرقۂ ثعالبہ بھی اسی طرح پیدا ہوا، پہلے عبدالکریم بن عجرد فرقۂ عجاردہ کا امام تھا، لیکن ایکبار کسی نے ثعلبہ مین مشکان کی لڑکی سے منگنی کی تو اس نے کہا کہ اسکا مہر بتاؤ اب اس شخص نے لڑکی کی ماں کے پاس آدمی بھیجا اور پوچھا کہ وہ بالغ ہے یا نہین، اگر بالغ ہے اور عجاردہ کی شرط کے مطابق اسلام کی قائل ہے، تو اسے اس بات کی پروا نہ ہوگی کہ اسکی مہر کیا ہے؟ لڑکی کی ماں نے کہا کہ وہ بالغ ہو یا نابالغ وہ ماں باپ کی ولایت مین مسلمان ہے، عبدالکریم اور ثعلبہ کے سامنے یہ معاملہ پیش ہوا تو عبدالکریم نے کہا کہ قبل بلوغ کے ہم لڑکون کے ذمہ دار نہین ہین، لیکن ثعلبہ نے کہا کہ جب تک وہ علانیہ حق کا انکار نہ کرین ہم چھوٹے ہونے اور بڑے ہونے دونون حالتون مین انکے ولی ہین، جب دونون مین اختلاف ہوا تو ہر ایک دوسرے سے الگ ہوگیا، اور ہر ایک کے پیرو بھی الگ الگ ہوگئے۔[2]

---

[1] کتاب الفرق بین الفرق صفحہ ۷۰، [2] کتاب مذکور صفحہ ۸۰۔

جیسا کہ حدیث شریف مین آیا ہے، لونڈی زادون اور غیر مذہب کے لوگون نے اسلام مین بہت سی بدعات پیدا کین اور مستقل فرقون کے بانی ہوئے، فرقہ عمریہ کے متعلق علامہ ابومنصور بغدادی لکھتے ہین،

| | |
|---|---|
| هؤلاء اتباع عمرو بن عبيد بن باب مولى بني تميم وكان جده من سبي كابل وما ظهرت البدع والضلالات في الاديان الا من ابناء السبايا كما ورد في الخبر[1] | یہ لوگ عمرو بن عبید بن باب مولی بنی تمیم کے پیرو ہین جسکا دادا کابل کا گرفتار شدہ غلام تہا اور مذاہب مین بدعتین اور گمراہیان صرف لونڈی زادون کی وجہ سے پیدا ہوئین جیسا کہ حدیث شریف مین آیا ہے - |

فرقہ ہذیلیہ کی نسبت لکھتے ہین،

| | |
|---|---|
| هؤلاء اتباع ابي هذيل محمد بن هذيل المعروف بالعلاف كان مولى لعبد القيس وقد جرى على منهاج ابناء السبايا لظهور اكثر البدع منهم[2] | یہ لوگ ابوالہذیل محمد بن ہذیل علاف کے پیرو ہین جو عبدالقیس کا غلام تہا اور لونڈی زادون کے طریقہ پر چلا کیونکہ بدعات کا ظہور اکثر انہین سے ہوتا ہے - |

فرقہ ثمامیہ کا بانی ثمامہ بن اشرس نمیری تہا جو انکا غلام تہا، اسکا عقیدہ تہا کہ جو شخص جان بوجہکر خدا کی نافرمانی کرے وہ گنہگار رہے، اس عقیدہ کی بنا پر وہ جنگ مین قیدیون کے گرفتار کرنیکو ناجائز قرار دیتا تہا اور کہتا تہا کہ قیدیون نے جان بوجہکر خدا کی نافرمانی نہین کی ہے، اس عقیدہ کو لکہکر استاذ ابومنصور لکہتے ہین -

| | |
|---|---|
| فبدعة ثمامة على هذا التقدير لائق بنسبه[3] | ثمامہ کی یہ بدعت اسکے نسب کے لائق ہے - |

بہرحال عرب سے نکل کر اسلام مختلف عقاید، مختلف مذاہب، مختلف اغراض، مختلف علوم اور مختلف اقوام کے درمیان گہر گیا تہا، اور سب نے اسپر کچھ نہ کچھ اثر ڈالا، اسی بنا پر شارع علیہ السلام نے کہا تہا کہ میری امت بہتّر فرقون مین منقسم ہوجائیگی اور اسباب و واقعات نے یہ پیشینگوئی پوری کردی -

[1] کتاب الفرق بین الفرق صفحہ ۱۰۱، [2] کتاب مذکور صفحہ ۱۰۲، [3] کتاب مذکور صفحہ ۷۰ -

# مصری کھانے

مدت کے بعد مولوی عبدالرزاق صاحب ندوی نے اپنے سفرنامہ کا ایک اور باب پیش کیا ہو یہ مصر کا خوان نعمت ہے، وہ ہندوستان کا ساچٹخارا مصر مین ڈھونڈھتے تھے وہ نہین ملتا تھا جس کی تلخی اور ناگواری اس سارے مضمون مین ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایران وہندوستان کے تمدن نے ایک ساتھ ملکر ہندوستانی مسلمانون کے دسترخوان کو جسقدر پرلطف بنادیا ہے وہ دنیا مین کہین نہین ہے۔

مصریون نے لباس وپوشاک مین اگرچہ اپنی توجہ بہت زیادہ مبذول کی ہے اور ایک حد تک اسکو ترقی دی ہے، لیکن خورد ونوش مین وہ ابھی بہت پیچھے ہین، اور یہ کہنا شاید مبالغہ نہوگا کہ لذیذ کھانون سے وہ قطعًا ناآشنا ہین، ذیل مین انکے بعض مشہور کھانون کی تفصیل ملاحظہ ہو،

**فُول**، یہ ایک خاص قسم کا غلہ ہے جو مصر مین بکثرت پیدا ہوتا اور ارہر کی مانند پھلیون مین ہوتا ہی اور بڑے چنے سے بھی قدآور ہوتا ہے، فول مصریون کا نہایت ہی مرغوب ناشتہ ہے، جسے وہ بڑی عزت کی نظر سے دیکھتے اور ایک نفیس غذا تصور کرتے ہین، میرے خیال مین فیصدی دو شخص بھی ایسے نکلین گے جو روزانہ اسکا ناشتہ نہ کرتے ہون، اسمین ایک عجیب بات یہ ہے کہ ایک مرتبہ جسکے منھ لگجاتا ہے پھر نہین چھوٹتا، اسکے کھانے سے خفیف سی غنودگی اور سستی چھاجاتی ہے، اور سچ مچ انسان کو "فول" (بے وقوف) بنادیتی ہے، ابتداءً مین اس سے سخت متنفر تھا، لیکن دو ایک مرتبہ کھانیکے بعد عادت پڑگئی، اور پھر شوق سے روز اسکا ناشتہ کرنے لگا۔

مصری اُسے نہایت بری طرح پکاتے اور کھاتے ہین، پکانے کا طریقہ صرف اُبال لیتے ہین اور نمک مرچ اور بنولے کا تیل ڈال کر کھالیتے ہین، ظاہر ہے کہ جس چیز کی مٹی اس طرح خراب کیجائیگی اُسکے

مزہ کا کیا حال ہوگا؟ برخلاف اسکے جب ہم اسے ہندوستانی طریقہ سے باقاعدہ نمک مرچ اور مسالہ ڈال کر پکا نے تھے تو نہایت لذیذ ہوجاتا تھا، جس سے ہمارے مصری احباب تعجب کرتے اور چٹخارہ مار مار کر کھا جاتے، لیکن انھون نے کبھی ہم سے اس طریقہ کے سیکھنے کی کوشش نہ کی اور نہ ہمسے اُسے دریافت کیا اس سے انکی انتہائی بے پروائی اور غفلت کا اندازہ ہو سکتا ہے،

فول کا ناشتہ سب چیزون سے زیادہ ارزان یعنی صرف ۱ملیم میں بخوبی ہوجاتا ہے، فول کی دوکانین عموماً نہایت گندی ہوتی ہین، اور جس گھڑے مین وہ ابلا ہوا رکھا ہوتا ہے وہ بھی نہایت غلیظ ہوتا ہے سپرا کہ اور گرد کی تہین جمی ہوتی ہین، جسکے دیکھنے سے طبیعت بدمزہ ہوجاتی ہے، اس سے بھی بڑھکر تکلیف دہ کپڑے کا وہ گیند ہوتا ہے جو اس گھڑے کے منھ پر رکھا ہوتا ہے اسکی گندگی ناقابل بیان ہے یہی حال میز کرسی اور برتنون کا بھی ہے، مگر باین ہمہ اچھے اچھے "جنٹلمین" ان دوکانون مین باطمنان بیٹھے نظر آتے ہین، حالانکہ دیگر اشیا کی میلی دوکانون کے قریب سے بھی گذرنا یہ گناہ سمجھتے ہین، یہ عجب معا ہے، جسکا حل کرنا ذرا مشکل ہے، اور اسلئے مصر مین یہ عام مقولہ ہوگیا ہے کہ فول کھانیکا مزہ میلے برتنون اور میلی دوکانون مین ہے.

فول صرف ناشتہ ہی کے کام نہین آتا بلکہ وہ غربا کی عام غذا ہے، وہ اس سے پھلکیان، بڑے اور بعض دیگر کھانے بھی طیار کرتے ہین، اطبا، بھیگے ہوے فول کا شوربا بیمارون کو دیتے اور آسے زود ہضم بتاتے ہین، غرضکہ فول سے مصریون کو ویسی ہی الفت ہے، جیسی اہل اودھ کو ماش کی دھوئی دال سے بلکہ اس سے بھی بڑھکر، لیکن شتان ما بینھما،

**دال** - مصر مین صرف مسور کی دال پیدا ہوتی ہے، اسلئے مصری بجز اسکے اور کسی دال سے واقف نہین ہین، اور "عدس" کے لفظ سے صرف اسیکو مراد لیتے ہین، حالانکہ عربی مین یہ لفظ عام ہے اور ہر دال پر یکسان بولا جاسکتا ہے، انہین ہماری زبانی یہ سنکر تعجب ہوتا تھا کہ ہندوستان مین کئی قسم کی

ابین ہوتی ہین جنین سب سے ادنی درجہ مسور کی دال کا ہے، اتفاق سے ہمین اپنے ایک ہندوستانی دوست سے
تھوڑی سی ماش کی دال مل گئی تھی جسے ہم نے ہندوستانی طریقہ سے پکا کر مصری احباب کی دعوت کی
تو ان سے اُنھون نے انتہائی رغبت سے نوش کیا اور ہمارے مذکورہ بالا قول کی تصدیق کی،

پنیر- پنیر کو بھی مصری بہت عزیز رکھتے اور بڑے شوق سے کھاتے ہین، مصر مین کئی قسم کا پنیر مستعمل ہے
جسکی تفصیل یہ ہے،

(۱) الجبنۃ الاسلامبولی (استنبولی پنیر) یہ قسطنطنیہ مین بنتا اور وہین سے آتا ہے، اور مزہ مین نہایت لذیذ اور از حد مقوی ہوتا ہے، حتی کہ بقول اطبا کے اسمین مادہ زلالیہ کی مقدار فیصدی ۲۰ گرام ہے جو ظاہر ہے کہ اتنی مقدار مین کسی دوسری غذا مین نہین پایا جاتا، لیکن چونکہ یہ قیمتی ہوتا ہے اسلئے اسکا استعمال کم ہے

(۲) الجبنۃ الرومی - (یونانی پنیر) یہ یونان، شام اور سوئٹزرلینڈ وغیرہ سے آتا ہے مگر کسیقدر بدبودار، بدمزہ لیکن مقوی ہوتا ہے، گران ہونیکی وجہ سے یہ بھی کم کھایا جاتا ہے -

(۳) الجبنۃ البلدی (دیسی پنیر) یہ خاص مصر مین بنتا ہے، اور چونکہ اس سے مکھن نکال لیا جاتا ہے اسلئے ارزان فروخت ہوتا ہے، یہ اگرچہ مقوی نہین ہوتا تاہم کسیقدر خوش ذائقہ ہوتا ہے -

(۴) "مش" اسکا حال کیونکر بیان کیا جائے، ڈر ہے کہ لکھنے اور پڑھنے والے کوتے نہ ہوجائے کیونکہ یہ نہایت زیادہ غلیظ اور کسی طرح بھی غذا بننے کی صلاحیت نہین رکھتا، اسکے بنانیکا طریقہ یہ ہے کہ دیسی پنیر کو مشکون مین بھر کر کھد سیتے ہین اور اسوقت تک خبر نہین لیتے جب تک کہ وہ خوب سڑ کر بدبودار اور بدرنگ نہوجائے اور اسمین کیڑے نہ بجکنے لگین، اسمین تعفن اسدرجہ کا ہوتا ہے کہ کوئی سلیم النفس انسان اسے برداشت نہین کرسکتا، وہ جسقدر پرانا ہوتا جاتا ہی اُسیقدر اسکی قدر و قیمت بڑھتی جاتی ہے -

یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ یہ سراسر نجاست چوری چھپے کھائی جاتی ہوگی، نہین اسے علانیہ فخر و مباہات کے ساتھ کھایا جاتا ہے، مہمانون کی خاص طور پر اس سے تواضع و مدارات کیجاتی ہے، اور

نہین صرف اسکے تناول پر مجبور کیا جاتا ہے، تیسرے سال جب مین مصری حجاج کے ساتھ حجاز جارہا تھا تو جہاز پر ایک خوش اخلاق مصری زمیندار سے ملاقات ہوگئی جس نے ایک شب اپنے ہمراہ کھانا کھانے پر مجبور کیا، چنانچہ جب دسترخوان چنا گیا تو اسپر بھنا ہوا گوشت، عمدہ پنیر، چند قسم کا مربہ، اور حضرت "مش" بھی جلوہ افروز تھے، جنکی خوشبو فضا مین پھیل پھیل کر صحیح دماغون کو پراگندہ کر رہی تھی، میرے میزبان نے انتہائی تکلف برتکر مش کے پیالہ کو میرے سامنے رکھدیا اور کہا یون آپ نے مصر مین بہت مش کھایا ہوگا، لیکن ذرا ہمارے مش کو بھی ملاحظہ فرمائیے، جسے ہم نے بڑے اہتمام سے خاص حج کیلئے تیار کرایا ہے! پیشتر تو مین نے بطور تکلف کے اس نعمت عظمیٰ کو انہین کی طرف بڑھا دیا کہ جناب نوش فرمائین بندہ بھی شریک ہوجائیگا، لیکن جناب نے ایک نہ سنی اور خلوص و سادگی کے ساتھ فرمانے لگے آپ بہت باتکلف معلوم ہوتے ہین! کیا آپکے ملک مین میزبان کا دل دکھانا روا رکھا جاتا ہے؟ اب تو بڑی مصیبت کا سامنا تھا۔ یا الٰہی کیا کردن؟ اگر کھاتا ہون تو قے ہوتی ہے اور اگر انکار کرتا ہون تو میزبان رنجیدہ ہوتا ہے، دل مین تو کئی مرتبہ آیا کہ اس غلیظ کے پیالہ کو اٹھا کر سمندر مین پھینکدون، لیکن ایشیائی تہذیب مانع آئی، آخر یہ مصیبت اسطرح آسان ہوئی کہ زمیندار صاحب کی بینائی کم تھی اور جس جگہ مین بیٹھا ہوا تھا وہان کسیقدر تاریکی بھی تھی۔۔ان دونون چیزون سے مین نے فائدہ اٹھایا اور پیالہ کو اپنے سامنے رکھکر دکھانے کو اسمین ہاتھ ڈال ڈال کر روکھی روٹی سے شکم پری کرلی، اور مصریون کی گندی غذاون پر دل ہی دل مین ملامت کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا! -

صرف اسیقدر نہین بلکہ اگر تقریبون مین مش لوگون کے سامنے نہ پیش کیاجائے تو بڑی رسوائی ہوجاتی ہے، خصوصاً دیہاتون مین اسکا بہت لحاظ کیا جاتا ہے، عید تو اسکے کھائے بغیر ہوتی ہی نہین! چنانچہ ہمارے ہم درس مصری پہلے سال جب عید کرکے اپنے مکانون سے مدرسہ واپس ہوئے تو ہمارے لیے بطور تحفہ کے "مش" لائے تھے، لیکن جب انہین معلوم ہوا کہ ہم اس سے ویسی ہی نفرت کرتے ہین، جیسی

ملیدا سے کی جاتی ہے تو وہ ہماری بدقسمتی پر بہت متاسف ہوے کہ ہم اس نعمت (مش) سے محروم ہین:

**فسیخ** - یہ اس سڑی ہوئی مچھلی کا نام ہے جو "مش" ہی کی مانند نجس اور اسی کی طرح مرغوب طبع خاص و عام ہے، حیرت ہے کہ لوگ اسے کیونکر کہاتے اور ہضم کرتے ہین، کیونکہ اسمین بڑے بڑے سفید کیڑے رینگتے ہوتے ہین، اور تعفن اسدرجہ ہوتی ہے کہ جس دوکان مین وہ رکھی ہوتی ہے، اسکے قریب سے گذرنا بھی دشوار ہوتا ہے، لیکن مصریون کو اسکے ساتھ اسقدر انس ہے کہ وہ پہرون اسکی خریداری کیلئے دوکان پر کھڑے رہتے ہین اور بغیر لئے نہین ٹلتے، خصوصاً ایام عید مین تو عجب کشمکش اور بھیڑ بھاڑ ہوتی ہے ایک پر ایک گرتا اور پیشقدمی کرتا ہے، اور جب انتظار کرتے کرتے دیر ہوجاتی ہے تو جھنجلا جھنجلا کر دوکاندار سے کہتا ہے حرام علیک یا شیخ! اخرتنی لتو یا اللہ علیک اتنی اولا ("واہ صاحب تم نے بڑا انتظار کرایا، برائے خدا پہلے مجھے دیدو)

عیدین اور ایام مسرت مین اسکا کہانا بھی لابدی خیال کیا جاتا ہے، صرف عوام الناس ہی مین نہین بلکہ تقریباً تمام طبقون مین، چنانچہ ایک وکیل صاحب نے جو ہمارے شناساؤن مین تھے اور صفائی و پاکیزگی کے دعوے کیا کرتے تھے، عید کے روز ہماری دعوت کی، میز پر دیگر کہانون کے ساتھ فسیخ بھی موجود تھی جسکی بدبو سے دماغ پھٹا جاتا تھا، اور جسے وہ دانتون سے نوچ نوچ کر بڑی رغبت سے کہا رہے تھے، اتفاق سے انکی مونچھ مین اسکا ایک بڑا سا کیڑا اٹک گیا جسپر ایک زندہ دل ہندوستانی نے کہا، وکیل صاحب! دیکھیے یہ آپکی مونچھ مین کون صاحب رونق افروز ہین" انہون نے اسے اپنے ہاتھ سے دسترخوان پر گرادیا اور سنجیدگی سے کہنے لگے "یہ اسی فسیخ کا کیڑا ہے، آپ متعجب کیون ہین؟ کیا آپ اسے ناپاک تصور کرتے ہین، اسکے متعلق تو علماے ازہر کا فتوی موجود ہے کہ وہ نجس نہین ہے"

**زیتون** - یہ وہی زیتون ہے جسکا ذکر خیر قرآن مجید مین کئی مقام پر آیا ہے اور مصر مین بکثرت کہایا جاتا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ ہندوستانی طبعتین اسے پسند نہین کرسکتین، کیونکہ اول اول جبکہ مجھپر ہندوستانیت کا

پورا غلبہ تھا وہ مجھے نہایت بدمزہ معلوم ہوا، میرے ایک ہندوستانی دوست مقیم مصر کا بھی یہی بیان ہے چنانچہ وہ کہتے تھے کہ جس روز میں جامع ازہر پہنچا تو ایک مینی طالبعلم نے میری تواضع زیتون اور روٹی سے کی مجھے کیا معلوم تھا کہ زیتون کیا چیز ہے؟ جونہی اسکا ایک دانہ زبان پر رکھا ابکائی آگئی، اور مجھے مجبوراً اس سے دست کشی کرنا پڑی، جسپر میزبان کبیدہ خاطر ہوگیا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ زیتون اتنی بدمزہ چیز نہیں ہے جتنی ہمیں ابتدا میں معلوم ہوئی، چنانچہ بعد میں ہم اُسے بشوق کہاتے اور بہت سے مصری کھانوں پر اسے ترجیح دینے لگے، زیتون میں دہنیت اسقدر ہوتی ہے کہ جس برتن میں کچھ مقدار رکھدیجاتی ہے اسمیں روغن ہی روغن ہوجاتا ہے، اسکا پہل چھوٹی جامن کے برابر سیاہ رنگ کا ہوتا ہے جسپر لسوڑہ کی طرح چرببین پڑی ہوتی ہین، دنیا مین سب سے عمدہ، خوش ذائقہ اور قدآور زیتون ملک شام کا ہوتا ہے، اور اسکا سب سے بہتر اور خالص روغن ٹیونس سے بوتلون مین بھر کر آتا ہے،

**ترکاریان**۔ ہندوستان کی مانند مصر مین طرح طرح کی ترکاریان نہین ہوتین، صرف بیگن، گول لوکی، مٹر، آلو، کہیرا، ککڑی اور بھنڈی وغیرہ پائی جاتی ہین، مین نے اپنے زمانۂ قیام مین کبھی بھی اروی، بنڈے اور تُرئی نہین دیکھی، سیم کے درخت ہوتے مین مگر کسیکو نہین معلوم کہ اسکی پہلیان بھی کہائی جاتی ہین اسکی بیل صرف خوشنمائی کے خیال سے دیوارون پر چڑہائی جاتی ہے، ہم نے لوگون کو قصداً اس راز سے واقف نہ کیا تہا، اور اکثر دو چار پیسہ دیکر بہت سی پہلیان حاصل کرلیا کرتے تھے، جس سے اُنکو تعجب ہوتا تھا کہ ہم انہین کیا کرینگے؟ ہم کہدیا کرتے تھے کہ دوا کے واسطے انکی ضرورت ہے،

اسی طرح کچنار کے درخت بھی محض خوشنمائی کے لئے باغون مین بکثرت نصب کئے جاتے ہین اور کلیون سے فائدہ نہین اُٹھایا جاتا، ہمارے مدرسہ کے باغچہ مین بھی اسکا ایک تناور درخت تھا، فصل پر ہم نے اسکی کلیان توڑ کر پکائین، ہمارے مصری ساتھی ہنستے تھے کہ ہم ایک زہریلی چیز پکا رہے ہین لیکن تہوڑی ہی دیر بعد جب انہین اسکا مزہ معلوم ہوا تو دیوانہ وار اسپر ایسے گرے کہ تمام ہانڈی صاف ہوگئی

اور یہ فصل بھر ہمین اسکے تیار کرنے پر مجبور کرتے رہے۔

**ملوخیہ** ۔ یہ ہمارے ملک کی چولائی کی مانند ایک پتی ہوتی ہے، مصری اسپر بھی دل وجان سے فریفتہ ہین، اور روزانہ اُسکے تناول کرنیکی کوشش کرتے ہین، اور وہ اسلئے اور بھی پسند کرتے ہین کہ انکے خیال کے مطابق وہ ممسک ہوتی اور انکی عیاشی مین معاون ہوتی ہے، ہر دسترخوان پر اُسکا ہونا ضروری ہے، اور اگر مہمان کے سامنے وہ نہو تو گویا مہمانی ہی نہین ہوئی، یہ اگر سلیقہ سے ہندوستانی ساگ کی طرح پکائی جاے تو خوش ذائقہ ہوتی ہے، لیکن مصری اسکی مٹی پلید کرڈالتے ہین، اور یخنی مین اُسے شوربے کی طرح پکا لیتے ہین، نہ نمک ہوتا ہے، نہ مرچ اور نہ ترشی، اور چونکہ اس پتی مین لس بہت ہوتا ہے اسلئے تمام ہانڈی لعاب سے بھر جاتی ہے، اول اول مجھے ایک ہوٹل مین کھانا کھانیکا اتفاق ہوا اور کھانون کی فہرست مین "ملوخیہ" کو کوئی عمدہ چیز سمجھکر طلب کیا، سب سے پہلے اُسکے ہرے ہرے رنگ کو دیکھکر نفرت ہوئی، پھر جون ہی اسکا لقمہ منھ کو لیجانے لگا ایک موٹا سا تار پلیٹ سے منھ تک چلا آیا، خیر اسے بھی طوعاً و کرہاً برداشت کیا، اور ہمت کرکے لقمہ داخل دہن کر لیا، لیکن اسکا نگلنا ناممکن تھا، جسپر حاضرین بہت متعجب ہوے، اور بعض نے خشمناک نظرون سے گھورنا شروع کیا،

**گوشت** ۔ مصری گوشت کم کھاتے ہین جسکی بڑی وجہ اسکی گرانی ہے، چنانچہ دنبہ اور بکری کا معمولی گوشت دو روپیہ سیر، اور بقر کا عہ سیر فروخت ہوتا ہے، اونٹ کا گوشت اگرچہ ارزان ہوتا ہے لیکن سخت اور بدمزہ ہونیکی وجہ سے عموماً ناپسند کیا جاتا ہے، گرانی کا حال ہوٹلون مین بھی ہے، چنانچہ سادہ سالن کا ایک پیالہ جسمین چند چھوٹی چھوٹی بوٹیان ہوتی ہے، ھ؍ مین، اور ترکاری کی ایک پلیٹ جسمین صرف ایک بوٹی ہوتی ہے لہ؍ مین ملتی اور بمشکل کافی ہوتی ہے، پس ظاہر ہے کہ اس گرانی کے ہوتے ہوے عوام الناس کیونکر گوشت کا استعمال بکثرت کر سکتے ہین،

مصری گوشت کو بھی خوش ذائقہ پکانا نہین جانتے وہ بیشتر اسکی یخنی نکال لیتے ہین (جسمین چاول

پکاتے ہین ) اور پھر بوٹیون کو گھی اور پانی مین ڈال کر اُبال لیتے ہین، بیچ مین بس ہانڈی تیار ہوگئی، نہ تو گوشت ہی سرخ ہونے پایا، اور نہ اسکی بو ہی پورے طور پر دفع ہوئی، یہ حالت صرف ہماشما ہی کی نہین بلکہ اچھے اچھے باورچیون کی ہے، چنانچہ ہمارے مدرسہ کے دارالاقامہ مین عبدالکریم نامی ایک مشہور باورچی تھا، اسکا مشاہرہ علاوہ خوراک کے ۸ تھا، اور کام صرف اسقدر تھا کہ اپنی زیر نگرانی ماتحت باورچی سے عمدہ کھانا تیار کرا دے، لیکن اسکے پکوان کی بھی وہی حالت تھی جو اوپر مذکور ہوئی، مگر با این ہمہ اس احمق کو اپنی استادی اور کمال پر بڑا ناز تھا، اور جو کوئی بلا "استاد" کہے ہوئے اسکا نام لے لیتا اس سے ناراض ہو جاتا،

ہماری حالت مصر مین بالکل اس بازاری مثل کے مطابق تھی کہ "بورے گاؤن مین اُونٹ آیا، لوگون نے جانا پرمیشور آیا" ہمارا پکوان ایک عجیب چیز سمجھی جاتی تھی، اور مصری دوستون کو اکثر تمنا رہا کرتی تھی کہ ہمارے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا کھائین، اور جب کبھی ہم پکاتے ہوتے تو وہ دیدے پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے اور حیرت زدہ ہو کر مذاق مین کہتے "تم لوگ کھانے پر جادو کر دیتے ہو۔" اور میرے ایک ہندوستانی دوست مولوی عثمان صاحب ندوی (کہ جنہین اس فن سے مناسبت تھی) کو تو "دکتور فی الطبخ" یعنی ڈاکٹر آف کھا کرتے تھے، خصوصاً یہ معلوم کر کے انہین اور بھی تعجب ہو جاتا تھا کہ مصر آنے سے پہلے ہم کبھی چولہے کے سامنے بھی نہ بیٹھے تھے، کیونکہ انکو یقین تھا کہ ہم نے یہ فن ہندوستان مین بڑی محنت سے حاصل کیا ہوگا۔

ترک اگرچہ عمدہ اور لذیذ غذائین کھانیکے عادی ہین، مگر وہ بھی ہندوستانی چٹپٹے کھانون پر ریجھ جاتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ ہم نے انڈے تلے اور اپنے ایک مخلص ترک دوست کے سامنے پیش کیے، ترک اگرچہ مرچ مطلق نہین استعمال کرتے، اور ان انڈون مین اسکی اتنی افراط تھی کہ ہم باوجود عادت کے پریشان ہو رہے تھے، لیکن وہ ان پر ایسے گرے کہ بغیر تمام صاف کیے ہوئے منہ نہ موڑا، حالانکہ مرچ کی وجہ سے انکی حالت دگرگون ہو رہی تھی، چہرہ سرخ تھا، آنکھون سے آنسو جاری تھے، ناک سے پانی ٹپک رہا تھا، جسم پسینہ سے عرق عرق ہو رہا تھا اور منہ سے "فوہ، فوہ" کی آوازین نکل رہی تھین، مگر کیا مجال کہ

ہاتھ رک جائے، بالآخر اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں سخت تکلیف اٹھانا پڑی، اور کئی روز تک خونی پیچش میں مبتلا رہے، اسکے بعد اکثر بطور مذاق کے کہا کرتے "تمہارے ہندوستان میں بچھو پڑے ہوئے تھے جنھوں نے مجھے کاٹ کھایا تھا"

استاذی حضرت سید رشید رضا صاحب قبلہ ہندوستان کی مہمان نوازی کی بہت سی تعریفیں کیا کرتے تھے، نیز انہیں اسکے لذیذ کھانوں کا تذکرہ بھی بڑی رطب اللسانی سے فرمایا کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ ارشاد کیا "جو زردہ چاول (مزعفر سے مراد ہے) میں نے علی محمد خان" (راجہ صاحب محمود آباد) کے یہاں کھائے تھے وہ ابتک مجھے نہیں بھولتے، اگر مجھ سے ممکن ہوسکے تو پکاؤ، لیکن افسوس ہے کہ ہم اس میدان کے مرد نہ تھے

**کھانے کا طریقہ** - شہری باشندے عموماً میز کرسی پر کھانا کھاتے، اور فرش پر بیٹھنا صرف معیوب ہی نہیں بلکہ تعجب انگیز سمجھتے ہیں، حضرت سید صاحب قبلہ اکثر فرمایا کرتے تھے، ہندوستان میں مجھے یہ دیکھکر بڑی مسرت ہوئی کہ ہندوستانیوں نے عرصہ دراز سے مغربیوں کے زیر اثر ہونیکے باوجود بھی بہت کچھ اپنے قومی اخلاق و عادات اور مراسم کو برقرار رکھا ہے، اور ابتک اُن پر مضبوطی سے قائم ہیں، جن سے یقین ہوتا ہے کہ وہ فنا ہونیوالی قوم نہیں ہیں، جب میں اُنکے بڑے بڑے امراکو فرش پر دسترخوان پر بچھائے ہوئے دیکھتا تھا تو مجھے از حد خوشی ہوتی تھی، (ناظرین ذرا اس مضمون پر غور کریں)

چھری کہانٹے کا رواج مغربی تہذیب کے شیدائیوں میں عام ہے، لیکن بیچارہ عوام الناس ہاتھ ہی سے کھاتے ہیں، البتہ چاول ہر طبقہ میں چمچ ہی سے کھائے جاتے ہیں، اور چاہیئے بھی یہی، برتن عموماً یعنی تانبینی اور شیشہ کے ہوتے ہیں، مٹی، تانبے اور پیتل کے برتنوں کا رواج مفقود ہے، البتہ تانبے کے بڑے بڑے برتن مثل پتیلیاں وغیرہ ہوتی ہیں، کھانا عام طور پر پتھر کے کوئلوں یا پیٹرول پر پکتا ہے، کیونکہ لکڑی از حد گران ہونیکی وجہ سے ایندھن کے کام نہیں بلکہ صرف کوئلے سلگانے کے کام آتی ہے، بعض ناواقف ہندوستانی مصر کو ہندوستان پر قیاس کرکے لکڑی کا استعمال کرکے کثیر مصارف برداشت کرتے ہیں

اور پھر چند روز مین گرانی کی شکایت کرتے ہوے مصر کو خیر باد کہنے پر مجبور ہوتے ہین،

ہندوستان کی مانند مصری شہرون مین گھر گھر کھانا پکانے کا دستور نہین ہے، تقریبًا سب لوگ ہوٹلون مین کھاتے ہین، حتی کہ عورتین تک بازار ہی کے بھروسہ پر ہوتی ہین، لیکن دوکانون مین بیٹھکر کھانا کھانا اُنکے حق مین سخت معیوب سمجھا جاتا ہے اسلئے وہ مکانون پر طلب کر لیا کرتی ہین، عورتین روٹیون کا تو انتظام عمومًا گھرون ہی مین بطور خود کر لیتی ہین، جسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ آٹا گوندہ کر اور روٹیان بنا کر باورچی خانہ سے باجرت پکوا لیتی ہین، روز کا روز نہین بلکہ ہفتہ عشرہ کا بندوبست ایک ساتھ کر لیتی ہین، امرا اور زیادہ گرست لوگون کے یہان روزانہ کھانا پکتا ہے، اور شوہر دار عورتین ہر شب جمعہ کو گوشت ضرور پکاتی ہین، جسکی وجہ کبھی آیندہ بیان ہوگی۔

**عبدالرزاق ندوی**

# ادبیات

## سخن حبیب

از مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی صدر الصدور دولت آصفیہ

برطرح خواجہ حافظ شیرازی

حیات تازہ خیالِ لبت تمنا را | نوید عیش بہار رخت تماشا را
نگاہ گرم تنا بد عذار گلگونش | مگر بخواب بہ بینم جمال رعنا را
بجان شوق زنی آتشے ز تابشِ حسن | بچشم مہر فسرائی روان تمنا را
ز تاب جلوہ کند تا نگاہ را مدہوش | بنور بادہ برافروخت روی زیبا را
شکستہ رنگ گلستان بہار رخسارت | لب چو لعل تو در خون نشاندہ صہبا را
فغان کہ آن بت مشغول ہوش حسرت | بجلوہ نواز د حبیب شیدا را
کشیم منتِ بخت بلند بود در روزے | کہ در کشیم ببر آن بلند بالا را
ز شب رپیچہ تو گشت عیش شیرین تلخ | ز تاب زلف تو تارست روز لیلیٰ ما
دم کلام چو تنگ نبات بکشائی | شکر بکام کنی طوطی شکر خا را
- دلم بساغر و مینا نمی کشد حسرت | کہ برد نرگسِ مستانہ از خود ما را

## کلامِ گرامی

از جناب گرامی شاعر خاص حضور نظام دکن

پنہانم و پیدائم کیفم بشراب اندہ | پیدائم و پنہانم دانم بکباب اندہ
دیباچہ بودم ہیچ انگیز وجودم ہیچ | مضمون خیالم من پیچیدہ بخواب اندہ

آن نکتہ کہ عارف را آورد بوجد این است　　جان است بجسم اندر و یا بحباب اندر

از ہوسی من می پرس از غیر چہ می پرسی　　شوقم بسوال اندر ذوقم بجواب اندر

رمزیست حکیمانہ می خوانم و می رقصم　　خوابست بمرگ اندر و زیست بخواب اندر

در کشمکش لائیم در جذبۂ الائیم　　ہیچیم و ہمہ ائیم چون عکس بآب اندر

دیدیم گرونی را در خلد برین امشب　　ابلہ بہ بہشت اندر، دانا بعذاب اندر

## غزل جدید

از مولانا آزاد سبحانی شیخ الجامعۃ الالٰہیۃ

نقطۂ اوج تام پر ماہ تمام آگیا　　یعنی وہ چاند حسن کا بر سر بام آگیا

شکر ہے زیر احتساب آگیا نام شیخ بھی　　مشرب اہل جام میں منکر جام آگیا

پرسش لطف ظاہری سائل مدعا ہوئی　　دام فریب یار میں عاشق خام آگیا

لائق امتحان نہ تھا میں کہ تھا بے دل و جگر　　جذبۂ شوق امتحان وقت پہ کام آگیا

مدعی امتحان سے قبل دعوی امتحان غلط　　کانپ اٹھا ہوں جب کبھی جور کا نام آگیا

حاصل سعی راہ عشق آج ہی نقد جیب دل　　جان حزیں کی بانگ ہی چلیے پیام آگیا

کسکو تھی تاب میکشی ہونے دو بند میکدے　　نیت اتقا کرو، ماہ صیام آگیا

## غزل جدید

جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی

ازل سے دیکھتا ہوں جو نگہ ہے ستم قاتل ہے　　سمٹ آیا ہے دریا زہر کا پتلی میں یا تل ہے

مٹانے کو مٹا ڈالا مگر دونوں کو مشکل ہے　　کہ پہلے ایک ہی تھا اب ہر اک ذرہ نیا دل ہے

نقاب الٹو گے تم اور دیکھ لینگے دیکھنے والے　　یہ وہ باتیں ہیں جنکا کوئی قائل ہے نہ قائل ہے

رگون کا اینٹھنا ہی نزع میں تمہید آزادی
قریب ختم اب میعاد پابند سلاسل ہے

نقاب رخ الٹتے ہیں وہ دل کے داغ مٹتے ہیں
طلوع مہر ہے اور ڈوبتے تارون کی محفل ہے

تمہیں کو شر کہتے ہیں جہان دنیا ہو فریادی؟
یہی اے میر دیوان جزا کیا تیری محفل ہے

مری بیتابیون سے تم بہت ناراض رہتے تھے
لحد تک اب چلے آؤ کہ ساکن مضطرب دل ہے

شکایت بے نیازی کی کسی مدہوش سے کرنا
مگر اس رنگ میں ڈوبا ہوا خود میر محفل ہے

مکان میں یون مکین ہوتا ہی جذب اے جذبۂ الفت
جو پہلے رہنے والا دل کا تھا اب آج وہ دل ہے

یہ ذرے خاک دل کے بکھر کر دو عالم بنا ہونگے
اسی دنیا میں ہیں دنیا مگر جو ان میں داخل ہے

نگاہ ناز جس اقلیم میں فرمانروا ہوگی
وہان برق تجلی کیا سراسر خط باطل ہے

تمہیں عاذر نزاکت جان بلب اک کشتۂ حسرت
نہ تم جانے کے قابل ہو نہ وہ جینے کے قابل ہے

شکنجہ میں فلک نے کس دیا ہے غم نصیبون کو
مریں کیونکر کہ اب دم توڑنا بھی سخت مشکل ہے

فلک ہو یا ستارے حشر تک اک راز ہیں دونون
یہ چھینٹیں ہیں لہو کی اور وہ دامان قاتل ہے

بہار اسکی چمن اسکا شراب اسکی سرور اسکا
کہ دست شوق جسکا تیری گردن میں حمائل ہے

رگون کو توڑ کر اس نے نگاہیں اپنی دوڑا دیں
ازل میں مجھکو شکوہ تھا کہ محروم خلش دل ہے

سلام آخری اے ساکنان کوچۂ جانان
ہماری اور منزل ہے تمہاری اور منزل ہے

سنو ٹوٹی ہوئی قبرون سے پچھلی داستانون کو
جہان خاموشیاں کرتی ہیں باتیں یہ وہ محفل ہے

امید فاتحہ کیا ہو وہان تک کون پہنچیگا
دیار عشق میں تربت مری پایان منزل ہے

نثار اس رسم غمخواری کے شرمانے سے کیا حاصل
سرہانے بیٹھنے والے ترا بیمار غافل ہے

ردائے کعبہ کے ہر تار سے خون آج ٹپکیگا
عزیز آمادہ فریاد زخم پردۂ دل ہے

# مطبوعات جدیدہ

**حالات حسرت**، انجمن اعانت نظربندان اسلام دہلی نے مولوی سید فضل الحسن حسرت موہانی کے آغاز زندگی سے اسوقت تک کے تمام حالات اس رسالہ مین جمع کرکے شایع کئے ہین تکمیل تعلیم کے بعد سے آج تک انکی سیاسی زندگی جیسی کچھ رہی ہے، سکو تفصیل و تشریح کے ساتھ بیان کیا ہے، حسرت کے سوانح حیات مین پابندی اصول، حریت خیال اور استقلال عمل کے جو حیرتناک واقعات ہین وہ اخلاقی حیثیت سے ہمارے نوجوانون کی عملی زندگی کے لئے شمع راہ بن سکتے ہین، استبداد و حریت کی معرکہ آرائی کے مناظر یہان انکو جس کثرت سے مل سکتے ہین وہ اور کہان نظر آسکتے ہین، ضرورت ہے کہ ہمارے نوجوان ان ہمت افزا اور جرات آموز اسباق کو پڑھکر عملاً ازبر کرلین، رسالہ کی لکھائی چھپائی بہت صاف اور اچھی ہے، صفحہ ۴۰، قیمت ۴ر، صدر دفتر انجمن اعانت نظربندان اسلام فتحپوری دہلی سے طلب کیجئے۔

**جان کی دشمن مکھی**۔ مولفہ مولوی محمد اسد اللہ صاحب حیدرآبادی علیگ، جسکو سائنٹفک سوسائٹی علیگڈھ کالج نے شایع کیا ہے، اس رسالہ مین مولف نے نہایت کاوش سے مکھیون کے حالات انکے توالد و تناسل اور انکی ساخت پر علمی بحث کی ہے، اور سب سے ضروری یہ کہ مکھیون کے ذریعہ سے جو مہلک جراثیم و امراض متعدی ہوتے ہین، انکو بہ تفصیل بیان کیا ہے، تعدیۂ امراض، انتقال جراثیم، مکھی کی سنتے اور فضلہ، تپ لازم اور دیگر وبائی امراض کے اسباب پر تفصیلی بحث کیگئی ہے، جابجا امریکہ، جاپان، وغیرہ کے مشہور اطبا کی رائین نقل کی ہین، اور اخیر مین مختلف قسم کی ادویہ نیز وبائی اور مکھیون کے ذریعہ سے جو امراض پھیلتے اور بڑھتے ہین، ان سے بچنے کی تدبیرین بتائی گئی ہین، طرز ادا سادہ اور دلپسند ہے، صحت عامہ کی حفاظت اور آبادی کی آب و ہوا اچھی اور صحت بخش بنانے کے لئے اس قسم کے رسالون کی اشاعت بہت مفید ہے، مولوی محمد اسد اللہ صاحب کا شکرگذار ہونا چاہیئے کہ انھون نے اس رسالہ کی

شاعت سے ہندوستان کی غافل پبلک کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ ہے، صفحہ ۰م، قیمت ۶ر سائنٹفک سوسائٹی ایم اے او کالج علی گڈہ سے طلب کرنا چاہئیے۔

**مذہب اور تلوار،** مخالفین اسلام کا یہ مشہور اعتراض ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا مختلف حیثیتون سے بارہا اسکا جواب دیاجاچکاہے، اور سچ تو یہ ہے کہ اب اعتراض وجواب دونون اسدرجہ عام اور پامال ہوگئے ہین کہ اب انکی طرف توجہ کرنا بھی تضیع اوقات ہے، لیکن جناب مولوی اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی نے اس رسالہ مین ایک خاص اصول کو پیش نظر رکھکر اس مسئلہ پر بحث کی ہے، مصنف نے اس رسالہ مین ثابت کرنا چاہاہے کہ اسلام کی اشاعت براہین، دلائل اور اسکی حقانیت کی بدولت ہوئی مال ومتاع کے لالچ یا قوت اور تلوار کے خوف سے نہین، اس اصول کو تاریخ کی روشنی مین علانیہ ثابت کرنیکی کوشش کیگئی ہے، زیادہ تر تاریخی واقعات وہی ہین جو ہندوستان کے آغاز اشاعت سے متعلق ہین، جن سے معلوم ہوتاہے کہ مصنف نے خاص طور پر ہندوستان مین اسلام کی آغاز اشاعت کے اسباب پر توجہ کی ہے، اور یہ بتایاہے کہ ہندوستان پر مسلمانون کے حملہ کرنیکے کیا اسباب پیش آئے، تاریخی واقعات کے بیان اور اُنسے اخذ نتائج کی نسبت صرف اسقدر کہناہے کہ اگر واقعات کے صرف انہین حصون سے بحث کیجاتی جنکا تعلق براہ راست اشاعت سے ہے تو مقصد اور زیادہ صاف اور واضح ہوجاتا، بہرحال جو کچھ بھی لکھا گیاہے بہت غنیمت اور قابل داد ہے، تقطیع چھوٹی صفحہ ۸۰ ۔ قیمت ۶ر، مینجر عبرت نجیب آباد سے طلب کرنا چاہئیے۔

**کلمات طیبات،** منشی شرف الدین احمد خانصاحب مترجم "خطوط از جہنم" نے اس رسالہ مین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقولون اور چھوٹے چھوٹے حکیمانہ جملون کو جمع کیاہے، ہرجملہ کے نیچے اردو اور انگریزی مین اسکا ترجمہ بھی لکھدیاہے، اسمین شک نہین کہ سلف صالحین کے مقولون کی اشاعت وترویج مختلف حیثیتون سے مفید اور کار آمد ہے، لیکن اسکا لحاظ ہمیشہ رکھنا چاہئیے کہ جن جملون اور مقولون کو کسی بزرگ کی

طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ حقیقۃً انکے ہین بھی یا نہین، ہر زبان مین عموماً اور عربی زبان مین خصوصاً بکثرت ایسے چھوٹے چھوٹے متفرق جملے موجود ہین جو مختلف اسلاف کی طرف منسوب ہین، حالانکہ عام محاورات اور روزمرہ کی بول چال سے زیادہ انکی حیثیت نہین، بہرحال مجموعۂ نصائح ہونے کی حیثیت سے یہ رسالہ بہر نوع مفید ہے، انگریزی اور اردو دونون ترجمے صحیح اور عمدہ ہین، تقطیع چھوٹی، صفحے ۷۵، موتلف سے کھاری کوان، ریاست رامپور کے پتہ سے طلب کیجئے، قیمت غالباً ۴؍

**سیاحتِ زمین**، جس طرح بعض فسانے اور قصص وحکایات کی کتابین اخلاقی اور معاشرتی ضروریات کو پیش نظر رکھکر لکھی جاتی ہین اسی طرح یورپ مین بعض خشک علمی مسئلہ کو دلچسپ اور عام فہم بنانیکے لئے ناول کا پیرایۂ بیان اختیار کیا جاتا ہے، جس سے ایک طرف تو خشک مضامین پرلطف و دلاویز بنجاتے ہین، دوسری طرف عام قصص کی صورت مین ہونے کے باعث ہر شخص کے لئے اسقدر آسان ہوجاتے ہین کہ کسی معمولی سے معمولی فہم کے انسان کے دماغ پر بھی وہ مضامین بار نہین ہوتے، اور فلسفہ بہت دقیق و باریک تاریخی فلسفیانہ اور جغرافی نکتے اسکے آگے حل ہوجاتے ہین،

سیاحت زمین بھی اسی قسم کا ایک فرنسیسی ناول ہے جسمین ایک شخص کے اسّی دن مین تمام کرۂ ارضی کے سفر طے کرنیکا واقعہ بیان کیا گیا ہے، اسی سلسلہ مین جغرافیہ و ریاضی کے چند مسائل بتائے گئے ہین، جو یقیناً ریاضی اور جغرافیہ کی کتابون مین خشک اور دقت طلب مسائل معلوم ہوتے، لیکن اس قصہ کے سلسلہ مین ایسطرح ادا ہوئے ہین کہ ہر شخص باسانی سمجھ سکتا ہے، یہ کتاب عربی، ترکی اور فارسی زبانون مین ترجمہ ہوچکی تھی اب سید محمود اعظم فہمی صاحب نے اسکو فارسی سے ہماری زبان مین منتقل کیا ہے چونکہ اس کتاب کا زمانۂ تصنیف وہ عہد ہے جب انگریزی حکومت تمام ہندوستان پر مسلط نہین ہوئی تھی، اسلئے ہندوستان کے جغرافیہ مین کسیقدر تساہل ہے، کتاب عام طور پر دلچسپ، پیرایۂ ادا بہتر، زبان صاف اور سلیس، مترجم کی محنت بہمہ وجوہ قابل داد ہے، لکھائی چھپائی عمدہ، تقطیع چھوٹی، صفحہ ۲۲۸، قیمت عہ؍ پتہ: منیجر دائرہ ادبیہ، نخی گنج، لکھنؤ۔

| عدد دوازدہم | ماہ رمضان المبارک ۳۲ سنہ مطابق جون سنہ | جلد سوم |
| --- | --- | --- |



# مضامین



## اطلاع ضروری

۱- اس نمبر پر تیسری جلد ختم ہوجاتی ہے، اسلئے آئندہ چوتھی جلد کا پہلا نمبر وی، پی حاضر ہوگا، جن صاحبون کو خریداری منظور نہو وہ یہ رسالہ پہنچتے ہی اپنے ارادہ کی اطلاع دیدین تو بہتر ہے،

۲- نئے سال سے چونکہ معارف مین ضخامت اور مضامین کی نوعیت و کثرت مین اضافہ ہوگا اسلئے بہت سے شائقین کے حسب مشورہ رسالہ کی قیمت للعہ سالانہ کے بجائے (ﷲ) سالانہ ہوگی اور ششماہی عہ،

۳- چونکہ معارف پریس مین ایک مشین کا اضافہ ہوگیا ہے اسلئے امید ہے کہ رسالہ اپنے وقت مقررہ پر اب سے بھی زیادہ پابندی کے ساتھ شائع ہوا کریگا،

۴- جلد سوم کی مکمل فہرست جو آٹھ صفحہ پر ہے اور جلد کا سرورق جولائی کے پرچہ مین شائع ہوگا اسلئے جلد سوم کی جلد بندی مین انتظار کیجئے

مینیجر

# شذرات

ماہ گذشتہ مین علمی دنیا کے لئے سب سے اہم حادثہ یہ ہوا کہ کیمسٹری کے استاد اعظم سر ولیم کرکس نے وفات پائی، موصوف کا شمار اسوقت دنیا کے ممتاز ترین علماے سائنس مین تہا، اور ممالک برطانیہ مین تو یقیناً ان سے بڑے درجہ کا کوئی شخص اسوقت نہ تہا، کیمسٹری مین ہیلیم کا عنصر انہین نے دریافت کیا تہا اسکے علاوہ انکے متعدد اکتشافات تہے، جدید اہل سائنس کے گروہ مین شاید وہ پہلے شخص تہے جو عالم "روحانیات" کے وجود کے قائل ہوئے۔

---

انکے چند ہی روز بعد یورپ کے ایک اور نامور فاضل ڈاکٹر پال کارس نے بھی انتقال کیا، ڈاکٹر موصوف کا مولد جرمنی تہا، لیکن مسکن امریکا تہا، وہ مشرقی فلسفہ و مذاہب کے عالم تہے، اور ہندو فلسفہ و مذہب سے انہین خاص شغف تہا، چنانچہ فلسفۂ گوتم بدھ وغیرہ پر انکی متعدد تصنیفات ہین، امریکا کا مشہور فلسفیانہ رسالہ مونسٹ انہین کی ایڈیٹری مین نکلتا تہا،

---

حال مین برطانیہ کی ممتاز ترین سائنٹفک انجمن، رائل سوسائٹی نے ہمارے ہموطن ایک ہونہار بنگالی محقق کو ۷۵ پونڈ یعنی سوا گیارہ سو روپیہ کا وظیفہ اس غرض سے عطا کیا ہے کہ وہ طبعیات مین اپنی مکتشفانہ تحقیقات کو جاری رکہین۔

---

شاعری کی دنیا میں ہم نے یہ بارہا سنا ہے کہ طوفان گرد و غبار میں اکثر سوار چھپا رہتا ہے، لیکن واقعات کے عالم میں یہ مجاز کبھی کبھی حقیقت بھی بنجاتا ہے، ۱۸۸۷ء میں مدراس کے ایک غریب برہمن خاندان میں ایک لڑکا راماجن پیدا ہوا، بچپن ہی سے ریاضی سے طبیعت کو خاص مناسبت معلوم ہونے لگی، بارہ برس کے سن میں یہ حالت ہوگئی کہ ریاضی کے جو اساتذہ اسے درس دیتے تھے وہ اس شاگرد کی تشفی کرنا تو کجا خود اس سے درس لے سکتے تھے، میٹرک کا امتحان پاس کرکے یہ ہونہار فرسٹ اے میں داخل ہوا وہاں ریاضی میں اس قدر انہماک ہوا کہ امتحان کے وقت تمام دیگر مضامین میں ناکام رہا، سکنڈ اے میں ترقی نہ مل سکی، دوسرے سال پرائیوٹ امتحان میں شرکت کی، لیکن ہر مضمون میں ناکامی ہوئی، فکر معاش ناگزیر تھی، ایک سرکاری دفتر میں ۲۵ روپیہ ماہوار کی نوکری کرلی، مگر ریاضی کے مہمات مسائل کا حل برابر جاری رہا، یہاں تک کہ انگریز افسر اعلیٰ کی نظر پڑی، اس نے بعض کاغذات یورپ بھیجدیئے جواب میں لندن یونیورسٹی کے پروفیسر ہل نے نہایت فیاضانہ داد دی، اب مزید مسودات یورپ بھیجے گئے تو انہیں دیکھکر ماہرین فن دنگ رہ گئے، کیمبرج یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر ہارڈی دکیلی نے بیحد مدح و توصیف کی، بلکہ ایک صاحب نے تو یہاں تک لکھدیا کہ نیوٹن کے بعد اس دماغ کا ریاضی داں ابتک نہیں پیدا ہوا" پروفیسر ہارڈی نے اعتراف کیا کہ جو مسائل اسوقت تک یورپ کے علماء ریاضی کے نزدیک دشوار ترین تھے وہ اس شخص نے حل کردیئے ہیں، ان حیرت انگیز اسناد کو دیکھکر گورنمنٹ مدراس نے دس ہزار کا وظیفہ دو سال کے لئے منظور کیا، کہ مسٹر راماجن، کیمبرج میں رہ کر اپنے فن میں مزید کمال پیدا کریں، وہاں کے اساتذہ نے ہاتھوں ہاتھ لیا، اور وظیفہ میں ایک سال کی اور توسیع کرائی، چنانچہ یہ مدت ختم کرکے حال میں مسٹر راماجن واپس تشریف لائے ہیں، لیکن ایک دفتر کے کلرک کی حیثیت سے نہیں بلکہ بحیثیت مسٹر راماجن، فیلو ٹرنٹی کالج کیمبرج، و فیلو رائل سوسائٹی لندن، برطانیہ کے علمائے ریاضی و سائنس کے لئے رائل سوسائٹی کا فیلو منتخب ہوجانا معراج کمال ہے

اور یہ مرتبہ ہمارے مایۂ ناز ہموطن کو ۳۰ سال کی عمر مین حاصل ہوگیا،

---

انجمن ترقی اردو سے یہ دوستانہ گلہ ہمین ہمیشہ رہا، اور اب بھی ہے کہ وہ "تحفظ" اردو کی مطلق کوشش نہین کرتی، اردو مین اعلیٰ مطبوعات کی تالیف و ترجمہ کی اہمیت مین کسکو کلام ہوسکتا ہے، لیکن اسکی بقا و قیام کی تدابیر اسکی ترقی کی تدابیر پر مقدم ہین، اگر اردو کا وجود ہی نہ باقی رہا تو یہ کتابین کسکے کام آئینگی، یہ کام اگر اُسکے فرائض مین داخل نہین تو اُسکے لئے ایک جداگانہ جماعت کو تیار ہونا چاہیئے

---

کئی برس ہوے الہ آباد مین ایک انجمن ورناکیولر سائنٹفک سوسائٹی کے نام سے قائم ہوئی تھی جسکے مقاصد یہ بیان کئے گئے تھے کہ سائنس کے مختلف مسائل پر ہندی اور اردو مین سلیس و عام فہم رسالے شائع ہوا کرین گے، اور اسی نوعیت کے عنوانات پر دونون زبانون مین لکچرون کا سلسلہ بھی قائم رہیگا، سوسائٹی مذکور کا صیغۂ ہندی زندہ اور تندرست ہے، اسکے اعمال حیات کا تذکرہ اکثر اخبارات مین آتا رہتا ہے، لیکن صیغۂ اردو چند روزہ زندگی کے بعد صرف ایک رسالہ مفتاح الفنون شائع کرکے مردہ ہوگیا، اور شاید یہی نتیجہ ہونا بھی چاہیئے تھا۔

---

مسٹر برن، سی، ایس، آئی، اس صوبہ مین مستشرقانہ مذاق کے ایک مشہور علم دوست سولین ہین، سنہ ۱۶ء مین انکی کوشش سے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے نمونہ پر یوپی ہسٹاریکل سوسائٹی قائم ہوئی جسکا مقصد صوبہ متحدہ کے متعلق ہر قسم کی تاریخی، اثری، اقتصادی و لسانی تحقیقات قرار پایا، توقع یہ تھی کہ اسمین تعلیم یافتہ ہندوستانی بکثرت شریک ہونگے، اور اپنے وطن سے متعلق تاریخی معلومات مین اضافہ کرینگے، لیکن افسوس ہے کہ یہ توقع پوری نہین ہوئی، اتبک سوسائٹی کے ممبر زیادہ تر انگریز سولین ہی ہین،

اور سوسائٹی کی طرف سے جو سہ ماہی رسالہ (جرنل) نکلنا تجویز ہوا تھا، اسکے بھی اب تک کل دو نمبر شائع ہوئے ہین، اسمین بھی مضامین تقریباً سب انگریزون ہی کے قلم سے نکلے ہین، ہمارے انگریزی تعلیم یافتہ اہل وطن کے لئے مفید ملکی و علمی خدمت کا یہ بہترین موقع ہے، نادانی ہوگی اگر اس سے فائدہ نہ اٹھایا جائے۔

---

جسٹس سید کرامت حسین مرحوم اپنی آخر عمر مین "عورت" کے متعلق ایک جامع و مبسوط تالیف کی تیاری مین مصروف تھے، چنانچہ جس روز کتاب کے آخری مسودات ختم ہوئے، اسی روز روح نے بھی تن سے مفارقت کی، کتاب کا نام المرأۃ ہے، ضخامت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ مسودہ چھوٹی تقطیع پر مع اقتباسات و حوالہ جات کے دو ہزار صفحون سے زاید پر ختم ہوا ہے، کتاب کی تقسیم دو مختلف حصون مین ہے، حصہ اول کا نام الحجاب ہے، اسمین تمامتر مذہبی حیثیت سے یہ بتایا گیا ہے کہ پردہ کے کیا معنی ہین، اور اسلام نے پردہ کی کیا تعریف قرار دی ہے، حصہ دوم مین عقلی و سائنٹفک اصول پر مرد و عورت کے قواے دماغی و جسمانی مین موازنہ کیا گیا ہے اور دونون کے حدود عمل کی تعیین کی گئی ہے، مصنف مرحوم کے انتقال کے بعد یہ اندیشہ پیدا ہوگیا تھا کہ جواہر ریزے ضائع ہوجائینگے لیکن مقام مسرت ہے کہ کتاب سر راجہ صاحب محمود آباد کے قبضہ مین آگئی ہے، گو یہ ضرور ہے کہ مسودات غیر مرتب حالت مین ہین، اور اشاعت سے قبل انکی کافی تصحیح و نظر ثانی کی ضرورت ہے، بلکہ شاید درمیان سے کچھ اجزا غائب بھی ہین، راجہ صاحب موصوف کی علم دوستی سے توقع ہے کہ کتاب کی اشاعت صرف اسی صورت مین پسند فرمائینگے جو مصنف محترم کے پایۂ علمی کے شایان شان ہو۔

---

ہندوستانی علماے سائنس مین سر جے سی بوس پہلے شخص ہین، جنکی شہرت کے نقارے یورپ و امریکہ کی تمام یونیورسٹیون مین بج رہے ہین، انکے بعد دوسرے نمبر پر کلکتہ کے ایک اور نامور

سائنس دان سر پی، سی رائے ہین، پروفیسر موصوف کا خاص مضمون کیمسٹری ہے، اس فن پر انکی متعدد تصانیف ہین، اور انکے اجتہادات و اکتشافات کی داد یورپ بار ہا دے چکا ہے، حال مین برطانیہ کے مشہور ترین سائنٹفک ہفتہ وار، نیچر مین انکے کارنامون پر ایک مقالہ افتتاحیہ (لیڈنگ آرٹکل) ایک نامی وگرامی استاد فن سر ای، تھارپ کے قلم سے نکلکر شایع ہوا ہے، کاش اہل مغرب سمجھین کہ مشرق نے جن علوم و فنون مین انکی شاگردی کی ہے، ان مین ہمیشہ اسکی حیثیت محض شاگردانہ نہین رہسکتی

———— <x•x> ————

اپریل کے تیسرے ہفتہ مین ہندی کانفرنس کے دو بڑے جلسے منعقد ہوے، ایک ممالک متوسط کی صوبہ وار ہندی کانفرنس کا جلسہ کھنڈوا مین، اور دوسرا آل انڈیا ہندی کانفرنس کا بمبئی مین پنڈت مالوی جی کی زیر صدارت، اخبارات کی روایت ہے کہ دونون جلسون مین مسلمانون نے بھی شرکت کرکے اس تجویز کی تائید کی، کہ ملک کی عام و مشترک زبان ہندی ہونا چاہیئے، بعض احباب کو اس خبر پر یقین نہین آتا، لیکن اگر جامع مسجد دہلی کے منبر پر پنڈت . . . وعظ فرما سکتے ہین، تو اسمین کیا استبعاد ہے، کہ وہی . . . "ہندی پرچار" پر "اپدیش" دین، بچے جب جھنجھلاتے ہین تو اپنے کھلونے توڑ ڈالتے ہین، یا اپنے کپڑے پھاڑنے لگتے ہین، مسلمان بھی اسوقت اگر گورنمنٹ سے جھنجھلاکر اپنی قومی ہستی کو مٹا دینے پر تلے ہوئے ہین تو انہین دنیا کی کوئی قوت نہین روک سکتی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اردو کے مقابلہ مین ہندی کی ترویج و تعلیم ملکی و لسانی حیثیت سے بھی سخت مضر و قابل اعتراض ہے، ہندی اس عہد کی پیداوار ہے جو ہندوؤن کے تمدن سے بھی قبل تھا، اور جسکی ترکیب و سرشت مین صرف ہندو تمدن کا اثر پڑا ہے، وہ بھی ایک معمولی حد تک، بخلاف اسکے اردو عرب و عجم، ہند و یونان، ایران و ترکستان کے تمدنون کا عطر ہے، اور اسلئے قدرتی طور پر مقابلہ ہندی کے بدرجہا بہتر آلہ تعلیم ہو سکتی ہے۔

مڈیارڈ کپلنگ، اسوقت ایک مشہور انگریزی اہل قلم ہے، کچھ عرصہ ہوا اسے امریکہ جانے کا اتفاق ہوا وہان ہوٹل مین اسکے بکس سے کچھ چیزین نکل گئین، وطن پہنچکر اس نے مالک ہوٹل کے نام خط لکھا کہ اس نقصان کا تاوان ادا کرے، اسکا کچھ جواب نہ پاکر اس نے دوسرا خط اسی مضمون کا ذرا درشت و ناملائم الفاظ مین لکھا، اسکا بھی کچھ جواب نہ آیا، چند روز کے بعد اتفاق سے پھر اسے امریکہ کا سفر درپیش آیا، ابکی اس نے اسی ہوٹل مین جاکر زبانی دریافت کیا، مالک ہوٹل نے سخت تاسف کے ساتھ کہا کہ آپ نے ناحق خود زحمت گوارا کی آپکے خطوط سے میرا خاص نفع تھا آپکا پہلا خط لوگون نے یہان دو سو ڈالر (تقریباً اسی روپیہ) کو خرید کرلیا، اور دوسرا پچاس ڈالر اسکے مضاعف قیمت پر!

ہندوستان مین اگر مصنفین کی اتنی قدر ہوجاے تو ہوٹل والے بجز انکے شاید اور کسی کو بھی اپنے یہان نہ قیام کرنے دین!

---

## معارف کے جدید تغیرات

(۱) معارف کے کسی گذشتہ رسالہ مین ہم نے ناظرین کو اطلاع دی تھی کہ نئے سال سے معارف مین نئے سامان نظر آئینگے سب سے پہلی بات یہ ہے کہ معارف کی ضخامت بڑہا دیجائیگی، اب تک رسالہ ساڑہے تین جز پر شایع ہوتا تھا، اب آیندہ کم از کم پانچ جز پر شایع ہوگا، اور اگر حالات نے اجازت دی تو انشاء اللہ اسکا ہر نمبر ۶ صفحہ پر شایع ہوگا۔

(۲) چونکہ رسالہ کی ضخامت بڑہجائیگی اسلئے اسکی جلد ۶ نمبرون پر ختم کیجائیگی۔

(۳) مضامین کے لحاظ سے جدت خاص یہ ہوگی کہ شذرات جمین ہر مہینہ کے اہم علمی حوادث کے متعلق تبصرہ ہوگا، اسکا اندازہ پچھلے چند مہینون کے شذرات سے آپ کررہے ہونگے کہ اسکی نوعیت کیا ہوگی، مقالات وغیرہ کی سرخیون کے نیچے مشرقی ومغربی علوم ومسائل خصوصاً یورپ کی جدید

تحقیقات و مسائل و علوم و نظریات پر محققانہ مضامین ہونگے، سائنٹفک اور فلسفیانہ مضامین جو یورپ کے اہم ترین رسائل کے نچوڑ او عطر ہونگے، اور مشاہیر اہل قلم کی کوششون کے نتائج ہونگے پیش کئے جائین گے، ریویو اور تنقید کا حصہ خاص طور سے اہم ہوگا، جسمین نہایت سنجیدگی متانت اور وسعت نظر کے ساتھ ماہانہ اردو مطبوعات پر تبصرہ ہوگا، یورپ اور امریکہ کے تمام علمی رسائل کا ماہوار خلاصہ درج کرنیکی کوشش کیجائیگی، مشرقی علوم کے متعلق بھی معارف اپنا فرض فراموش نہین کریگا، اکثر نمبرون مین سیر العلم یا دنیا کی علمی رفتار کے نام سے ہر مہینہ کے اکتشافات و ایجادات و نظریات علمی کی خبرین درج کیجائینگی،

غرض معارف کا ہر نمبر، ہر مہینہ کی علمی ترقیون کا آئینہ ہوگا جسمین ہر پڑھنے والیکو یہ نظر آجائیگا کہ دنیا کی علمی سطح روزانہ کسقدر بلند ہو رہی ہے اور اُسکی ترقی کی رفتار ہر مہینہ مین کسقدر تیز ہے۔

(۴) بہترین علمی مضامین پر معارف کی طرف سے مضمون نگارون کو معاوضہ دیا جائیگا، امداد عنایت اسکے لئے نوآموز اور نومشق اصحاب قلم کوشش نفرمائین،

(۵) کیا ان حالات مین ہمارے شائقین اجازت دینگے کہ معارف کی سالانہ قیمت للعہ کے بجائے صہ کردیجائے، اور اسکی توسیع اشاعت کے لئے جسکی ہم نے عام رسائل کی رسمی درخواستون کی طرح کبھی تحریک نہین کی، ان سے کوشش کی توقع کیجائے، بغیر آمدنی مین اضافہ ہوئے ان کثیر مصارف کو رسالہ برداشت نہین کرسکتا، اگر ہمکو کسی اچھے رسالہ کی ضرورت ہے جو ہماری زبان کی وقعت و حیثیت کے مطابق ہو تو یہ خفیف اضافہ مالی امید ہے کہ ان پر گران نہ گذریگا،

# مقالات

## مساجد اور غیر مسلم

(۲)

یہی وجہ ہو کہ "ولان الخبث فی اعتقادھم" الخ کے جملہ مین حرف تعلیل نے شارحین کو مشکلات مین ڈال دیا. بعضون نے کہا "حق التعبیر حذف حرف التعلیل" اور قاضی زادہ کہتے ہین کہ اسکی ضرورت نہین - بلکہ یہ خود ایک دلیل مستقل عقلی ہے اور چونکہ اس سے پہلے نزول وفد ثقیف کا ذکر کیا گیا ہے، اور اسپر یہ شبہ وارد ہو سکتا تھا کہ "کیف انزلھم فی مسجدہ وھم کفار وقد وصفھم اللہ بکونھم نجسًا" ؟ تو مصنف نے اس کا جواب دیا کہ "ولان الخبث فی اعتقادھم" الخ لیکن اس تشریح کی سیاق عبارت سے تائید نہین ہوتی، کیونکہ سلسلۂ عبارتِ ہدایہ یون ہے "ولنا ما روی أن النبی علیہ السلام انزل وفد ثقیف فی مسجدہ وھم کفار ولان الخبث فی اعتقادھم" الخ پس "ولان الخبث" مین عطف اور تعلیل کا ہونا اسکو "ولنا" کے سلسلہ مین جوڑ رہا ہی، اگر یہ کسی اعتراض مقدر و محذوف کا جواب ہوتا تو عطف و تعلیل کا کیا موقع تھا؟ اصل یہ ہے کہ ان تمام کاوشون کی کچھ ضرورت نہین. بات وہی ہی جو اوپر بیان کی گئی، صاحب ہدایہ کی نظر شافعیہ کے دلایل پر نہ تھی، اس لیے انہون نے اپنے قیاس سے انکی تعلیل بالنجاستہ کو نجاست جسمی و جنبی پر محمول کیا، اور اسکو نقل کرکے پھر اسی سلسلہ مین جواب دیتے ہوے کہا "ولان الخبث فی اعتقادھم" الخ یعنی جب نجاستہ نجاستہ اعتقادی ہی تو اسکی بناپر ممنوع کیون ہو؟ لیکن چونکہ امام شافعی کی یہ دلیل ہی نہین ہی اس لیے اس کا یہ جواب بھی نہین ہو سکتا، البتہ عام مساجد مین دخول کے جواز کے لیے یہ صحیح تعلیل ہے اور دلیل کا کام دے سکتی ہے۔

فلا یقربوا المسجد الحرام کے متعلق ایک پانچوان مسئلہ اور باقی رہ گیا، یعنی مسجد حرام سے مقصود کیا ہے؟ صرف عمارتِ کعبہ یا اور بھی کچھ؟ تو اگرچہ ایک جماعۃ اس طرف گئی ہی کہ مقصود صرف احاطۂ مسجد

لیکن جمہور کا مذہب یہ ہی کہ "مسجد حرام" سے مقصود تمام حرم ہی۔ اور یہ از قبیل اطلاق اسم جزء بر کل ہی جسکے نظائر خود قرآن مین موجود ہین، مثلاً سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی" مین بالاتفاق مسجد حرام سے مقصود مکہ معظمہ ہے نہ کہ نفس مسجد، کیونکہ معلوم ہی کہ اسریٰ کا معاملہ آپ پر جب واقع ہوا تو آپ اُمِّ ہانی کے مکان مین تھے، نہ کہ مسجد حرام مین، اور اسی طرح مسجد اقصیٰ سے مقصود بیت المقدس ہے نہ کہ صرف ہیکل، عطاء کا قول حافظ ابن کثیر نے تفسیر مین نقل کیا ہے "الحرم کلّہ مسجد" باقی رہی مدینہ منورہ کی حیثیت شرعی کہ وہ حرم ہے یا نہین؟ تو گو بعض فقہا اس طرف گئے ہین کہ مدینہ مثل مکہ کے حرم نہین لیکن فی الجملہ اس کے حرم ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور حق وہی ہے جو ائمہ ثلاثہ و جمہور کا مذہب ہی کہ مدینہ بھی مثل مکہ کے حرم ہی اپنے تمام احکام و خصائص مین دلیل اسکی ایک سے زیادہ احادیث صحیحہ مرفوعہ ہین۔ از انجملہ حدیث علیؓ عند بخاری و مسلم و حدیث ابن ابی وقاصؓ و انس بن مالکؓ و جابر بن عبد اللہؓ و ابی ہریرہؓ وغیرہم، حافظ نووی شرح مسلم مین لکھتے ہین

ھٰذا الحدیث صریح فی الدلالۃ لمذھب مالک والشافعی واحمد والجماھیر فی حرم صید المدینۃ وشجرھا کما سبق، وخالف فیہ ابو حنیفۃ وقد ذکرھا ھنا مسلم فی صحیحہ تحریمھا مرفوعًا عن النبی صلعم من روایۃ علی وسعد بن ابی وقاص وانس وجابر وابی ھریرۃ وعبد اللہ بن زید و رافع بن خدیج وسھل بن حنیف و ذکر غیرہ من روایۃ غیرھم ایضاً۔ فلا یلتفت الی من خالف ھٰذہ الاحادیث الصحیحۃ المستفیضۃ" اھ (مسلم مع نووی مطبوعہ دہلی صفحہ ۴۴۲) یعنی یہ حدیث صریح ہے امام شافعی اور مالک اور احمد کے مذہب کی تائید مین کہ مدینہ کے لیے بھی حرم ہے، البتہ امام ابو حنیفہ نے اسکی مخالفت کی اُنکے نزدیک مدینہ حرم نہین اور مسلم نے مدینہ کی تحریم پر استدلال کیا ہی احادیث مرفوعہ سے جو حضرت علیؓ، سعدؓ، انسؓ، جابرؓ، ابو ہریرہؓ، عبد اللہ بن زیدؓ، رافعؓ، اور سہل بن حنیف کی روایات سے ثابت ہین اور مسلم کے علاوہ دیگر ائمہ نے اور راویون سے بھی احادیث

نقل کی ہین پس جب اس بارے مین اس قدر روایات موجود ہین تو اُس شخص کی بات پر کان نہ دھرد جو ان احادیث صحیح و مستفیضہ سے مخالفت کرتا ہی۔ انتہی۔ اور ان نصوص سنۃ کو صرف اس قیاس بحت کی بنا پر رد کر دینا کہ مقصود حرمت سے حرمت تعظیمی ہے نہ کہ تشریعی (جیسا کہ تورپشتی اور صاحب مرقات وغیرہما نے لکھا ہے) تو یہ صریح نص شارع کو رد کر دینا ہے محض قیاس و راے سے اور ایسا مسموع نہین اور اسیطرح حدیث ابو عمیر عند مسلم سے استدلال سو اوّل تو وہ مفید عدم تحریم نہین ثانیاً دونون مین یون توفیق ہوسکتی ہے کہ احادیث ناطق حرمۃ موخر ہین حدیث ابو عمیر سے، یا ابو عمیر کی حدیث مخصص ہے اور تخصیص سے عدم تحریم لازم نہین آتی، قالہ الشوکانی فی النیل۔ پس جب مدینہ کے لیے بھی حرم مثل مکہ کے نص سے ثابت ہوا۔ اور منجملہ احکام حدود حرم کے منع جواز دخول غیر مسلم ہی، تو معلوم ہوا کہ فلا یقربوا کے حکم مین مدینہ بھی داخل ہے اور مدینہ مین بھی غیر مسلمون کا داخل ہونا کسی حال مین جائز نہین، وھذا ھو الحق الصریح الذی لا یرتاب فیہ،

(۱۲)

ایک ضروری تذکرہ اس مسئلہ کا اور رہ گیا، یعنی مساجد مین غیر مسلمون کا داخل ہونا مطلقاً جائز ہے، یا مسلمانون کی اجازت کے ساتھ مقید ہے؟

گذشتہ صفحات سے واضح ہو چکا ہے کہ حضرۃ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلقاً جائز ہے مسلمانون کے اِذن کی ضرورت نہین۔ لیکن امام شافعی وغیرہم ائمہ کے نزدیک مسلمانون یا مسلمانون کے امام کی اجازت و طلب کے بغیر جائز نہین، ولا یتوقف جواز دخولہ علی اذن مسلم عندنا" (اشباہ والنظائر) اور اصح اور مصالح شرعیہ سے اوفق مذہب امام شافعی ہی کا ہے، چنانچہ اسی لیے اس تحریر کے عنوان مین "مسلمانون کے اِذن" کی قید لگا دی گئی ہے، ممکن ہے کہ حضرۃ امام ابو حنیفہ کے زمانے مین اس قید کی ضرورت نہو، جبکہ اسلامی حکومتین غالب حصہ ارض پر قایم تھین اور

غیر مسلم ہماری مسجدون مین حاکمانہ اور مساویانہ اقتدار کیساتھ داخل نہین ہوسکتے تھے بلکہ بحکم وَهُمْ صَاغِرُونَ محکومانہ اور مغلوبانہ۔ مگر اب ہماری حالت خصوصاً ہندوستان مین دوسری ہی۔ اور ہم کو صرف مسائل کے ایک ہی پہلو پر نظر نہین ڈالنی ہے بلکہ ہر طرف نظر دوڑانی اور صدہا پہلوؤن کا تحفظ کرنا ہے۔ اگر آج مسلمانون کے اذن وطلب ورضا کی قید نہین لگائی جائے گی تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ کل کو باہمی مخالفت وناچاقی کے زمانہ مین اس نظیر سے مخالفانہ فائدہ اُٹھایا جاے گا، اور غیر مسلمون کی ایک مخالف جماعۃ مسجد کی بےحرمتی اور نمازیون کی ایذا وضرر کے لیے مسجدون مین بے تامل داخل ہوجائے گی۔ اور اس طرح مسلمانون کی عبادت گاہین ہمیشہ کے لیے ہندوستان مین بے پناہ ہوجائین گی، بلاشبہ ایسا تو نہین کیا جاسکتا کہ ہندوستان مین غیر مذاہب کے علایق اور اُن کی تلون مزاجیان دیکھکر ہم ایک فعل جائز اور فعل نبوی کو شرعاً ناجائز بتلادین اور اسکے صدہا برکات وفوائد کا دروازہ اپنے اوپر بند کرلین۔ اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے تو وہ اصول شریعت اور آداب ووظائف افتا سے بے بہرہ ہے اور اسکو حق نہین پہنچتا کہ معاملات شرعیہ مین زبان کھولے، البتہ یہ ضروری ہے کہ قیام وبقاء احکام کے ساتھ وقت وحالات کے مقتضیات کی بھی رعایت ملحوظ رکھنی چاہیے کہ اگر ایسا نہ کیا جائیگا تو پہلی صورت سے بھی زیادہ مضرتین لاحق ہون گی۔ پس اس مین شک نہین کہ جواز دخول کو اذن مسلم سے مقید کردینا نہایت ضروری اور احکام ومصالح شرعیہ سے اوفق ہے، اور بغیر اذن کے بلاشبہ عدم جواز کا فتوی دینا چاہیے یعنی جب کبھی مسلمانون کا کوئی پیشوا یا مسلمانون کی کوئی جماعت غیر مسلم یا غیر مسلمون کی کسی صلح پسند اور دوست وحلیف جماعت کو مقاصد صالحۂ ملک وملت سے مسجد مین بلاے، یا کم از کم تقریراً انکے داخل مسجد ہونے پر راضی ہو تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہوگا۔ وہ مجلس مین شریک ہوسکتے ہین۔ خطبات ومواعظ مسجد کو سن سکتے ہین۔ جماعۃ نماز کا منظر دیکھ سکتے ہین۔ اور ضرورت ہو تو غیر اوقات صلوۃ وجماعۃ مین جائز ومستحسن امور پر پوری آزادی سے تقریر بھی کرسکتے ہین، بلکہ خود مسلمانون کو چاہیے کہ حسب ضرورت

ومعاملات معاملات مشترکہ پر انھی مجالس مسجد مین مشورہ کرین اور انکی واقفیت وتجارب سے فائدہ اُٹھائین جس طرح حضرۃ عمر مجالس شوریٰ مین بعض اوقات غیرمسلمون کو خود بلاتے تھے، اور ملکی معاملات پر ان سے مشورہ کرتے تھے، مثلاً مسائل تشخیص اقسام زمین، وتعیین جزیہ، تنظیم دفاتر، و دیوان ملکی اور بعض امور متعلق سواد عراق ومصر پر ذمیون کو بلانے اور مشورہ کرنے کے واقعات مندرجۂ فتوح البلدان وکتاب الخراج وطبری وغیرہ۔ لیکن بغیر مسلمانون کی اذن وطلب کے شرعاً جائز نہوگا، کہ کوئی غیرمسلم مسجد کے اندر داخل ہو۔ اگر داخل ہوگا تو یہ مسلمانون کے مذہبی احکام مین مداخلت متصور ہوگی، اور قطع نظر مذہب ائمۂ ثلاثہ وجمہور کے خود احادیث باب پر غور کیا جاے تو ان سے بھی یہ کہان ثابت ہوتا ہے کہ غیرمسلمون کا دخول بلا اذن ورضا، امام ومسلمین مطلقاً جائز ہے؟ وفد ثقیف کو آنحضرت صلعم نے خود مسجد مین ٹھرایا اور وفد نجران کو خود آنے اور نماز پڑھنے کی اجازت دی۔ ثمامہ بن آثال کو مسلمان گرفتار کرکے لاے اور آپکے حکم سے مسجد مین باندھ دیا۔ پس ان روایات سے بھی ثابت ہوا کہ امام وقت یا مسلمانون کی طلب واذن سے غیرمسلم مساجد مین داخل ہوے، اسی طرح آج بھی مسلمانون کو کرنا چاہیے۔ اذن کی قید کا ضروری نہ سمجھنا تو ایک طرح کی تفریط معلوم ہوتی ہے جسطرح مطلقاً منع مین تشدد وافراط ہے۔

(۱۳)

بعض اخبارات نے لکھا ہے کہ جب خود مسلمانون کے لیے جائز نہین کہ مسجد مین بلاطہارۃ داخل ہون تو ہندؤن کو بلانا اور بٹھانا کب جائز ہو سکتا ہے؟ چونکہ یہ خیالات ایسے لوگون نے ظاہر کیے ہین جنکی نسبت معلوم ہے کہ علوم دینیہ سے باخبر نہین، اسلیے اس بات پر چندان تعجب نہ ہوا لیکن اگر ایسا نہ ہوتا تو مسلمانون سے متعلق احکام پر غیرمسلمون کے احکام کو قیاس کرنا اور اس سے جواز وعدم جواز کا استنباط، اس قدر سخت نادانی ولاعلمی کی بات تھی کہ یا تو اُس پر بہت زیادہ ہنسا جاسکتا ہے یا بہت زیادہ رویا جاسکتا ہے۔ تیسری حالت کوئی نہین۔ اوّل تو تمام کتب فقہ حنفیہ مین صاف صاف لکھا ہے "ولا یمنع من دخول المسجد جنباً بخلاف المسلم" یعنی غیرمسلم اگرچہ

جنبی ہو مسجد مین داخل ہونے سے نہین روکا جائیگا، برخلاف مسلمانون کے کہ وہ احکام اسلامی کی تعمیل پر مجبور ہین اور انکے لیے بحالت جنابۃ داخل ہونا جائز نہین، ثانیاً خود مسلمانون کے لیے بھی مقیم و عابر کا جو فرق کیا گیا ہے وہ ان لوگون کو معلوم نہین "وقد جوّزوا عبور عابر السبیل جنبا"، ثالثاً تمام شور وشغب کے لیے قاطع یہ ہو کہ غیر مسلم فروع مین مخاطب ہی نہین کہ انکی نسبت احکام طہارۃ کا سوال پیدا ہو، کما تقرر فی الاصول۔ اور یہ بھی طے پاچکا ہے کہ شرعاً غیر مسلم باعتبار ذات وجسم کے پاک ہی اور لمس و مواکلۃ و مشاربۃ وغیرہ مین حکماً عام حالت طہارت جسم ولباس کی ہمارے لیے معتبر۔ اور مزید برآن معاملات طہارۃ جسم ولباس کی نسبت اگر غیر مذہبون کے مذہب مین احکام غسل وغیرہ موجود ہین، توہم ان کا طفے جلنے اور معاشرۃ کے معاملات مین اعتبار کرین گے اور معلوم ہو کہ ہندؤون کے یہان خود احکام غسل موجود و معمول بہا ہین، حتیٰ کہ اس بارے مین ان کا حال حدّ غلو و تشدد اور توہم پرستی تک پہنچگیا ہی۔ پھر جب خود صاحب شریعۃ کا کفار عرب کو مسجد مین بلانا بلکہ بطور مہمان کے ٹھرانا ثابت ہو چکا ہی، حالانکہ مشرکین عرب ہندوستان کے ہندؤون سے یقیناً زیادہ گندے اور بے احتیاط تھے اور اسی طرح اُس عہد کے رومن کیتھولک عیسائیون کو مسجد مین آنے دیا جن سے زیادہ گندی اور کثافت پسند قوم شاید ہی دنیا مین کوئی گزری ہو۔ تو پھر اب کسی مسلمان کے لیے کب جائز ہے کہ طہارۃ کی بنا پر اس معاملہ کو ناجائز بتلائے؟ کیا اُن مساجد و اہل مساجد سے بھی بڑھکر تمہارے ہندوستان کی مسجدین مقدس ہو سکتی ہین جنکے نسبت خود قرآن نے شہادت دی کہ فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ؟ اور فرمایا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ یعنی بقول اصح اور حسب تفسیر ماثور مسجد نبوی نہ کہ مسجد قبا (کما ثبت عن ابی بن کعب مرفوعاً عند احمد، وعن ابی سعید الخدری عند مسلم، والترمذی والنسائی والبیہقی والحاکم وابن منذر و ابی الشیخ وابن ابی شیبۃ وغیرہم) فیا للّٰہ ویا للعقول! جس مسجد مقدس کی بنیاد اول روز سے تقویٰ وطہارۃ پر پڑی جسکی دیوارین وحی الٰہی کا مورد و مہبط ہوئین اور جسکے نمازیون کی پاکی و طہارت کی

پر خود اللہ تعالیٰ نے گواہی دی، وہ تو کفار عبدۃ الاصنام طائف کے نزول و اقامتہ سے ناپاک نہین ہوئی اور اللہ کے رسول نے انکو ٹھرانے سے پہلے انکو غسل کر لینے کا حکم نہین دیا لیکن آج ہندوستان کی مسجدین، ہندؤن کے چار گھڑی قیام سے ناپاک ہوجائین گی، اسلیے کہ احکام اسلام کے مطابق وہ غسل وطہارۃ کرکے نہین آتے! اگر موجودہ عہد کے علماء کی فقاہتہ و افتا کا معاملہ یہان تک پہنچ چکا ہی تو پھر بجز انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ دینے کے چارہ نہین! اور شاید اسکے پڑھ دینے کا وقت مدت ہوئی کہ آچکا اور گذرچکا!

(۱۴)

جب وقت کی علمی صلاحیتون کا یہ حال ہو تو عجب نہین، بعض حضرات اس تحریر مین جابجا "ذمی" کا لفظ دیکھکر یہ شبہ وارد کرین کہ "ذمیون" سے غیر مسلمون کی ایک خاص طرح کی جماعت مقصود ہے۔ عام طور پر تمام غیر مسلمون کے لیے یہ احکام کیونکر مفید جواز ہوسکتے ہین؟ ناچار اسکی نسبت بھی چند کلمات کا لکھنا ضروری ہوا۔ اولاً تو بنیاد جواز کی جو نصوص ہین ان مین ذمی وغیر ذمی کا سوال پیدا ہی نہین ہوتا، وفد نجران کے عیسائی تحقیق حال کے لیے آئے تھے۔ ابھی اسلام کے محکوم ہی نہین ہوے تھے کہ ذمیون مین انکا شمار ہوتا، یہی حال وفد ثقیف کے ارکان کا تھا اور ثمامہ بن آثال کے ربط ساریہ مسجد کی صورت تو بالکل واضح اور عدم امتیاز ذمی وغیر ذمی کے لیے ناطق ہی، حافظ ابن حجر عسقلانی اسی روایت کی شرح مین لکھتے ہین،

"وقیل یؤذن للکتابی خاصة وحدیث الباب یرد علیه فان ثمامة لیس من اهل الکتاب"

(فتح الباری جلد اصفحہ ۴۶۳) ثانیاً کتب فقہ کی جو عبارتین نقل کی گئی ہین وہ صرف ذمیون کے متعلق نہین ہین بلکہ صریح الفاظ مشرکین وکفار کے موجود ہین، ثالثاً یہ مسئلہ متفرع ہے دراصل ایک اصولی حکم کے تصفیہ پر، یعنی اسلام نے غیر مسلمون کی جو قسمین قرار دی ہین انکے اعتبار سے ہندوستان کے ہندؤن کا شمار کس قسم مین کرنا چاہیے؟ فقہاء نے قسمین تین کی ہین۔ اہل کتاب، شبہ اہل کتاب، عامۂ مشرکین وعبدۃ الاوثان۔ اہل کتاب، اور شبہ اہل کتاب سے جزیہ قبول کرنے اور ذمہ لینے پر تو سب کا اتفاق ہی، اہل

کت ابین کے لیے نص قرآنی حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ، ناطق، اور مجوس کے لیے دکر شبہ اہل کتاب ہین) نص سنتہ کہ "سنوا بهم سنة اهل الكتاب" (اخرجہ البخاری) اور حضرت عمرؓ کا اس معاملہ میں توقف اور عبدالرحمن بن عوفؓ کی شہادت کہ خود آنحضرت صلعم نے مجوس ہجر سے جزیہ قبول کیا اور پھر باجماع صحابہ مجوسیون سے جزیہ قبول کرنا وغیر ذلک من الادلہ باقی رہی قسم عام مشرکین کی تو حضرۃ امام ابوحنیفہ اور امام احمدؒ (فی احدیٰ روایتیہ) اس طرف گئے ہین کہ مشرکین عرب سے جزیہ لینا اور انکو اہل الذمہ میں شمار کرنا جائز نہین۔ انکے لیے بجز اسلام وسیف کے تیسری صورت نہین، مگر عجم کی تمام بت پرست اقوام سے جزیہ لیا جائیگا اور ان کا شمار اہل الذمہ مین ہوگا، قاضی ابو یوسفؒ کتاب الخراج مین لکھتے ہین "وجمیع اهل الشرک من المجوس وعبدة الاوثان والنیران والحجارة والصابئین والسامرہ توخذ منهم الجزیة ماخلا اهل الردة من اهل الاسلام واهل الاوثان من العرب فان الحکم فیهم ان یعرض علیهم الاسلام فان اسلموا والا قتل الرجال منهم وسبی النساء والصبیان"، (صفحہ ۷۳) متن ہدایہ کتاب السیر مین ہے "وتوضع الجزیة علی اهل الکتاب والمجوس وعبدة الاوثان من العجم" مگر حضرۃ امام شافعیؒ اس کے خلاف ہین اور اصناف اہل الذمہ کو صرف اہل کتاب و مجوس مین محدود کر دیتے ہین، اور امام مالکؒ اور قاضی ابو یوسف کا یہ مذہب ہے کہ سب سے جزیہ قبول کیا جائیگا، اگرچہ عرب کے بت پرست ہون، وہ کہتے ہین کہ اگر سورۂ براۃ کے نزول اور عام تبوک کے بعد (جسمین بالاتفاق آیۂ جزیہ نازل ہوئی) مشرکین عرب کا وجود باقی رہا ہوتا تو ان سے بھی جزیہ قبول کیا جاتا اور اس مین شک نہین کہ دلائل کی قوت آخری مذہب ہی کے ساتھ ہے اور اس بارے مین امام شافعی کا مذہب نہایت ضعیف ہے۔ بہرحال فقہا حنفیہ و مالکیہ و حنبلیہ اور جمہور کے نزدیک مشرکین عجم بھی باعتبار اخذ جزیہ و قبول ذمہ شبہ اہل کتاب مین داخل ہین۔ اسیلے ہندوستان کے ہندوؤن کا شمار بھی قطعاً اسی صنف مین ہوگا اور جو بات مشرکین عرب کے لیے جائز رکھی گئی ہوگی وہ ان کے لیے بدرجہ اولی جائز ہوگی۔ اور اگر تحقیق مقام کا ایک قدم اور آگے بڑھایا جاے تو حق یہ ہے کہ ہر لحاظ اور ہر حیثیت

ہندوستان کے ہندوؤن کا شمار شبہ اہل کتابین مین ہے، اگر قسماً عبدۃ الاوثان مین، اور شبہ اہل کتابین مین
بھی مجوس سے کہین بلند تر مرتبہ رکھتے ہین، جب با وجود پرستش آتش، و عدم انضباط شریعۃ واحکام، مجوسیون
کی نسبت فرمایا "سنوابھم سنۃ اھل الکتاب"، اور با وجود پرستش کواکب صابئین کو جمہور نے مثل
اہل الکتاب کے قرار دیا، تو ظاہر ہے کہ ہندوستان کے ہندو با وجود ضبط شریعۃ واحکام، حفظ علوم و تمدن، و
ادعا، وجود صحف وکتب، محض پرستش قویٰ واشکال وصور مظاہر فطرۃ کی بنا پر کیون اہل کتاب مین سے تسلیم
نہ کیے جائین، حافظ ابن قیم صابئہ کی نسبت لکھتے ہین "انھم امۃ کثیرۃ واکثرھم فلاسفۃ، ولھم مقالات
مشھورۃ، فانھم احسن حالاً من المجوس، فاخذ الجزیۃ من المجوس تنبیہ علی اخذھا من الصابئۃ
بطریق اولی فان المجوس من اخبث الامم دیناً ومذھباً" مین کہتا ہون کہ ہندوستان کے ہندو ان
دونون قومون یعنی مجوسیون اور صابئہ سے بھی بدرجہا بہتر حالت وافضل حیثیت مذہبی ومدنی رکھتے ہین پس اگر
ان دونون کا شمار شبہ اہل کتابین مین ہوا تو یہ اشارہ ہے اس طرف کہ ہندوؤن کا شمار بطریق اولیٰ ہوگا۔
حافظ ابن المنذر نے حضرت علی علیہ السلام کا قول نقل کیا ہے "أنا اعلم الناس بالمجوس۔ کان لھم علم یعلمونہ
وکتاب یدرسونہ"، اور قاضی ابو یوسف نے بہ سلسلۂ اسناد روایت کی ہے "قال علی انا اعلم الناس بھم کانوا اھل
کتاب یقرؤنہ وعلم یدرسونہ، فنزع من صدورھم" (کتاب الخراج صفحہ ۷۴)، ولکن ضعفہ جماعۃ من الحفاظ کما
قالہ ابن القیم) یعنی مین سب سے زیادہ مجوسیون کی نسبت علم رکھتا ہون، انکے پاس علم تھا جسکو پڑھتے پڑھاتے
تھے اور کتاب (ژند اوستا) تھی جسکے درس و نظر مین مشغول رہتے تھے۔ مین کہتا ہون کہ آج ہر وہ شخص
جسکو ہندوؤن کی حالت کا علم ہے، بعینہ یہی جملہ مع شئے زاید کہہ سکتا ہے کہ کان لھم علوم یعلمونہا، وکتب
یدرسونہا، وشریعۃ یعملون بہا ولکن ضلوا عن سواء السبیل کما ضل النصاری وقالوا ان اللّٰہ ثالث
ثلاثۃ واتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللّٰہ والمسیح ابن مریم۔ وما امروا الا لیعبدوا
الٰھا واحدا سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون۔

یہی وجہ ہو کہ اورنگ زیب نے باتفاق جمیع علماء حنفیۂ ہند ہندوؤن پر جزیہ کے احکام جاری کیے تھے، نادانی و بے خبری سے ہندؤن نے سمجھا کہ یہ انکی تذلیل و تحقیر ہے، حالانکہ اگر اس وقت علماء محققین ہوتے اور وہ جزیہ کی غرض و غایت اور اہل الذمہ کے حقوق معتبر فی الشرع کو کھول کھول کر بیان کر دیتے تو ہندؤن کو معلوم ہوجاتا کہ یہ انکی تذلیل نہین ہے بلکہ وہ بہتر سے بہتر سلوک ہی جو دنیا مین کوئی حاکم قوم محکومون کے ساتھ کرسکتی ہے۔

(۱۵)

بعض مفسرین و فقہاء نے حضرۃ عمر بن عبد العزیز کا ایک فرمان نقل کیا ہو کہ انھون نے غیر مسلمون کو مسجدون مین جانے سے روکدیا تھا، حافظ ابن کثیر لکھتے ہین "قال الامام ابوعمر الاوزاعی کتب عمر بن عبد العزیز ان امنعوا الیہود والنصاری من دخول مساجد المسلمین" (جلد ۴ صفحہ ۱۷۰) لیکن جب مرفوعات کی موجودگی مین موقوفات و اقوال صحابہ حجۃ نہین تو ظاہر ہے کہ خود شارع کے نص و فعل کے مقابلہ مین صرف حضرۃ عمر بن عبد العزیز کا مجرد قول اور اجتہاد کیا وزن رکھتا ہی؟ و اذا جاء نھر اللہ بطل نھر المعقل!

(۱۶)

اس وقت مین نے حافظ ابن کثیر کی تفسیر دیکھی تو حضرت امام ابو حنیفہ کے مذہب کی موید ایک روایت ملی۔ اگرچہ فتح القدیر وغیرہ نے اس سے استدلال نہین کیا ہی، امام موصوف کا مذہب یہ ہو کہ مسجد حرام مین بھی ذمی داخل ہوسکتے ہین۔ غالباً انکے مذہب کی بنیاد یہ ہو کہ عبد الرزاق نے ابو الزبیر سے حضرۃ جابر کا قول نقل کیا ہے "انہ یقول فی قولہ تعالی انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا، الا ان یکون عبداً او احداً من اھل الذمۃ"، اسی روایت کو باختلاف الفاظ امام احمد نے بطریق حسن عن جابر مرفوعاً بھی روایت کیا ہی لیکن حافظ ابن کثیر لکھتے ہین "تفرد بہ الامام احمد مرفوعاً والموقوف اصح اسناداً" (جلد ۴۔ ۱۷۱) لیکن اس روایت سے بھی جمہور کے مذہب منع دخول پر کوئی اثر نہین پڑسکتا اسلیے کہ انما المشرکون

جس خلا یقر بوا کا نص عام و مطلق موجود ہو اور اس سے اہل الذمہ اور غلامون کو مستثنیٰ کرنا قرآن پر زیادت ہے اور جب احناف کے نزدیک ہر طرح کی زیادۃ نسخ ہے اور وہ خبر احاد مرفوع سے بھی جائز نہین،
"الزیادۃ علی الکتاب نسخ فلا یکون الا بایۃ ناسخۃ او حدیث مشہور ناص" تو پھر محض حضرۃ جابر کے قول سے حکم عام و مطلق قرآن پر کیونکر زیادہ جائز ہو سکتی ہے۔ علی الخصوص جبکہ دیگر دلائل و توطع ادعامل عہد صحابہ و خلفاے راشدین و عمل مستمرۂ اہل اسلام سلفاً و خلفاً اس کے ساتھ موجود ہی۔

(۱۷)

غالب جماعت علماء ہند کا عمل و فتویٰ فقہ حنفی پر ہے۔ اس لیے عملاً تو اس بحث کا اسی وقت خاتمہ ہو گیا جب معلوم ہو گیا کہ اس بارے مین فقہاء حنفیہ کا مذہب کیا ہی؟ لیکن تحقیق و تکمیل بحث کے لیے مناسب ہوگا اگر دیگر ائمۂ اہل اسلام کے مسالک بھی صاف ہو جائین علی الخصوص جبکہ فقہ جامع سے بے خبری اور اشتغال بہ مجرد فقہیات درسیۂ حنفیہ کی وجہ سے خلافیات مین لوگون کی معلومات کوتاہ اور بکم اکثر حالتون مین غلط ہوتا ہی۔ امام مالک رح اور امام احمد رح کی نسبت ہدایہ وغیرہ کی شروح مین تم نے دیکھا ہو گا کہ اس بارے مین انکا مذہب مطلقاً منع ہے۔ اسی بنا پر تعلیل بالنجاسۃ کے جواب مین بعض شارحین ہدایہ نے لکھا ہے کہ یہ دلیل شافعیہ کے لیے مفید نہین ہو سکتی۔ کیونکہ مسجد حرام کے علاوہ عام مساجد مین وہ بھی قائل جواز دخول ہین، البتہ مالکیہ کے لیے ہو سکتی ہے جنکا مذہب مطلقاً منع ہے۔ لیکن تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ اصلیت اس کے خلاف ہی۔ اور دراصل اصح و مفتی بہ مذہب مالکیہ و حنابلہ کا بھی وہی مذہب تفصیل ہی جو امام شافعی کا ہے، انکو مطلقاً جواز سے اختلاف ہی کہ جواز مقید بالاذن و الرضا رہے یہ معلوم ہے کہ فقہاء و ائمہ کے اقوال و مذاہب کی نسبت بے شمار مسائل مین بسا اوقات مختلف روائتین بلکہ متضاد روایات پائی جاتی ہین، اور فقہ حنفی مین تو اس کے نظائر سب سے زیادہ پائے جاتے ہین، باوجود تدوین کتب صاحبین خود صاحبین کے اقوال ظاہر الروایۃ مین کچھ ہین اور غیر ظاہر الروایۃ کتب مین کچھ۔ حتیٰ کہ کہا گیا کہ کوئی مذہب نہین جسکے مطابق کوئی نہ کوئی روایت فقہ حنفی مین نہ ملجائے۔ لیکن باین ہمہ

عمل و فتویٰ قول اصح و مفتی بہ پر ہے۔ نہ کہ مرجوح غیر معمول بہ پر۔ یہی حال دیگر ائمہ کے یہان پیش آیا، پس دیکھنا صرف یہی نہین ہے کہ اُنکے اقوال کون کون سے منقول ہین؟ بلکہ یہ معلوم کرنا چاہیے کہ ان کے یہان کی تقسیم طبقات و مسائل اور عمل و افتاء کے لحاظ سے اصح اور معمول و مفتیٰ بہ قول کون سے ہے؟ حضرۃ امام احمد رحمہ سے اس بارے مین دو قول مشہور ہین۔ ایک مین ذمیون کے لیے جائز قرار دیا ہے مگر غیر ذمی کفار کے لیے ناجائز، اور دوسرے مین تمام غیر مسلمون کے لیے جائز مگر اذنِ مسلم کی شرط دونون مین ہے۔ اور فقہاء حنابلہ کا فتویٰ و عمل اسی دوسرے قول پر ہے۔ کتاب المستوعب مین (جس پر تمام فقہاء متاخرین حنابلہ کا عمل و فتویٰ ہے) تمام اقوال جمع کر دیے ہین "ھل یجوز لکافر دخول مساجد الحل ہ علیٰ روایتین" پھر کہا "وان الصحیح من المذھب الجواز"، بلکہ بعض اکابر حنابلہ کے نزدیک تو اذن مسلم کی بھی شرط نہین ہے، اگرچہ یہ قول مرجوح ہے، آداب الکبریٰ ابن مفلح مین ہے "فی جواز دخول الکافر مساجد الحل باذن مسلم لمصلحۃ روایتان۔ وحکی بعض اصحابنا روایۃ الجواز من غیر اشتراط اذن" یہی حال فقہاء مالکیہ کا ہے۔ ایک قول مین تو مطلقاً منع ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ ذمیون کو اجازت دیجا سکتی ہے اگر مصلحت ہو، مگر غیر ذمیون کو نہین اور اکثر فقہاء مالکیہ کا فتویٰ اسی پر ہے۔ سید محمد امیر حاشیہ مجموعۃ الفقہی مین لکھتے ہین "ولیس لکافر دخول مساجد الحل ویجوز دخولہا للذمی۔ ھذا المذھب المعتمد"۔

مناسب مقام ایک واقعہ یاد آگیا، ۱۸۰۰ء مین جب نپولین بوناپارٹ نے مصر پر حملہ کر کے فتح کر لیا، اور ڈھائی برس تک فرانسیسیون کا قبضہ رہا، تو گو خود نپولین اور اکثر افسران فوج نے علانیہ جامع ازہر مین اسلام قبول کر لیا تھا، جمعہ کی نماز مین شریک ہوتے تھے، اور اسلامی نام بھی اختیار کر لیے تھے، مگر تمام فرانسیسی فوج بدستور عیسائی ہی سمجھی جاتی تھی اور اکثر اوقات مسجدون مین داخل ہو جاتی تھی، اس پر یہ بحث چلی کہ غیر مسلمون کو مساجد مین آنے دینا چاہیے یا نہین؟ ازہر کے بعض علماء مالکیہ نے کہا کہ جائز نہین۔ لیکن شیخ عبد الرحمان جبرتی صاحب تاریخ عجائب الآثار نے ایک خاص رسالہ لکھکر ثابت کیا کہ مالکیہ کے مذہب مین بھی اذن و اجازت اہل اسلام کی شرط کے ساتھ جائز ہے، پس بغیر مسلمانون کی اجازت کے عیسائی داخل نہون، اجازت لیکر رعایتِ احترام و تعظیم مسجد کے ساتھ داخل ہو سکتے ہین

یہ پورا ماحصل شیخ عبداللہ شرقاوی نے تحفۃ الناظرین میں لکھا ہے جو اسوقت شیخ الازہر تھے، مگر کتاب مذکور اسوقت میرے پاس نہیں۔

(۱۸)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بلاد اسلام غیر مسلمون کے حق مین تین حالتین رکھتے ہین:

اولاً حرم، تو جائز نہیں ہے کہ کسی حال مین بھی غیر مسلم کو داخل ہونے کا موقع دیا جاے خواہ ذمی ہو خواہ متامن۔ اور کوئی قیاس اور تعلیل بالمصلحۃ وغیرہ اس بارے مین مسموع و مقبول نہیں، لظاہر الآیۃ فلا یقربوا المسجد۔ و بہ قال الشافعی و احمد و مالک والجمہور من السلف والخلف والعمل علی ذلک، والمدینۃ حرم مثل حرم مکۃ۔ اور اگر کسی غیر مسلم حکومت کے غیر مسلم سفرا آئین یا اور کوئی ایسی ہی ضرورت پیش آجاے اور امام حرم مین ہو، تو انکو اندر بلانا جائز نہیں، بلکہ چاہیے کہ خود حدود حرم سے باہر نکلکر اُن سے ملاقات کرے، او یبعث الیہم من یسمع رسالتہم خارج الحرم اور گو حنیفہ کا قول اس کے خلاف ہے مگر عمل انکا بھی اسی پر رہا ہے اگر مسلمانون کی لاعلمی مین کوئی غیر مسلم بہ تلبیس و فریب داخل ہوگیا ہو تو بمجرد علم اس کا اخراج واجب ہوگا،

ثانیاً جزیرۂ عرب "ما احاط بہ بحر الہند والشام ثم دجلۃ والفرات او ما بین عدن اَبْیَنَ الی اطراف الشام طولاً، و من جُدّۃ الی ریف العراق عرضاً" (قاموس) وقال ابن الکلبی "جزیرۃ العرب من اقصیٰ عدن الی ریف العراق فی الطول، و اما فی العرض فمن جُدّۃ وما والاہا من ساحل البحر الی اطراف الشام، وتبوک من الحجاز"، تو اس کا حکم یہ ہے کہ امام و خلیفہ کی اذن سے غیر مسلم داخل ہو سکتے ہین۔ لیکن ایک مسافر کے قیام سے زیادہ ٹھیرا ؤ اور توطن جائز نہیں یعنی زیادہ سے زیادہ تین دن تک خاص حالتون مین امام وقت اس سے زیادہ دنون کی بھی اجازت دیسکتا ہے، مثلاً سفرا دول و ارباب صناعۃ وغیرہ کو لیکن تمکین قیام اور توطن و تقریر شرعاً جائز نہیں۔ خواہ ذمی ہون۔ خواہ متامن لوصیتہ صلعم "اخرجوا الیہود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب" وغیر ذلک من نصوص السنۃ فی ہذا الباب ومنہا ما روی عن عمر بن الخطاب رض انہ سمع رسول اللہ صلعم یقول "لاخرجن الیہود والنصاریٰ

من جزیرۃ العرب حتی لا ادع الا مسلماً" واجلاء عمرؓ فی خلافتہ باجماع الصحابہ" اور اس نص صریح کے خلاف صحابہ میں تابعین کوئی تاویل قیاسی و رائی مسموع و مقبول نہین اور وہ استنباط علت مصلحت یا بطور کہ اگر کوئی مصلحت مقتضی تقریر اہل کتاب کفار عرب کی ہو تو اخراج و منع توطن ضروری نہین محض رد و ابطال نصوص مجرد ظن درائے بحت ہے اور گو حکم اخراج و حکم منع قیام و ورائے کی خلاف ہو لیکن قیاس صحیح و صالح اور حکمت عقلیہ صادقہ کے ابداً خلاف جس طرح شریعت کا کوئی حکم قیاس صحیح کے خلاف نہین ہے۔ یہ موقع اس کی تفصیل کا نہین، مگر سورۂ براۃ کی تفسیر مین اس مسئلہ کو پوری تفصیل کے ساتھ لکھ چکا ہون۔ افسوس کہ صدیون سے اسلامی حکومتون کا عمل اس حکم صریح شارع کے برخلاف چلا آرہا ہے۔ علی الخصوص حکومۃ عثمانیہ نے جزیرۂ عرب مین غیر مسلمون کو علانیہ و قانوناً تمکین و توطن و تقریر کی اجازت دیدی اور اس سے بھی بڑھکر یہ کہ عین جدہ مین کہ نہ صرف جزیرۂ عرب بلکہ حدود حجاز مین داخل ہے۔ غیر مسلمون کی تقریر و تمکین سے کچھ تعرض نہین کیا گیا، اور یہ نتیجہ ہے کتاب و سنۃ سے بُعد، اور علوم اصلیہ قرآن و حدیث کے ترک و ہجر کا، اور علی الخصوص علماء اتراک کے فقیہانہ جمود و تنگی نظر کا، کہ بلا نظر و تحقیق صرف فقہ حنفی کی روایات پر قوانین ملکی و سیاسی کا دار و مدار ٹھہرایا اور نصوص سنۃ کی اس بارے مین کچھ پروا نہ کی۔ فقہاء حنفیہ کے نزدیک تو غیر مسلمون کا اخراج خود حدود حجاز بھی سے واجب نہین۔ تا بہ جزیرۂ عرب چہ رسد؟ اس غفلت و جہل اور ترک احکام شریعۃ و رد وصیۃ نبوی و سنۃ خلفاء راشدین و تشبث بہ آراء و قیاسات رجال سے جو نتائج مہلکہ پیدا ہوئے، اور جنکا معاملہ اب آخری حدِ ظہور و بلوغ تک پہنچ چکا ہے وہ دنیا کے ہر باشندے کے سامنے ہین، حاجت بیان کی نہین۔ البتہ بن پڑے تو ترک عمل بالکتاب والسنۃ کے عقوبۃ و عذاب پر ماتم کرنا چاہیے، وَاِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا! فی الحقیقت ترک عمل بالکتاب والسنۃ ہی کا وہ فتنۂ اصلیہ و اساسیہ ہے جو آج صدیون سے ہادم ملۃ اسلامیہ و محقق بد و غربۃ اسلام، و سبب تفاقم امر و اشتداد بأس، و مبدء "ظہر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس"، و مولد ہمہ مفاسد و مہالک و باعث جمیع نوازل و زلازل و قلاقل، قرناً

جوقرنِ و تارۃً بعد اُخریٰ ہو رہا ہے ، والناس فی غفلۃ معرضون ۔ مَا یَاْتِیْھِمْ مِّنْ ذِکْرٍ مِّنْ رَّبِّھِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْہُ وَھُمْ یَلْعَبُوْنَ ۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون ! آج ہر طرف لوگ اسباب تنزل و تسفل امتہ پر بحث کر رہے ہین مگر خواص امتہ اور مدعیان اصلاح و امامتہ فی الدین تک کو معلوم نہین کہ اصلی سبب تمام نوازل و مصائب کا کیا ہے کاش اللہ تعالیٰ اس حقیقت کے فہم کے لیے اب بھی دلون کا انشراح فرما دے کہ جن جن چیزون کو سبب سمجھ رکھا ہے وہ خود کسی علۃ اصلی کی فرع ہین ، علۃ اصلیہ نہین ہین ۔ اصلی علۃ اول روز سے ایک ہی رہی ہے اور آج تک ایک ہی ہے یعنی ترک عمل بالکتاب والسنۃ اور اقتصار برمجرد روایات فقہیہ و التزام تمذہب وجوباً ، و سدِ باب نظر و اجتہاد و تفقہ فی الدین ۔ ایک واضح نظیر اسکی یہی مسئلہ تقریر کفار در جزیرۂ عرب و عدم وجوب اخراج اہل کتاب ہے جس پر محض بربنا تقلید فقہا حنفیہ سلاطین اہل اسلام عمل کرتے رہے ، اور نص رسول کو مقابلۂ آرا و قیاسات رجال پس پشت ڈالدیا ۔ اس کا تخم اوائل ہی مین پڑچکا تھا ، لیکن آج برگ و بار مسلمانون کے سامنے ہین ، اور ہر ذی عقل موجودہ حالات کو دیکھکر فیصلہ کرسکتا ہے کہ حق وہ تھا جو اللہ کے رسول کی وصیۃ اور متبعین ظواہر نصوص کا مسلک تھا یا حق یہ ہے جو ارباب آرا و تاویلات قیاسیہ نے اختیار کیا ؟ باایں ہمہ اب تک بدستور تشخیص مرض سے اعراض اور تجویز و تنفیذ علاج سے جہل و اغماض ہے ۔ آج کون ان مسلمانون کو جو ایک ہی صراط مستقیم کو چھوڑکر سُبُلِ متفرقہ مین بھٹک گئے ہین ، یہ بتلائے کہ راہ فوز و مکافاتِ ما سلف وہ نہین ہے جسکا غلغلۂ و ہنگامہ ہر طرف مچایا جا رہا ہے ۔ بلکہ صرف ایک ہی تھی اور ایک ہی ہے یعنی بحکم " عضوا بالنواجذ " اعتصام بالکتاب و السنۃ اور بتعمیل وصیۃ نبوی بہ حذیفہ کہ " فاعتزل تلک الفرق کلھا و ان تعض باصل شجرۃ " ( رواہ البخاری ) ترک ما سواھما و ان تعضوا باصل شجرۃ !

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار … بگذارند و خم طرۂ یارے گیرند !

بہرحال دوسری قسم بلاد اسلامیہ کی بحث کفار جزیرۂ عرب ہے جسکی نسبت شریعۃ حقہ کا حکم وہ تھا اور مسلمانون نے عمل یہ کیا ۔ اور اسکی پاداش مین وہ سب کچھ ہوا جو ہوچکا ہے ، اور وہ سب کچھ ہونا ہے جو

ہورہا ہی، تا از پردۂ غیب چہ روی دہد، ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا !

ثالثاً تمام ممالک اسلامیہ و بلاد محکوم بحکومت اسلام تو ان کا حکم یہ ہی کہ غیر مسلمون کو (خواہ اہل کتاب ہون یا غیر اہل کتاب) اُن مین توطن و قرار کا موقعہ دینا جائز ہے۔ اور اُسکی شرعاً دو صورتین ہین عہد اور امان و ذمہ اور جب کوئی جماعت ذمیون مین داخل ہوگئی تو اسکو وہ تمام حقوق امن و نظم و شہریت کے حاصل ہوگئے جو خود مسلمانون کو شرعاً حاصل ہین۔ از انجملہ یہ کہ وہ مسجدون مین داخل ہوسکتے ہین مگر امام وقت یا مسلمانونکی اجازت و رضا سے،

(۱۹)

بعض صاحبون نے اس سلسلے مین یہ بھی لکھا ہو کہ مسجد صرف عبادۃ کے لیے ہی اس لیے اس قسم کی مجلسین وہان منعقد کرنا جائز نہین ہے۔ یہ بات پہلے بھی بارہا کہی گئی ہے اور ایک بار سے زیادہ مرتبہ اس بارے مین بالتفصیل لکھ چکا ہون یہان اس قدر اشارہ کر دینا کافی ہے کہ "مسجد عبادۃ کے لیے ہے" اسکا مطلب کیا ہی؟ اگر یہ مطلب ہے کہ "انما بنیت المساجد لما بنیت لہ" (مسلم عن ابی ہریرہ) اور "وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا" تو یہ حق ہے اور اس سے کسی کو انکار نہین۔ لیکن اگر مقصود یہ ہو کہ بجز نماز کے اس مین اور کچھ نہونا چاہیے تو اس قول سے بڑھکر جہل بالشریعۃ کا اور کوئی قول نہین ہوسکتا۔ یہ دواوین و اسفار ستہ اور قناطیر مقنطرہ کتب شریعۃ موجود ہین جن سے صریح و قطعی اثبات بے شمار اعمال و اجتماعات و مجالس فی المسجد کا ہوتا ہی اور بالاتفاق تمام ائمۂ اسلام نے نہ صرف اُنکے جواز بلکہ مستحسن و مسنون ہونے پر اتفاق کیا ہی۔ پھر ان سب کا کیا جواب ہوگا؟ اور نہین تو صرف صحیح بخاری ہی کے ابواب متعلق احکام مسجد دیکھ لیے جائین کہ خود آنحضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمارت مسجد سے کیا کیا کام لیے ہین؟ وفود کے نزول و قیام کی روایتین اوپر گذر چکین۔ دراصل عہد نبوی مین مسجد نبوی ہی اور تمام عمارتون کی طرح سرکاری مہانسرا کا بھی کام دیتی تھی عمارتون کی تعمیر و تخصیص عہد فاروقی سے شروع ہوئی ہی۔ اموال غنائم اور خراج و زکوٰۃ وغیرہ بھی مسجد ہی مین لائے جاتے تھے اور وہین لوگون مین تقسیم ہوتے تھے۔ عہد خلفاے راشدین مین بھی ایسا ہی ہوتا رہا، امام بخاری

نے باب باندھا ہی، باب القسمۃ وتعلیق القنو فی المسجد، اور حضرۃ انس رض کی روایت درج کی ہے کہ جب بحرین سے خراج آیا تو آپ نے حکم دیا «انثروہ فی المسجد» ای صبوہ فی المسجد، چنانچہ نماز کے بعد تقسیم کرنے بیٹھے اور مسجد ہی میں تقسیم فرمایا۔ مسجد ہی دار القضا والافتا تھی۔ بے شمار واقعات اسکی نسبت موجود ہین۔ امام بخاری نے باب باندھا ہی "القضاء واللعان فی المسجد" اور واقعہ لعان کی مشہور روایت لائے ہین۔ مسافر کا مسجد مین قیام بالاتفاق جائز ہے اور امام بخاری نے باب باندھا ہی، نوم المرأۃ فی المسجد اور اس مین بروایت حضرت عائشہ رض ولیدہ (ایک لڑکی) کے آنے اور مسلمان ہونے اور مسجد مین قیام کرنے کا واقعہ لائے ہین، «فکانت لہا خباء فی المسجد» خبا یعنی خیمہ۔ حضرۃ عبد اللہ بن عمر رض کہتے ہین کہ مین نوعمر و مجرد تھا۔ اکثر مسجد مین سوجایا کرتا تھا۔ حضرۃ علی کا مسجد مین سونا اور آنحضرۃ کا آکر «قم یا ابا تراب» کہنا معلوم ہی۔ مسجد نبوی ہی فقرا و صعالیک کی دار الاقامۃ اور متعلمین قران و شریعت کے لیے درسگاہ تھی۔ اصحاب صفہ کے تلقب کا سبب یہی ہی کہ مسجد مین انکے لیے ایک صفہ (چبوترہ) تھا، جہان شب و روز پڑے رہتے تھے، امام بخاری ابو ہریرہ رض کی روایت «نوم فی المسجد» مین لائے ہین کہ اصحاب صفہ مین سے مین نے ستر آدمیون کو دیکھا جنکے جسم پر پورا کپڑا بھی نہ تھا۔ مسجد نبوی مین علاوہ جماعۃ صلوۃ کے ہر طرح کی مجلسین اور صحبتین منعقد ہوتی تھین۔ آنحضرۃ صلعم کی نشست اکثر اوقات یہین رہتی تھی اور تعلیم و صحبت و صدور احکام و مشورہ و معاملات وغیرہ، جو کچھ ہوتا تھا یہین ہوتا تھا، جو لوگ کہتے ہین کہ "مسجد صرف نماز کے لیے ہے" انسے پوچھنا چاہیے کہ فوجون کی طیاری اور ترتیب انکے لیے مالی اعانات کی فراہمی، مفتوحہ بلاد کے ملکی انتظامات وغیرہ، انکی اصطلاح مین کس قسم کے کام ہین؟ نماز یا غیر نماز؟ دینی، یا سیاسی؟ صریح و قاطع روائتین موجود ہین کہ یہ تمام امور مسجد ہی مین انجام پاتے تھے، حمایت و نصرۃ حق مین نظم و نثر کا پڑھنا اور لوگون کا جمع ہوکر سننا کس قسم کا عمل ہے؟ لیکن معلوم ہے کہ مسجد نبوی مین حضرت حسان بن ثابت رض اپنے قصائد سناتے تھے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سنتے اور خوش ہوکر دعا دیتے تھے «اللہم ایدہ بروح القدس»، حسان نے اسپر ابو ہریرہ رض سے تصدیق چاہی اور انہون نے کہا سچ ہے، امام بخاری نے اسی روایت سے

جواز انشاد شعر فی المسجد کا استنباط کیا اور اس کے لیے ایک باب باندھا ہے، اور ترمذی میں حضرۃ عائشہؓ کی روایت ہے
کہ "کان رسول اللہ صلعم ینصب لحسان منبرا فی المسجد فیقوم علیہ یہجو الکفار" یعنی آنحضرۃ صلعم
حسانؓ کے لیے مسجد میں ممبر رکھواتے اور وہ اس پر کھڑے ہو کر کفار کی ہجو میں اپنے اشعار سناتے۔ حضرت شیخ عبد القادر
جیلانی رحمۃ اللہ علیہ غنیۃ الطالبین میں لکھتے ہیں، "لا باس بانشاد شعر فی المسجد خال من سخف وھجاء
المسلمین" ثم قال "والاولی صیانۃ عنہا الا ان تکون من الزھدیات فیجوز الاکثار لان المساجد
وضعت لذکر اللہ" علامہ سفارینی شرح منظومۃ الآداب میں لکھتے ہیں "قلت ومثل الزھدیات بل اولی ما فیہ
مصلحۃ للمسلمین من ھجو اعداء اللہ وتحریض المؤمنین علی اتباع الحق والاجتناب عن السیئات" (جلد ۲
۲۵۸-) اور آنحضرۃ کے نماز صبح کے بعد مصلی پر کچھ عرصہ تک تشریف فرما رہنے والی روایت میں بعض صحابہ نے
کہا کہ ہم لوگ نماز کے بعد ٹولیاں بنا کر بیٹھ جاتے تھے اور عہد جاہلیت کے واقعات کا ذکر کیا کرتے تھے۔ آنحضرۃ صلعم
دیکھتے اور کبھی کبھی متبسم ہو جاتے۔ اور ثوبان کی روایت متضمن منع انشاد شعر کہ "من رأیتموہ ینشد شعرا فی المسجد
الخ" تو بالاتفاق اس سے مقصود اشعار نسیب و معاشقہ و مطالب جاہلیہ ہیں نہ کہ نفس انشاد شعر، جمعاً بین الاحادیث، عہد
نبوی میں مسجد ہی شفاخانہ کا کام دیتی تھی۔ امام بخاری نے باب باندھا ہے "باب الخیمۃ فی المسجد للمرضیٰ وغیرھم"
جنگ خندق میں سعدؓ زخمی ہوئے تو آنحضرۃ صلعم نے مسجد میں خیمہ نصب کرا دیا اور اسی میں رکھا تاکہ قریب رہیں۔ جو لوگ
کہتے ہیں کہ مسجد میں بجز نماز کے اور کچھ نہیں ہونا چاہیے نہیں معلوم وہ لعب حبشہ والی روایت کو سنکر کسقدر متعجب ہونگے؟
امام بخاری نے تو ایک خاص باب ہی اس واقعہ کی بنا پر باندھ دیا، باب اصحاب الحراب فی المسجد، الحراب
بالکسر جمع حربہ، نیچے حضرۃ عائشہؓ کی روایت لائے ہیں "لقد رأیت رسول اللہ صلعم یوما علی باب حجرتی
والحبشۃ یلعبون فی المسجد" دوسری روایات میں یہ واقعہ مفصل مذکور ہے اور بوجہ شہرت احتیاج ذکر
نہیں۔ حافظ عسقلانی اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں "وفی بعض طرق ھذا الحدیث ان عمر انکر علیھم
لعبھم فی المسجد فقال لہ النبی صلعم دعھم" (فتح الباری مصری جلد اصفحہ ۲۵۷) بلا شبہ ان واقعات میں

بہت سے واقعات ایسے تھے جو اوائل مین عارضی طور پر احتیاجاً وقوع مین آئے اور اب بحالت اعتیاد والتزام انکو ممنوع کہا جائیگا؛ مثلاً یہی آخری واقعہ۔ لیکن مقصود ان واقعات کے نقل کرنے سے یہ ہو کہ یہ جو بار بار کہا جاتا ہے کہ مسجد صرف نماز کے لیے ہے تو اسکو سوچ سمجھکر کہنا چاہیے۔ یہ نہین کہ جو منہ مین آیا کہدیا اور جو بات اپنی ہوا و خواہش کے خلاف ہوئی اسکو جھٹ ناجائز بتلادیا۔ یہ معلوم ہو کہ مسجد اللہ کی عبادۃ اور ذکر کے لیے ہے، لیکن مسجد کا نماز کے لیے ہونا کب اس سے مانع ہو کہ تبعاً دیگر مقاصد صالحہ وحقہ کے لیے استعمال مین لائی جائے؟ اور ذکر کا مطلب ہی لوگون کو معلوم نہین۔ قرآن کی زبان مین ہر قول و فعلِ حق ذکر ہے، اور معاملات خدمت نوع و ملت و ہدایت و اصلاح امم و دفع جور و اعتداء اعداء حق تو عین ذکر کے مدلول مین داخل ہے اور دلیل اسکی خود آنحضرۃ صلعم اور صحابہ و خلفاے راشدین مہدیین کا عمارت مسجد کو تمام مقاصد ملیہ و اجتماعیہ صالحہ کے لیے بالاتفاق کام مین لانا ہو۔ آنحضرۃ صلعم کے طرز عمل کے لیے گذشتہ اشارات کافی ہین۔ صحابہ کرام کا جو حال رہا وہ اس باب مین سب سے زیادہ واضح و قاطع اور علی الخصوص اجتماعات حاضرہ کے لیے پوری طرح اسوہ حسنہ ہو۔ اسلامی حکومت کی پارلیمنٹ ہمیشہ مسجد نبوی ہی رہی۔ یہی مشورۃ گاہ اعیان ملت و اصحاب حل و عقد و عامۂ اہل اسلام بھی جسمین سارے ملکی و سیاسی و مالی معاملات فیصل ہوتے اور انجام پاتے تھے۔ حضرۃ عمرؓ کے زمانہ مین جب کبھی کوئی اہم مشورہ طلب معاملہ پیش آتا تھا تو ایک آدمی مقرر تھا (غالباً مؤذن) جو شہر مین باین الفاظ اعلان کرتا "الصلوٰۃ جامعۃ" یہ سنتے ہی لوگ مسجد مین جمع ہونا شروع ہو جاتے۔ جب تمام لوگ آچکتے تو حضرۃ عمرؓ حاضرین کو مخاطب کرتے اور مشورہ طلب معاملہ کثرت رائے سے طے پاتا (طبری مطبوعہ مصر جلد ۵۔ ۱۵۳) حضرت عمرؓ نے مہاجرین کی ایک خاص مجلس شوریٰ بھی قائم کی تھی جو اس عام مجلس کے علاوہ تھی، بلاذری نے تصریح کی ہو کہ یہ مجلس ہمیشہ مسجد ہی مین منعقد ہوتی تھی۔ مجوسیون کو اہل الذمہ قرار دینے کا مسئلہ اسی مجلس مین طے ہوا تھا۔ "کان للمہاجرین مجلس فی المسجد فکان عمر یجلس معہم فیہ ویحدثہم عما ینتھی الیہ من امر الآفاق" (فتوح البلدان مطبوعہ لیڈن صفحہ ۲۰۷)

زہری حضرت ابن المسیب سے روایت کرتے ہین کہ جب فارس سے مال غنیمت کا پانچوان حصہ حسب دستور مدینہ پہنچا تو حضرۃ عمرؓ نے حکم دیا کہ مسجد مین رکھا جاے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ رات بھر بعض صحابہ نے پاسبانی کی دوسرے دن تمام مسلمان مسجد مین جمع ہوے اور مال تقسیم کیا گیا۔ کتاب الخراج مین قاضی ابو یوسف لکھتے ہین محدثنی علی بن عبد اللہ عن الزہری عن سعید بن المسیب قال لما قدم علی عمر بخماس فارس قال واللہ لا یجنہا سقف دون السماء حتی اقسمہا بین الناس فامر بہا فوضعت بین صفی المسجد وامر عبد الرحمن بن عوف وعبد اللہ بن ارقم فباتا علیہا ثم غدا عمر رضی اللہ عنہ بالناس علیہ" (صفحہ ۲۷)

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ آنحضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد خلفاء مین مسجد نبوی ہی تمام مجالس و مجامع اور معاملات ملکی از قبیل تقسیم غنایم و تجہیز جیش و انفصال مہمات کی جگہ تھی اس لیے روایات مین گو لفظ مسجد کی تصریح نہو لیکن جہان کہین مجالس کے انعقاد، بحث و مباحثہ، خطبات، مذاکرہ وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے مقصود اس سے یہی ہے کہ مسجد ہی مین وہ سب کچھ ہوا۔ حضرۃ عمر کی مجالس ملکی کا جسقدر حال قاضی ابو یوسف کی کتاب الخراج مین یکجا ملجاتا ہے شاید اور کہین نہ ملے۔ کیونکہ کتاب کا موضوع خراج و مشورہ و جزیہ وغیرہ محاصل مالیہ ہین اور تقریباً تمام مالی مسائل کا عملی انفصال حضرۃ عمرؓ کے زمانہ مین ہوا ہے۔ کتاب الخراج مین جا بجا موجود ہے۔ ان عمر جمع اناسا فقال کذا و کذا ان عمر شاور اصحاب النبی۔ ان عمر استشار الناس فقالوا کذا جمع الناس ثم قام خطیباً فقال الخ۔ اور اسیطرح عام کتب آثار و تاریخ مین تو گو ان روایات مین اسکی صراحت نہین ہے کہ یہ تمام مجلسین مسجد ہی مین ہوئی تھین لیکن چونکہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ دار الشوریٰ اور دیوان ملکی مسجد نبوی ہی تھی اسلیے ان تمام روایات مین ہر روایت ماخن بعدد کے لیے مستقلاً دلیل و شاہد ہے۔

اصل یہ ہے کہ ساری مصیبت قلت و فقدان علم اور زیغ نظر و فہم کی ہے اور اسی نے ہر معاملہ علم اور ہر وادی عمل مین آفتین برپا کر رکھی ہین۔ نظرین کوتاہ ہو گئین، معلومات درسیات و چند شروح کے اندر محدود رہے دین مین فقاہت باقی نہ رہی نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی ایک بات کان مین پڑ گئی اور دنیا جہان کا فیصلہ اُسی سے کر دیا۔

اسی حالت کی نسبت کہا گیا ہے : حفظت شیئا و غابت عنک اشیاء !

لوگون نے صرف یہ کہین دیکھ لیا ہے کہ مسجد عبادت کیلیے ہے لیکن نہ تو اس کا مطلب سمجھا ہی اور نہ سمجھنے کا انتظار کیا۔ لعب حبشہ و اصحاب الحراب والی روایت اوپر گذر چکی ہے۔ خلاصہ اسکا یہ ہے کہ مسجد نبوی کے صحن مین ایک مرتبہ حبشی ہتیارون کے ساتھ اپنا ناچ اور کرتب دکھلاتے تھے جو دراصل ایک طرح کی فوجی ورزش ہے؛ آنحضرت صلعم نے حضرت عائشہ کو حجرہ کے دروازہ سے انکا کھیل دکھایا۔ ایک روایت مین ہے کہ آپ نے اپنا دست مبارک سامنے کر دیا تھا، اسپر سے حضرت عائشہ جہانک کے دیکھتی رہین، دوسری روایت مین ہے کہ حضرت عمر رض نے ان لوگون کو روکنا چاہا تھا کہ مسجد مین کھیل کود نہ کرو، مگر آپنے فرمایا کہ نہ روکو۔ کھیلنے دو، کما مر سابقا۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہین: "فیہ جواز ذلک فی المسجد" یعنی اس سے ثابت ہوا کہ ایسا کرنا مسجد مین جائز ہے "قال واللعب بالحراب لیس لعبا مجردا بل فیہ تدریب الشجعان علی مواقع الحروب والاستعداد للعدو۔ وقال المهلب المسجد موضوع لأمر جماعة المسلمین فما کان من الاعمال یجمع منفعة الدین واهله، جاز فیہ" (فتح ۵۴۹) یعنی ہتیارون کے ساتھ کھیل محض کھیل ہی نہین ہے بلکہ ایک طرح کی مردانہ اور جنگی ورزش ہے جس سے دشمن کے مقابلہ کی استعداد بڑھتی اور شجاعت و ہمت کو تحریک ملتی ہے اسلیے آپنے اسکو مسجد مین جائز رکھا، اور مہلب نے کہا کہ مسجد بنائی گئی ہے جماعت اہل اسلام کے فائدے کے لیے پس تمام ایسے کام جو اسلام اور مسلمانون کے فائدہ کیلیے ہون اسمین جائز ہونگے۔

اوپر گذر چکا کہ امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے "الاغتسال اذا اسلم و ربط الاسیر فی المسجد" اس ترجمۂ باب کے اصل نسخۂ بخاری مین ہونے نہونے کی نسبت اختلافات ہین اور بصورۃ اثبات ترجمہ اس ترجمہ کے ربط و مطابقۃ کی نسبت شارحین نے بحثین کی ہین۔ اسی سلسلہ مین حافظ موصوف لکھتے ہین "وادعی ابن المنیران ترجمة هذا الباب ذکر البیع والشراء فی المسجد۔ قال ومطابقتها لقصة ثمامة ان من تخیل منع ذلک اخذا من عموم قوله انما بنیت المساجد لذکر الله فاراد البخاری ان هذا العموم مخصوص باشیاء غیر ذلک منها ربط الاسیر فی المسجد۔ فاذا جاز ذلک للمصلحة فکذلک یجوز البیع والشراء للمصلحة فی المسجد" (صفحہ ۴۶۲) یعنی ابن منیر نے اسکی نسبت یہ کہا ہے کہ دراصل اس باب کا ترجمہ متعلق ہے "ذکر بیع والشراء فی المسجد" اور قصۂ ثمامہ سے اسکی مطابقت یون ہے کہ جس کسی نے ذکر بیع و شرا کو ممنوع خیال کیا تو اسی بناپر کہ "انما بنیت المساجد لذکر الله" کے عموم پر اسکی نظر گئی، یعنی اسنے خیال کیا کہ جب مسجدین صرف اللہ کے ذکر کیلیے

موضوع مین تو بیع و شرا کا ذکرا ذکار اس مین کیون جائز ہو؟ پس امام بخاری نے اس شبہ کو دور کرنا چاہا، اور دکھلانا چاہا کہ "انما بنیت المساجد لذکر اللہ" کے حکم عام کے لیے تخصیص بہت سی باتون مین ثابت ہی۔ ازانجملہ یہ کہ قیدی کو مسجد مین باندھنا رکھنا جائز ہے۔ اور جب بر بنا مصلحۃ یہ بات جائز ہوئی تو ذکر بیع و شرا بر بنا مصلحۃ کیون جائز نہو؟ انتہی۔ ہمین یہان اس سے کوئی بحث نہین کہ اس باب کے ترجمہ و مطابقت روایۃ کی نسبت یہ توجیہ کہانتک درست ہی، حافظ ابن حجر کہتے ہین "ولا یخفی ما فیہ من التکلف"، مقصود اس قول کے نقل کرنے سے یہ دکھلانا ہو کہ ائمہ فقہ و حدیث نے "انما بنیت المساجد لما بنیت لہ" اور "لذکر اللہ" کا مطلب کیا سمجھا ہو؟ اور ابن منیر کے قول سے ضمناً یہ حقیقت واضح ہو گئی۔

در اصل حکم "انما بنیت المساجد لما بنیت لہ" اور "بنیت لذکر اللہ" کو اگر عام و مطلق بھی مان لیا جائے تو کوئی نقصان نہین "لما بنیت لہ اور ذکر اللہ کا صحیح مطلب سمجھ لینا چاہیے، وہ ساری باتین جو آنحضرۃ صلعم و خلفاے راشدین نے مسجد مین کین، اور وہ اکثر امور جن سے آجکل کے مدعیان علم و حفظ شریعت روک رہے ہین، "ذکر اللہ" اور در اصل مقصود بنا مسجد مین داخل ہین۔ خود قرآن حکیم نے خطبۂ وعظ جمعہ پر "ذکر" کا اطلاق کیا ہی، اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ۔ سب نے اتفاق کیا کہ یہان "ذکر اللہ" سے مقصود خطبۂ جمعہ ہے۔ نہ کہ صلوۃ، اور اسی لیے وَذَرُوا الْبَیْعَ کے حکم کی تعمیل بمجرد سماع ندا، (اذان) واجب ہے نہ کہ ہنگام قیام صلوۃ۔ اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہی کہ آنحضرۃ صلعم کے جن خطبات جمعہ کو اللہ نے ذکر اللہ فرمایا ان مین صرف یہی نہین ہوتا تھا کہ موت کو یاد کرو اور روتے رہو، جیسا کہ اب ہو رہا ہی بلکہ ان مین ان تمام باتون کا ذکر کیا جاتا تھا جنکو آجکل کی جدید تقسیم اعمال انسانیہ مین "دنیوی معاملات" قرار دیا جاتا ہی، جب کبھی اسلام اور مسلمانون کے مصالح دینی و دنیاوی کی کوئی بات پیش آگئی ہے تو آپنے جمعہ کے دن خاص طور پر اسی کی نسبت خطبہ دیا ہے۔ ایسا ہی خطبات خلفاء راشدین کے ہوتے تھے، مین نے گذشتہ سال ایک رسالہ مقاصد و احکام جمعہ پر لکھا ہی۔ اس مین خطبہ جمعہ کی حقیقت اور اس بارے مین ہدی نبوۃ و اسوۂ حسنہ خلفاء راشدین کو نہایت تفصیل سے واضح کیا ہے، اگر نوبت طبع و توزیع کی آئی تو انشاء اللہ اس باب مین نافع و قاطع ہوگا،

بعض حضرات نے اس مسئلہ میں مجتہدانہ استنباط و دقائق آفرینی کی بھی نمائش کرنی چاہی ہے۔ ایک صاحب لکھتے ہیں
جیب مسجد میں پکار کر بات کرنے سے بھی روکدیا گیا کہ احترام مسجد کے خلاف ہی حتی کہ حضرۃ عمرؓ نے دو شخصوں سے کہا "اگر تم
ہر کے باشندے ہوتے۔ مسافر نہ ہوتے۔ تو میں تمکو سخت سزا دیتا۔ تم مسجد رسول اللہ میں اپنی آوازیں بلند کرتے ہو" تو
ھر اس طرح کے "مخلوط جلسے" اور تقریر و بحث کا ہنگامہ کب جائز ہو سکتا ہے"؟ حقیقت یہ ہی کہ آجکل مذہبی مسائل کی نسبت
مقدر خامہ فرسائیاں کی جارہی ہیں ان سے اور تو کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ صرف یہ ہوتا ہی کہ جو لوگ مسلمانوں کے علمی
زل کے ماتم گسار ہیں انکے لیے درد و غم اور حسرت و اندوہ کا ایک نیا سامان بڑھجاتا ہی۔ اول تو "مخلوط" اور "غیر مخلوط"
لسوں کی جدید تقسیم سے اصول فقہ میں جو اضافہ کیا گیا ہی معلوم نہیں وہ کس نور الانوار اور توضیح سے ماخوذ ہی؟ پھر کاش
"رفع الصوت فی المسجد" اور حضرۃ عمرؓ والی روایت کا مطلب کسی متداول شرح کی مدد سے سمجھ لیا ہوتا۔ امام بخاری
نے صحیح میں باب باندھا ہی "مسجد میں آواز بلند کرنے کا حکم" اور اس میں دو روایتیں لائے ہیں۔ پہلی روایت
ہ حضرۃ عمرؓ والی ہی۔ سائب بن یزیدؓ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں کھڑا تھا (اور ایک روایت میں قائما کی جگہ نائماً ہے
ر حاتم کی روایت میں کنت مضطجعا ہی یعنی سو رہا تھا) کہ یکایک کسی نے مجھپر کنکری پھینکی۔ دیکھا تو عمر بن الخطاب ہیں
نوں نے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کیا کہ میرے پاس لے آؤ۔ جب وہ آئے تو انسے پوچھا تم کون ہو یا کہاں کے
ہنے والے ہو؟ انہوں نے کہا طائف کے۔ حضرت عمرؓ نے کہا "لو کنتما من اھل البلد لاوجعتکما۔ ترفعان اصواتکما
مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟" ترجمہ اوپر گذر چکا ہے۔ اسکے بعد دوسری روایت عبداللہ بن کعب کی لائے
ں خلاصہ اسکا یہ ہی کہ کعب بن مالکؓ اور انکے ایک مقروض مسجد میں اپنے قرضہ کی نسبت بات چیت کر رہے تھے یہانتک
چلا چلا کر باتیں کرنے لگے اور انکی آواز آنحضرۃ نے اپنے حجرہ میں سن لی۔ پس آپ نکلے اور کعب کو اشارہ کیا کہ اسقدر
پنے قرض میں سے چھوڑ دو الخ" ان دونوں روایتوں کو اس باب میں امام بخاری نے اسلیے جمع کیا کہ مسئلہ کے
ونوں پہلو منع و جواز کے واضح کرنا چاہتے تھے، "وھذا من کمال فقھہ ودقۃ استنباطہ" حافظ عسقلانی لکھتے ہیں
ار بالترجمۃ الی الخلاف فی ذلک۔ فقد کرہ مالک مطلقاً سواء کان فی العلم ام فی غیرہ۔ وفرق غیرہ

بین ما یتعلق بغرض دینی او نفع دنیوی وبین ما لا فائدۃ فیہ۔ وساق البخاری فی الباب حدیث عمر الدال علی المنع وحدیث کعب الدال علی عدمہ اشارۃ منہ الی ان المنع فی ما لا منفعۃ فیہ۔ وعدمہ فی ما تلجئ الضرورۃ الیہ" (ﷺ) یعنی ترجمۂ باب میں اشارہ ہے اُس اختلاف کا جو اس باب میں واقع ہوا۔ امام مالک مطلقاً رفع الصوت کو مکروہ کہتے ہیں خواہ درس و تدریس علم ہی میں کیوں نہ ہو، اور دیگر ائمہ نے اس بارے میں تفریق و تفصیل کی ہے۔ انکے نزدیک اگر کسی ایسی بات کے لیے رفع صوت ہو جس میں کوئی دینی یا دنیوی منفعت ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں، اور امام بخاری اس باب میں حدیث عمرؓ لائے ہیں منع کے لیے، اور حدیث کعب لائے ہیں جواز کے لیے اور اسطرح واضح کیا ہے کہ منع اُس حالت میں ہے جبکہ بیکار اور لغو باتیں پکار کر کی جائیں لیکن اگر کسی ضرورت کی بنا پر ہو تو جائز ہے۔

یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ دنیوی مقاصد کے مشورہ و مجالس مسجد میں جائز نہیں، تو قطع نظر حقیقت اطلاق الفاظ دین و دنیا، وہ اس جملہ پر غور کریں " ما یتعلق بغرض دینی او نفع دنیوی " اور حدیث کعب پر کہ در اصل رفع صوت لین دین کے معاملہ کے لیے تھا جو یقیناً صحیح معنوں میں دنیوی معاملہ ہے۔

باقی رہی حدیث عمرؓ تو گو حافظ موصوف کی عبارت نے اس کا مورد واضح کر دیا لیکن ایک نہایت اہم پہلو باقی رہ گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے طائف کے آدمیوں سے فرمایا " ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول اللہ؟ " یہ نہیں کہا کہ " فی المسجد " یعنی خاص طور پر مسجد رسول اللہ صلعم کا لفظ فرمایا صرف مسجد نہیں کہا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپکی زجر و تنبیہہ اس بنا پر تھی کہ مسجد میں تم نے آواز کیوں بلند کی بلکہ اس لیے تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بے ادبانہ چیختے ہوئے تمھیں شرم نہ آئی۔ بنیاد اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے لوگوں کو نہایت سختی کے ساتھ اس سے روکا تھا کہ رسول اللہ کے حضور میں بے ادبانہ آواز بلند نہ کریں لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ، کیونکہ قطع نظر تہذیب کلام کے یہ عادت اس ادب عظیم اور توقیر و تعزیر رسول کے خلاف تھی جو بحکم وَتُوَقِّرُوهُ وَتُعَزِّرُوهُ امت بلکہ جمیع نوع انسانی پر فرض ہوا اور جس کے بغیر أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ کا معاملہ محکم نہیں ہو سکتا، اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ کا یہ حال ہو گیا تھا کہ

آپکے سامنے آتے تو مجسم تادب و تعظیم اور سکوت و خشوع کی تصویر ہوتے، آنکھیں زمین میں گڑی ہوتیں اور لب کھلتے تو آواز مشکل سے نکلتی، علی الخصوص حضرت عمرؓ کا تو اس بارے میں کچھ عجب حال تھا، چونکہ اس آیۂ کریمہ کا نزول جس واقعہ پر ہوا تھا اس کا تعلق خود انہی سے تھا، اور خلقۃً انکی آواز بھی بلند تھی اسلیے نزول آیت کے بعد انکے خفض و رمی صوت بحضرۃ رسول اللہ صلعم کا یہ حال ہو گیا کہ " اذا حدث النبی بحدیث حدثہ کاخی السرار لم یسمعہ حتی یستفھمہ" کما رواہ البخاری فی کتاب التفسیر والاعتصام بالسنۃ عن ابن ابی ملیکۃ، جب آپکا وصال ہو گیا تو گو آپکا پیکر جسمی دنیا کی آنکھوں سے چھپ گیا، لیکن انبیاء کرام کی حیات معنوی موت کے دست رس سے باہر ہے " یصلون فی قبورھم" اور " صلوا علی فان صلاتکم تبلغنی حیث ما کنتم" (ابوداؤد عن ابی ھریرۃ)

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما !

پس ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض کا حکم بدستور باقی رہا، اسی لیے صحابۂ کرام کا آپکی وفات کے بعد بھی یہ حال رہا کہ مسجد نبوی میں قبر مطہر کے حضور کبھی بلند آواز سے بات چیت نہ کرتے اور تمام احکام ادب و حقوق رسول کو پورا پورا ملحوظ رکھتے، حضرۃ عثمانؓ، عبد اللہ بن عمرؓ اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہم کی نسبت منقول ہے کہ مسجد نبوی میں لوگوں کو پکار کر بات کرتے دیکھتے تو سخت خشمگین ہوتے، اور فرماتے تمہیں شرم نہیں آتی کہ قبر مطہر کے سامنے شور وغل مچاتے ہو حالانکہ اللہ کہتا ہے کہ لا ترفعوا اصواتکم الخ یعنی اس آیۂ کریمہ سے منع رفع صوت بحضور رسول پر بعد وفات رسول بھی استدلال کیا گیا، اسی طرح حضرت امام مالکؒ کا واقعہ معلوم ہے کہ ایک شخص کو پکار پکار کر بات کرتے ہوئے دیکھا تو یہی آیۂ کریمہ پڑھی اور اس پر سخت غضبناک ہوئے۔ حکاہ ابن الجوزی۔ پس حضرۃ عمرؓ کا خشمگین ہونا اور طائف کے دو آدمیوں کو زجر فرمانا بھی اسی قبیل سے تھا، اور اسی لیے آپ نے فرمایا " فی مسجد رسول اللہ؟" یعنی رسول کی طرف نسبت دیکر روکا، صرف لفظ مسجد نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث میں نہی عمرؓ خاص مسجد نبوی سے تعلق رکھتی ہے علت اسکی دوسری اور غیر مشترک ہے، اگرچہ دیگر ادلہ سے یہ ثابت ہے کہ عام مساجد میں بھی بلا کسی ضرورت دینی و دنیوی صالح کے لغو و بیکار شور مچانا یا مسجد کو اپنی دنیاداری کی صحبتوں کی جگہ ٹھرالینا قطعاً

ممنوع ہے، بلکہ ایسے لوگون کا اخراج مسجد سے واجب ہے،

اور تائید اسکی اس واقعہ سے ہوتی ہو کہ جب حضرۃ عمرؓ نے سنہ میں مسجد نبوی کی از سرِ نو تعمیر و توسیع کی تو مسجد کے ایک گوشہ مین ایک چبوترہ بنایا اور لوگون سے کہا جس کسی کو مثلاً آپس مین بات چیت کرنی ہو یا شعر و اشعار وغیرہ کے لیے صحبت مقصود ہو تو اس کے لیے یہ جگہ ہے۔ سمہودی نے خلاصۃ الوفا مین یہ واقعہ لکھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضرۃ عمر مسجد مین رفع صوت اور مذاکرہ و مجالسہ کے مخالف نہ تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کے لیے خاص طور پر اہتمام کیون کرتے؟ بلکہ وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ مسجد رسول مین بحضور قبر رسول چلا کر بلا ضرورت بات کیجائے اور اس طرح مقام رسالت کی تعظیم و احترام مطلوب شارع سے بے پروائی و غفلت کی بنیاد پڑے۔ اس لیے ایک گوشے مین چبوترہ بنا دیا کہ لوگون کی نماز مین بھی خلل نہیں پڑیگا اور بوجہ بُعد وہ صورت بھی باقی نہ رہے گی جو حضورؐ قبر مبارک مین رفع صوت سے پیدا ہو جاتی ہو، اور یہین سے یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ حضرۃ امام مالک کا مذہب اس بارے مین کیا ہو؟ تو یہ جو حافظ عسقلانی نے لکھا ہے کہ مطلقاً منع حتیٰ کہ درس و تدریس علم کے لیے بھی، تو دراصل یہ صرف مسجد نبوی کے ساتھ مخصوص ہو، امام مالک کا یہ مذہب نہیں ہو کہ عام طور پر تمام مساجد مین درس و تدریس علم کیلیے بھی رفع صوت نہو، بلاشبہ ان سے منقول ہو "انا اکرہ ذلک ولا اری فیه خیلا" یعنی مین مکروہ رکھتا ہون کہ مسجد مین درس و تدریس علم ہو، لیکن یہ متعلق ہے صرف مسجد نبوی سے اور جس سوال کے جواب مین انہون نے یہ کہا وہ بھی مسجد نبوی ہی کے متعلق تھا، اور اسی لیے وہ ہمیشہ اپنے مکان پر درس حدیث و فقہ دیتے رہے، اور اسی بنا پر محدثین نے انکے اس طریق کو کمال ادب و تعظیم رسول کے سلسلے مین بیان کیا ہے نہ کہ بعنوان فقہ و احکام، ورنہ ظاہر ہے کہ عام طور پر مساجد مین درس و تدریس علم و رفع الصوت انو اکان للنصح والتذکیر کو وہ کیونکر مکروہ قرار دے سکتے ہین، جبکہ اس کثرت سے اجماعی شواہد نصاً و عملاً اس کے خلاف موجود ہین؟ آنحضرۃؐ اور خلفاے راشدین نے عام تک مسجد مین تقسیم کیے جو مستلزم رفع صوت و قال و قیل ہو، اور درس و تدریس علم کی تو کوئی جگہ بجز مسجد نبوی کے آنحضرۃؐ کے زمانہ مین تھی ہی نہیں۔ حضرۃ عمر نے اپنی خلافت مین حکم دیا کہ تمام بلاد مفتوحہ مین مسجدین تعمیر کی جائین اور

اور ساتھ ہی اُن مین تعلیم و تدریس قران و سنتہ کا بھی انتظام ہو۔ پھر ان مدارس کے لیے فقہا، و قرا، صحابہ بھیجے گئے۔ شام کے مدارس کے لیے حضرۃ ابوالدرداء، ابی ابن کعب، معاذ بن جبل وغیرہم، بھیجے گئے تھے، حافظ ذہبی نے ابوالدرداء کے حال مین لکھا ہے کہ جامع دمشق مین تعلیم دیتے تھے، طریقہ یہ تھا کہ مسجد مین نماز صبح کے بعد لوگ جمع ہوتے، دس دس آدمیون کے حلقہ کی تعلیم کے لیے ایک قاری مقرر ہوتا۔ خود ٹہلتے رہتے، اور ہر حلقہ کی آواز پر کان لگائے رہتے، جب ضرورت ہوتی ٹوکتے، ایک مرتبہ شمار کیا گیا تو سولہ سو طالب العلم مسجد مین حاضر تھے! یہی حافظ ذہبی حضرۃ معاذ بن جبل کے ترجمہ مین ابو مسلم خولانی کی روایت نقل کرتے ہین کہ ایک مرتبہ حمص کی مسجد مین گیا تو دیکھا تیس صحابی جمع ہین، اور مسائل و علوم پر مذاکرہ ہو رہا ہے۔ غرضکہ مساجد کا مدارس و بیوت علم ہونا ایک ایسی تاریخی و علمی حقیقت ہے کہ حاجت دلیل و بیان نہین۔ پھر حضرت امام مالک کیونکر کہہ سکتے ہین کہ مساجد مین رفع صوت ہر حال مین مکروہ ہے؟ علی الخصوص جبکہ انکے فقہ و ابواب کا زیادہ تر دار و مدار حضرۃ عمر کے فتاوی و فرامین خلافۃ اور حضرۃ عبداللہ بن عمر کے علوم پر ہے! اصل یہ ہے کہ بہت سی غلطیان خاص مقامات و حالات کے حکم و فتاوی کو عام سمجھ لینے سے بھی متاخرین مین پیدا ہوگئی ہین، حضرت امام ابوحنیفہ نے خاص جامع کوفہ کی نسبت فرمایا کہ محراب والے حصے مین نماز مکروہ ہے۔ کیونکہ انکے نزدیک مکڑہ مغصوبہ تھا۔ لوگون نے اس سے عام طور پر کراہیۃ صلوۃ فی المحراب کا مسئلہ پیدا کر لیا، قازانی نے بدائع مین اسکی تصریح کی ہے اور شامی مین لکھا ہے کہ اسیطرح امام مالک کی بہت سی باتین جو خاص مدینہ کی نسبت تھین، عام سمجھ لی گئین۔ یہان صلوۃ فی المحراب کے مسئلہ سے بحث نہین، صرف غلط فہمی کی ایک نظیر دکھلانا مقصود ہے۔

---

۱؎ صاحب بدائع الصنائع کے لقب کی نسبت لوگون کو بہت تشویش ہوئی ہے، صاحب تراجم حنفیہ نے لکھا ہے کہ اصل مین "کاشانی" ہوگا کاشان کی طرف منسوب۔ حالانکہ بات صاف تھی صاحب بدائع نسلاً تاتری ہین اور قازان نامی کے رہنے والے تھے جو آجکل روسی ممالک مین داخل ہے اصل مین یہ کاشان تھا۔ عربی مین قازان بولنے لگے۔ منہ

البتہ اگر آجکل کے علماء و واعظین کی مجالس قصص و حکایات و جدل فی المسجد و مکابرات کی نسبت سوال کیا جاے، تو اس مین شک نہین کہ وہ نہ صرف رفع الصوت ممنوع مین داخل ہین بلکہ اس سے بھی بڑھکر یہ کہ زمین کے ہر حصہ اور عمارت کی ہر چھت کے نیچے ناجائز ہین۔ صرف مسجد ہی پر موقوف نہین۔ عین ممبر مسجد پر بیٹھکر باہم گرسب و شتم، تکفیر و تفسیق، اور تلعن و تنابز بالالقاب کیا جاتا ہے۔ جھوٹے قصے اور حکائتین اور مکذوب و موضوع روائتین سنائی جاتی ہین۔ ٹھیک ٹھیک مطربون اور گویون کی طرح گٹکریان لے لیکر گایا جاتا ہے، محض مراء و جدل اور تنازع فی الدین کی نیت سے مناظرون اور مباحثون کی مجلسین منعقد کی جاتی ہین، اور درندون کی طرح امامت و ممبر نشینی کا ایک مدعی دوسرے کی گردن پر خواہ مخواہ ہاتھ بڑھاتا ہے۔ یہ ساری باتین تو مسلمانون کے لیے جائز ہین بلکہ عین مقاصد مسجد مین داخل، لیکن اگر مقاصد صالحہ و حسنہ سے غیر اوقات صلوۃ مین کوئی مجمع منعقد ہو اور اس مین نفع بلاد و رفاہ ملت و جلب مصالح و دفع مفاسد کے لیے تقریرین کی جائین تو بخاری کی روایت منع رفع الصوت والی فوراً یاد آجاتی ہے!

یکرہ ان یشرب من فضۃ  و یسرق الفضۃ ان نالہا!

تمام اہل علم و سلف نے اتفاق کیا کہ جدل و تنازع فی الدین نہ صرف ممنوع ہے بلکہ منجملہ شدید ترین وسائل ضلالۃ امۃ و تحریف شریعۃ و ضد ہدیٰ کے ہے اور آنحضرۃ صلعم نے فرمایا "ما ضل قوم بعد ہدی کانوا علیہ الا اوتوا الجدل" کوئی قوم ہدایت کے بعد گمراہی مین نہین پڑی مگر جدل سے، پھر یہ آیت پڑھی "مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ" (رواہ احمد والترمذی و ابن ماجہ عن ابی امامہ) تو بدقسمتی سے جدل و تنازع و تعمق فی الدین کا دروازہ اس امت پر بھی کھلا، اور اگر آج علوم و مدونات متقولۂ امۃ کو دیکھا جاے تو کوئی گوشہ بھی اس فتنہ سے خالی نہین، لیکن ضلالۃ جدل و تنازع کا عملاً بدترین مقام و نمونہ وہ ہے جو آجکل مناظرۂ و مباحثۂ مذہبی اور احقاق حق و تحقیق مسائل کے نام سے کیا جاتا ہے اور اسکی مجلسین عموماً مسجد ہی مین منعقد ہوا کرتی ہین۔ پھر ان جلسون مین جو کچھ ہوا کرتا ہے معلوم ہے۔ زبان کی کوئی معصیت، اور حلق و صدا سے وقوع مین آنیوالا کوئی فسق ایسا نہین کہ

جوان بھیڑون مین بمصداق دقی نادیکم الملکی، علانیہ نہ ہوتا ہو، اور مجرد رفع صوت کا تو کیا پوچھنا؟ "تو گوئی خروسانِ شاطر بجنگ" کے معاملہ کے بغیر تو ہمارے علما کا کوئی مناظرہ مناظرہ ہی نہین، کوئی اسوقت جاکر اللہ کی عبادت گاہ کو دیکھے، تو بھنگر خانون اور خرابات کے ہنگامے اسکے شور وغل کے آگے مات ہین، پھر اس سے بھی بڑھکر یہ کہ جدل لسانی کا خاتمہ عموماً جدل بالید والجراب پر ہوتا ہی اور بسا اوقات نوبت مقدمون اور نوجداریون تک پہنچتی ہے، یہ ساری باتین آجکل کے مسلمانون کے مذہب مین جائز ہین، بلکہ از قبیل اعمال متبرکۂ شرعیہ علماء اسلام نزدان کا رفع صوت ممنوع ہی نہ گالی گلوج اور سر پھٹول۔ لیکن مسجد مین اصلاح ملت و بلاد اور حفظ حقوق ملک و قوم کے لیے جمع ہونا جائز نہین، کیونکہ مسجد مین پکار کر بات بھی نہ کرنی چاہیے۔ حضرۃ عمر نے اس سے روک دیا تھا! انا للہ و انا الیہ راجعون! کیا اس سے بھی بڑھکر "فیبقی ناس جھال یستفتون فیفتون برائیھم فیضلون ویضلون" (رواہ البخاری عن ابن عمر) کا مصداق کوئی عہد جہل اور عصر فساد ہو سکتا ہے جسکا مسلمانون کو ابھی انتظار ہی؟ فقد جاء اشراطھا، فانی لھم اذ جاء تھم ذکراھم؟

(۲۱)

بعض اخبارات نے اس سلسلے مین یہ بھی لکھا ہی کہ "لوگون نے مقتولین حادثۂ دہلی کے لیے نماز جنازہ غائب پڑھی جو ہمارے مذہب مین جائز نہین" سو اسکی تحقیق بھی ضروری ہی لیکن یہ تحریر بلا قصد بہت طولانی ہو گئی اسلیے اس بحث کو علیحدہ کر دیا گیا۔ کہ مستقلاً شائع ہو جائیگا،

(۲۲)

لکھنؤ کے بعض اخبارات مین اس معاملہ پر رائے زنی کی گئی ہے اور لکھا ہی کہ جناب مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محلی بھی اس سے متفق ہین۔ یعنی عدم جواز دخول ہنود فی المسجد سے، لیکن اس بارے مین انکا جو خط شائع کیا ہے اس مین جواز و عدم جواز کا کوئی تذکرہ نہین۔ صرف یہ لکھا ہے کہ مسلمانون کو ہر معاملہ مین چاہیے کہ احکام شرع کا اتباع کرین، اور اپنے اجتماعات وغیرہ مین کوئی بات ایسی نہ کرین جو شریعت کے

خلاف ہو، تو یہ حق ہے، اور اس سے کسی کو انکار نہین، تعجب ہی کہ اس اخبار کے ایڈیٹر نے مولانا ممدوح کے ازلے خط کو عدم جواز کے ثبوت مین کیون پیش کیا؟ میرے لیے یہ باور کرنا بہت مشکل ہو کہ مولانا ممدوح ایک ایسے معاملہ کو ناجائز بتلا دین جسکے جواز پر تمام اہل علم کا اتفاق ہو چکا ہے اور علی الخصوص فقہاء حنفیہ کا مسلک تو اس مین معروف و مسلّم ہے، مجکو یقین ہے کہ انشاء اللہ انکا مسلک بھی یہی ہو گا، اور اختلاف طریق وصول الی الحق مین ہو سکتا ہے مگر حق مین نہین، اور تعدد رجال و افراد مین ہے حقیقت مین نہین ہو سکتا معہذا معلوم ہے کہ اصل کار نصوص و بصائر سے ہے، اور وہ جب موجود ہین تو پھر اور کسی بات کی احتیاج نہین۔

(۲۳)

خاتمہ سخن مین ایک معاملہ کی طرف اشارہ ناگزیر ہے۔ یہ معلوم ہے کہ ہر گروہ کے دائرۂ نظر و فکر کے حدود ہین۔ ان حدود سے تجاوز نہین کرنا چاہیے، ہر گوشہ علم و عمل مین ساری مصیبتین اسی اعتداء و تجاوز عن الحدود سے پیش آتی ہین۔ اخبار نویسی ایک عمدہ اور ضروری کام ہے۔ لیکن اسکے لیے یہ ضروری نہین کہ ہر اخبار نویس قضاء و افتاء کا کام بھی شروع کر دے، اس کام کو صرف ان لوگون کے لیے چھوڑ دینا چاہیے جنکا یہ کام ہے، اور جو اسکی صلاحیت رکھتے ہین، ایک زمانہ تھا جب شریعت و قرآن سے اغماض و اعراض روشن خیالی، اور سیاست دانی کی دلیل سمجھی جاتی تھی۔ لیکن اللہ نے اپنے بعض بندون کو توفیق دی اور انھون نے تقدیم و اتباع شریعت فی جمیع الاحوال والاعمال کی صدائے دعوۃ بلند کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حالت پلٹی۔ اور شریعت و قرآن کے ذکر و استشہاد مین ویسی ہی مقبولیت و محبوبیت پیدا ہو گئی جیسی پہلے اعراض و انکار مین تھی، اور وہی تحریرین عوام و خواص مین مقبول ہونے لگین جو مذہبی رنگ مین لکھی گئی ہون۔ لیکن اب ایک دوسرا فتنہ پیدا ہو گیا ہے۔ پہلے اعراض و غفلت تھی۔ اب ادعاء و تکلم و تحکم بغیر علم ہے۔ پہلے کوئی شریعت کا نام بھی نہین لیتا تھا، اب ہر شخص چاہتا ہے کہ شریعت کے بغیر بات نہ کرے اگرچہ شریعت کے علم و عمل سے بالکل بے بہرہ ہو۔ پہلے قرآن کا نام لیتے ہوئے بھی لوگون کو شرم آتی تھی

نہین تہذیب وتعلیم کی برادری سے خارج نہ کردیے جائین اب ہر شخص جو قلم پکڑ سکتا ہے چاہتا ہی کہ ہر تحریر مین
قرآن کی ایک دو آیتین کسی نہ کسی طرح ضرور ہی کھپا دے، اگرچہ لفظاً تصحیح معنیً تحریف اور استشہاداً
بے مربوط ہی کیون نہ ہو، اور یہ فتنہ پہلے فتنہ سے بھی اشد واضر ہے تلک فتنۃ الدنیا وھٰذہ فتنۃ
الدین - پہلا فتنۂ عمل تھا جسکا نتیجہ فسق ہے - اور یہ فتنۂ علم واحکام ہے جسکا نتیجہ "تحریف شریعت" اور
منھم امیون لا یعلمون الکتاب الا امانی کا عالم و آمر شریعت وملت بنجانا ہے - آج مسلمانون کا کوئی اخبار کوئی
مجلس، کوئی کام ایسا نہین، جو اس فتنہ کا تماشا گاہ نہو، علی الخصوص اخبارات کا تو یہ حال ہی کہ انکا ہر نمبر
کوئی نہ کوئی نئی مثال ضرور اپنے ساتھ لاتا ہی کوئی صاحب ایک لمبا چوڑا مضمون شائع کرتے ہین کہ احیاء ملت بذریعہ
احیاء شریعت کرنی چاہیے اسکی صورت یہ ہے کہ علماء اسلام فرائض و واجبات شریعت مین چند نئی دفعات
کا اضافہ کردین اور آپس مین تپٹ کرکے فتویٰ دیدین کہ نماز روزہ کی طرح ایجوکیشنل کانفرنس اور ندوہ
و اہلحدیث کانفرنس کی شرکت بھی شرعاً فرض ہے - اور زکوٰۃ کی طرح انجمنون کی فیس ممبری بھی ہر مسلمان
کو دینی چاہیے، کوئی صاحب دنیا بھر کی بدعتون اور بدعی محافل کا سر و سامان کر رہے ہین اور کہتے ہین کہ
دنیاسی مقاصد و مصالح سے ایسا کرنا بہت ضروری ہے - یہ وقت بدعۃ و سنتہ کے جھگڑے کا نہین ہے،
انکی تحقیق مین مسلمانون کی پولیٹکل ترقی بغیر بدعات وفسوق کے اہتمام کے ہو ہی نہین سکتی - ایک صاحب
تمام اخبارون مین اعلانات شائع کرتے ہین کہ "اسلام کی قرار دی ہوئی دو عیدین" اور مسلمانون کی
گڑھی ہوئی صدہا اعیاد و مراسم بھی قوم کی ترقی کے لیے کافی نہین - اسلیے ایک نئی عید کا اہتمام شروع
کردینا چاہیے - دوسرے صاحب فتویٰ دیتے ہین کہ مساجد مین "مخلوط" مجالس جائز نہین، اور ہندون
کو مسجد کے مجمعون مین بلانا تو اشد و اکبر معصیت ہی و غیر ذلک من اعجاب کل ذی رای برایہ
والاعتصام بالبدعۃ والاحداث فی الدین - تو اس دینی انارکی اور مذہبی طوائف الملوکی
سے تو شاید وہی پہلی حالت غنیمت تھی - شاید تبدیل حال و قیام امر کے لیے یہ درمیان کی بدنظمی اور

بدحالی ضروری ہوا اور ممکن ہے کہ اس شورش کے بعد اصلی سکون و امن نمودار ہو۔ بہرحال حالات کی طرف سے تو بجز افزایش درد و اندوہ کے اور کوئی صدا نہیں اٹھتی، الّا یہ کہ ہرحال مین اعتماد اللہ کے فضل و کرم اور بالآخر وعدۂ نصرۃ و یاوری شریعۃ و حفظ و صیانۃ ملت مرحومہ پر ہے۔ واللہ ناصر دینہٖ و رافع اعلام سنۃ رسولہٖ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ ھذا آخر ما تیسر لی من تسوید ھذہ العجالۃ مع توزع الخاطر وتشتت البال من تراکم الھموم وکثرۃ البلبال وکان الفراغ من تسویدھا ضحی نہار السبت لست بقیت من رجب المرجب سنہ ۱۳۳۷ھ حین کنت منفیاً من البلد ومحبوساً فی رانچی وانا الفقیر الی اللہ احمد کان اللہ لہٗ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

---

**تصحیح** : معارف بابت ماہ مئی سنہ ۱۹ء کے صفحہ ۲۰۰ سطر ۰ مین "ولو کان مسجد الحرام" کے بعد یہ عبارت بڑھالین : "یعنی ذمی کا مسجد مین داخلہ ممنوع نہین۔ اگرچہ جنبی ہو۔ اور حنفیہ کے نزدیک مسلمان کی اجازت بھی ضروری نہین اگرچہ مسجد حرام ہو۔ ہدایہ مین ہے "ولا باس بان یدخل اھل الذمۃ المسجد الحرام"

---

# امم قدیم کے علوم وفنون

از جناب مولوی محمد سعید صاحب انصاری رفیق دار المصنفین

بیسوین صدی کا متمدن انسان جب زمانہ قدیم کی تاریخ پر نظر ڈالتا ہے، تو اسکو اپنے اسلاف کی تمدنی سطح حد درجہ پست نظر آتی ہے، آج تہذیب وتمدن نے جو ترقی حاصل کی ہے، اسکو دیکھکر کون کہہ سکتا ہے کہ دنیاے قدیم بھی کسی زمانہ مین ہمارے تمدن کا آشیانہ تھی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ تہذیب وتمدن، صنعت و حرفت، علوم وفنون، غرض عالم کی ہر چیز نے تدریجاً ترقی کی ہے، اس بنا پر آج ہم جن بزرگون کے خیالات کو توہمات اور خرافات کے لقب سے یاد کرتے ہین وہ دراصل اس سلسلہ کی ابتدائی کڑیان ہین، جنکے بغیر تمدن کی تاریخ مکمل نہین ہوسکتی،

تاریخ کے ابتدائی زمانہ مین انسان کے جو مذہبی اور تمدنی خیالات تھے، ان پر زمانہ مابعد مین بہت کچھ اضافہ ہوا ہے، اور ہوتا جاتا ہے، ہر قوم اپنے اسلاف کے خیالات میراث مین لیکر آتی ہے اور اپنے علوم واکتشافات سے ان پر اضافہ کرتی ہے، اسلئے آج ہمارے پاس علوم وفنون کا جو وسیع سرمایہ ہے وہ انہین بزرگون کے اعمال وافکار کا عکس ہے،

تہذیب وتمدن کی ابتدا مصر سے ہوئی ہے، وہان مذہب اور دیگر اشیاے کائنات کے متعلق جو خیالات قائم تھے، انکو پڑھکر بے ساختہ ہنسی آتی ہے، لیکن جب یہی خیالات کلدان پہنچے، تو ان مین زیادہ پختگی پیدا ہوئی، یہانتک کہ یونان جاکر مستقل علوم بن گئے، اور ان پر کتابین لکھی گئین، اور آج کہ عالم مادی کا آفتاب نصف النہار پر چمک رہا ہے، علوم وفنون مین وہ تنوع پیدا ہوگیا ہے کہ اسکو دیکھکر عقل دنگ رہجاتی ہے،

دنیا کے تمدن کے اس جزر و مد، اور علوم و فنون کے ان انقلابات کی ایک نہایت دلچسپ تاریخ ہے، جو نہایت ضخیم جلدوں میں مدون کیجا سکتی ہے، تاہم چونکہ ہمارا مقصد اختصار ہے اسلئے ہم صرف ان قوموں کو لینا چاہتے ہیں جو علوم و فنون میں یگانۂ روزگار تسلیم کیگئی ہیں، اور چونکہ مصر میں دو ہزار برس قبل مسیح سے تہذیب و تمدن کا پتہ چلتا ہے، اور مورخین نے اولیت کا تاج اسی کے سر پر رکھا ہے، اسلئے ہم بھی اسی کو مقدم کرتے ہیں،

**مصر** | مصر کے متعلق ہماری کتابوں میں عجیب و غریب خوش اعتقادیاں پائی جاتی ہیں، چنانچہ ہمارے مورخین ایک مصری حکیم ہرمس کا نام نہایت شاندار الفاظ میں تذکرہ کرتے ہیں، کوئی اسکو اخنوخ بتلاتا ہے جسکا تورات میں ذکر آیا ہے، کوئی حضرت ادریس کہتا ہے، اور کوئی تین ہرامسہ وجود کا قائل ہے، اور تیسرے ہرمس کی طرف بہت سی جعلی کتابیں (جو نجوم، کیمیا، اور سحر وغیرہ پر ہیں) منسوب کرتا ہے، چنانچہ کتاب الفہرست، ابن القفطی، اور ابن ابی اصیبعہ وغیرہ اس تذکرہ سے بھری پڑی ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہرمس کا کبھی وجود نہ تھا، ہرمس (Hermes) یونانی لفظ ہے اور ایک یونانی معبود کا نام ہے، جسکو سکندر کے زمانہ سے مصریوں نے تحوت (Thoth) قرار دیا ہے، جو مصر میں خدا مانا جاتا تھا، اور اسکی طرف قدماے مصر تمام علوم کا اختراع منسوب کرتے تھے، چنانچہ اسکو (M. Steinschneider) اور (E. Blochet) وغیرہ نے نہایت تفصیل سے اپنی کتابوں اور رسالوں میں بیان کیا ہے۔

**الٰہیات** | چونکہ مصر نہایت قدیم ملک ہے اور وہ یونان کو اپنا "بچہ" کہتا ہے اسلئے اسکے قدیم مذہبی خیالات بہت کم معلوم ہیں، تاہم جو کچھ کتبات اور مورخین یونان کی تحریروں سے مستنبط ہوتا ہے اس سے بہت کچھ زمانۂ قدیم کے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔

ہیرو ڈوٹس کا بیان ہے کہ دنیا مین مصریون سے زیادہ کوئی پابند مذہب اور متقی نہین، انکی تصویرون کو دیکھو تو معلوم ہوگا کہ خدا کے سامنے نماز ادا کر رہے ہین، کتابون کو پڑھو تو نظر آئیگا کہ عبادت و تنسک کے ذکر سے لبریز ہین،

مصری بہت سے دیوتاؤن کے قائل تھے، جنمین رب الشمس سب سے بڑا تھا، اور وہ اسکو خالق، محسن، علیم، اور ازلی سمجھتے تھے، اسکی ایک بیوی اور ایک بیٹا مانتے تھے، اور انکو بھی اسی کی طرح خدا سمجھتے تھے، ان تینون کے نام مختلف فرقون مین علٰحدہ علٰحدہ ہین، رب الشمس کا نام اوزیرتس، قمر کا ایزیس، (یہ بیوی تھی) اور آفتاب کا ہورس ہے، (یہ بیٹا ہے) ان تینون کے علاوہ مصریون کا ایک اور دیوتا بھی تھا، اور وہ رب اللیل ہے، جسکو یہ لوگ سیت کہتے تھے، ان دیوتاؤن کی تصویرین آدمی اور جانورون کی طرح بناتے تھے، لیکن انکے سر جانورون کے رکھتے تھے، یہ لوگ بعض جانورون کو بھی مقدس مانتے تھے،

مردون کی روح کو پوجتے تھے، انکا خیال تھا کہ مرتے وقت آدمی اپنی روح کو چھوڑ جاتا ہے، اسی لئے وہ قبرون کو نہایت وسیع بناتے تھے، اور ان مین کرسیان، سامان آرائش، کھانا، پانی اور تمام ضروریات زندگی مہیا کرتے تھے، اور مردہ کی ایک تصویر پتھر یا لکڑی کی بنا کر رکھدیتے تھے، انہین وجوہ سے ان لوگون کی قبرین مدت تک "بیت القرین" کے نام سے مشہور تھین،

مصر کے گیارھوین شاہی خاندان کے زمانہ مین حشر ارواح کا عقیدہ قائم ہوا، یعنی یہ کہ مردہ کی روح شام کو آفتاب کے پاس جاتی ہے، وہان اسکا حساب کیا جاتا ہے، قلب شہادت دیتا ہے، اور میزان حق مین اعمال تولے جاتے ہین، شریر روح کو عذاب دیا جاتا ہے، اور وہ صدیون اسی حالت مین رہکر فنا ہو جاتی ہے، پاک روح مدتون اڑتی پھرتی ہے، اور بعد مین ارباب (دیوتا) مین شامل کرکے جذب ہو جاتی ہے،

چونکہ روح بسا اوقات آرام حاصل کرنے کے لئے اپنے پرانے جسم مین آجاتی ہی اور اسکے لئے جسم کے صحیح وسالم رہنے کی ضرورت ہے اس بنا پر انھون نے تحنیط کا طریقہ ایجاد کیا اور مومیاء بنائی جو تابوت مین رکھدیجاتی تھی،

مردہ کے ساتھ مومیاء کے پاس ایک چھوٹی سی کتاب بھی رکھدیجاتی تھی جسکو کتاب الموتےٰ کہتے تھے، اسمین مردہ کی زبان سے اپنے مذہب اور کیرکٹر کی نسبت چند خیالات درج ہوتے تھے جوحسب ذیل ہین، "مین نے خیانت نہین کی، نہ بیوہ کو ستایا، نہ گناہ کا مرتکب ہوا، نہ باطل کو پسند کیا، نہ غلام کی آقا سے شکایت کی، نہ عبادتگاہون پر رزق بند کیا، نہ مردون کی پٹیان اور کھانا چرایا، نہ غلہ کم تولا، نہ پاک جانورون کو شکار کیا، اور نہ پاک مچھلیون کو پکڑا، بھوکون کو کھلایا پیاسون کو پلایا، ننگون کو پہنایا، خداون کے لئے قربانی کی، مردون کے لئے وضائم بنائے" (وضم اس لکڑی کو کہتے ہین جسپر قصاب گوشت رکھکر کاٹتا ہے،

**فلکیات** آسمان کو یہ لوگ ایک مادی اور ٹھوس چیز سمجھتے تھے، انکے نزدیک آسمان مین گھنڈیان لگی ہوئی تھین، جب وہ کھل جائیگی تو آسمان زمین پر گر پڑیگا،

برجون اور سیارون کے نام سے واقف تھے، اور سیارون مین حرکت کے قائل تھے، چنانچہ آفتاب کو ایلیس، چاند کو سیلین، زحل کو ستورنس، مشتری کو زاریس، اور مریخ کو آرس کہتے تھے[1]

ابوعبداللہ محمد بن سلامۃ قضاعی نے مصر کا ایک قدیم کتبہ کتاب الخطط مین نقل کیا ہے، اسمین حسب ذیل برجون اور سیارون کے نام آئے ہین، سرطان، حمل، حوت، میزان، اسد، شمس، قمر، زحل، مشتری، مریخ، زہرہ، عطارد، قلب الاسد، جوزہر[2]

سیارون کے مقامات اور انکی مختلف حرکتون پر کچھ احکام مرتب کرتے تھے جو نہایت

---

[1] تاریخ الحضارۃ جلد ا تالیف موسیو شارل سینوبوس فرنسیسی، [2] معجم البلدان صفحہ ۵۵۴ و ۵۵۶ ج جلد ۸،

معمولی اور ابتدائی درجہ کے تھے، علامہ شہرستانی نے انکی نسبت لکھا ہے۔[۱]

| | |
|---|---|
| واما الاحكام المنسوبة الى هذه الاقسام | ان تقسامات پر انہون نے جواحکام لگائے ہین وہ |
| ففير مبرهن عليها عند الجميع | سبکے نزدیک بے دلیل ہین |

عمرانیات: قدماے مصر کی قبرون مین جو ہیکل، تصاویر اور سامان آرائش دیکھا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہان تمدن تھا، چنانچہ یہ لوگ حضرت مسیح سے ساڑھے تین ہزار برس قبل کاشتکاری، پارچہ بافی، تطریق معادن، (سونے چاندی کو پیٹ کر درست کرنا) نقش، تصویر، اور تحریر جانتے تھے، انکا ایک مذہب اور ایک منتظم سلطنت تھی،

مصری دنیا کے سب سے پہلے صناع ہین، چنانچہ تین ہزار برس قبل مسیح سے ان مین پتھر کی تصویرون کا رواج ہے، جنکو وہ لوگ قبرون مین رکھتے تھے، ان مین بعض حد درجہ محیر العقول ہین اور حقیقت یہ ہے کہ انکی اس صنعت نے خود شاہد فطرت کو بے نقاب کیا ہے، کیونکہ اسمین محاکات کی اعلی سے اعلی نظیرین ملتی ہین، ان مین بعض ایسی تصویرین بھی ہین جو گو متحرک نہین ہین لیکن انکے بشرہ سے جلال کے آثار نمایان ہین،

مصریون نے رنگ مین ایسا کمال دکھلایا کہ ضرب المثل ہو گئے ہین، چنانچہ پانچ ہزار برس گذرنے کے بعد بھی انکی تصویرون مین وہی رنگ و روغن باقی ہے، وہ سونے، چاندی، فلزات، اسلحہ، زیورات، شیشہ، خزف، اور پنبار کا استعمال جانتے تھے، اور اون اور کتان کے سادے اور نگار دار کپڑے تیار کرتے تھے،

وہ عمارتین بنانے مین خاص شہرت رکھتے تھے، اور حقیقت یہ ہے کہ امم قدیمہ مین سے کوئی قوم بھی اس معاملہ مین انکی حریف نہین ہے، فلک نیلگون کا پرزور ہاتھ بہت سی عظیم الشان

---

[۱] شہرستانی صفحہ ۱۴۲ جلد ۲،

قومون کی یادگارون کو نیست و نابود کر چکا ہے، لیکن قدماے مصر کی عمارتون کی ایک اینٹ بھی نہ ہلا سکا، ابوالہول، اہرام، مسلات، تماثیل، منحنیات انکی وہ قوی ہیکل یادگار بن ہین، جنکی تخریب کے تخیل سے دستِ زمانہ بھی کانپ اٹھتا ہے،

مصری اپنے رہنے کے مکانات زیادہ مضبوط نہین بناتے تھے، بلکہ عبادتخانون اور مقبرون مین استحکام کا خیال کرتے تھے، چونکہ دنیا ہمیشہ پاک اور دائمی جگہ ڈھونڈتے ہین اسلئے یہ لوگ عبادتخانہ مین ہیکل (یہ خدا کا مکان ہوتا تھا) محل، باغ، کاہنون اور انکے مریدون کے مکانات اور سامان رکھنے کے لئے علٰحدہ علٰحدہ کمرے تیار کرتے تھے۔

قبرون مین اسکا اور زیادہ اہتمام ہوتا تھا، اور وہ نہایت کشادہ اور مستحکم بنائی جاتی تھین، چنانچہ اہرام جو دنیا کے عجائبات مین شمار ہوتے ہین، مصری بادشاہون کی قبرین ہین، اور ہرم اکبر کیوپس کا اور ہرم ثانی کیفرم کا بنوایا ہوا ہے، انکے علاوہ مصر زیرین مین اور بھی بہت سے چھوٹے بڑے اہرام موجود ہین جو شاہان مصر کی قبرین ہین،

اس مقام پر یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اہرام کا بانی کون شخص تھا، وہ کس زمانہ مین بنے اور کس مقصد سے تعمیر ہوئے، قدما مین ایک بڑی جماعت کا خیال ہے کہ اہرام حضرت ادریس کے بنائے ہوئے ہین، اور طوفان نوح سے بہت پہلے بنے ہین، اور اس سے انکا مقصد یہ تھا کہ طوفان مین علوم و فنون بربادی سے بچ جائین، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ خیال بالکل لغو ہے اور جیسا کہ علامہ حموی نے لکھا ہے اسکی حقیقت خواب سے زیادہ نہین ہے، اہرام طوفان کے بہت بعد بنے ہین انکے بنانے والے مصر کے چوتھے خاندان کے بادشاہ تھے، اور وہ مقبرہ کی غرض سے بنائے گئے تھے،

بانیان اہرام کے بعد مصر مین قبرون کا ایک دوسرا طریقہ رائج ہوا، اور وہ زمین کے اندر بنے لگین

۱؎ حاشیہ ابن طولون صالحانی برمختصر الدول صفحہ ۱۱، ۲؎ معجم البلدان صفحہ ۵۰ جلد ۸، ۳؎ تاریخ الحضارۃ صفحہ ۱۱،

بعضون نے پہاڑون کو کاٹ کر قبرین بنائین، چنانچہ یہ قبرستان جو مُردون کا شہر کہلاتا تھا آبادی سے بالکل قریب تھا، اور شہر سے زیادہ وسیع اور بارونق تھا،

قدمائے مصر حملہ کرنے کے عادی نہ تھے، وہ نہ تجارت کرتے تھے، نہ سمندر کا سفر کرتے تھے، اور نہ ان مین ملاح ہوتے تھے، البتہ مصر کی چھبیسوین سلطنت نے قوت بحری کی طرف توجہ کی تھی،

علوم و فنون | طب، سحر، اخلاق، قصائد، رسائل، سفرنامے، تاریخ، ریاضی، طبیعی، کیمیا، طلسمات، نیرنجات، اور مرایای محرقہ اہل مصر کے خاص علوم ہین، اور ان مین انکے یہان بڑے بڑے صاحب کمال پیدا ہوئے ہین، چنانچہ افونیوس نے علم سیمیا ایجاد کیا، مایندروس (میندروس) المتوفی ۲۹۰ ق م نے شعر کی ایک قسم ایجاد کی جسکو قومیدیا (کومیڈی) کہتے ہین، اس مین انسان اور حیوانات کے مشترک قبائح بیان کئے جاتے ہین، ایک اور شاعر نے دوسری صنف ایجاد کی جو طراغوذیا (ٹریجڈی) کہلاتی ہے اسمین انسان اور فرشتون کے مشترک فضائل اور مراثی ہوتے ہین[1]، ابلونیوس نجار نے ریاضی مین ایسی معرکہ کی دو کتابین لکھین جو اقلیدس کا سنگ بنیاد قرار پائین[2]، چنانچہ اقلیدس نے جامیٹری مین جو کچھ لکھا ہے، وہ انہین کتابون کی تشریح ہے[3]، میطن اور اقطیمن دو ریاضی دانون کی تحقیقات جو انھون نے علم الفلک کے متعلق رصدخانہ اسکندریہ مین کی تھی، ۶۰۰ برس تک مسلم مانی گئی[4]،

علم الحیوانات مین یہان کے علمار کا ایک مستقل نظریہ ہے جسکو وصفی نے اخبار مصر مین لکھا ہے، اور وہ یہ ہے[5]،

"انسان سے پہلے اس عالم کون و فساد مین حیوانات کی بہت سی قسمین بہتی تھین، جنکی عجیب

[1] ابن عبری صفحہ ۴۳، [2] اخبار الحکما، صفحہ ۴۴، [3] طبقات الامم صفحہ ۴۳ [4] اخبار الحکما صفحہ ۵۰، [5] طبقات الامم صفحہ ۵۹،

وغریب صورتین ہوتی تھین، جب انسان پیدا ہوا تو اس نے بہت سی انواع کو مار مار کر فنا کر دیا

اور بعض کو جنگلون مین بھگا دیا۔"

یہ خیال اگرچہ آج آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہے، اور علماے طبقات الارض بہت سے

جانورون کے عجیب وغریب ڈہانچے اور انکی تصویرون پر بنی ہوئی صورتین زمین سے برآمد کر رہے ہین

تاہم گذشتہ زمانہ مین اسقدر حیرت انگیز تھا کہ ابن صاعد کو اُسپر کسی طرح یقین نہین آتا چنانچہ فرماتے ہین:

فان کان ذلک حقا فانا ابعد ھم فی ھذا الرای | اگر یہ سچ ہے تو تعجب ہے کہ یہ لوگ نظام حکمت اور

من نظام الحکمۃ وقانون الفلسفۃ۔ (طبقات الامم ص ۵۹) | قانون فلسفہ سے کسقدر دور جا پڑے ہین،

فن تحریر مین اہل مصر کا کارنامہ وہ مشہور ومعروف خط ہے جو ہیروغلیفی کہلاتا ہے، اور اہرام اور

دوسری قدیم عمارتون پر کندہ ہے، اسکی ساخت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دنیا کا سب سے پرانا

خط ہے، کیونکہ اسمین حروف کی بجاے خود اشیا کی صورتین بنی ہوئی ہین، اس خط کے بعد مصریون نے

دو خط اور بھی ایجاد کئے تھے جو پہلے خط سے کسیقدر مختلف تھے[1]،

علوم وفنون کی ترقی کا مصریون نے خاص اہتمام کیا تھا چنانچہ اسکندریہ مین فلسفہ اور طب کی

تعلیم کے لئے انھون نے ایک اکاڈمی قائم کی تھی، وزیر جمال الدین قفطی اسکی نسبت لکھتے ہین[2]،

والاسکندرانیون ھم الذین رتبوا بالاسکندریۃ | اسکندری حکما وہ ہین جنھون نے دارالعلم اور مجالس

دارالعلم ومجالس الدرس الطبی۔ ...... .. | طبی قائم کی تھین۔

---

[1] تاریخ الادب صفحہ ۹۹، [2] اخبار الحکما صفحہ ۵۲؛

# باب التقریظ والانتقاد

## تاریخ صحف سماوی

پروفیسر سید نواب علی ایم اے ہمارے ان ارباب قلم مین ہین جو ہر سال قوم و ملک کے سامنے اپنی محنت کا نیا تحفہ پیش کرتے ہین، ہمارے دوست نے امسال جو تحفہ پیش کیا ہے اس کا نام تاریخ صحف سماوی ہے،

سر ولیم میور کی تصنیف لائف آف محمد کا شان نزول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ پادری فنڈر نے انکو اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ جدید تعلیم یافتہ مسلمانون کو اسلام سے برگشتہ کرنیکی بہترین تدبیر یہ ہے کہ انکے پیغمبر کی زندگی کا سیدھا سادہا نقشہ انکے سامنے پیش کردیا جائے، وہ خود دیکھکر فیصلہ کرینگے کہ حق کیا ہے؟ سر ولیم میور نے اس حکم کی تعمیل کی، اور آخر انکو معلوم ہوگیا کہ حق کیا ہے -

بعینہ اسی طرح ہمارے مصنف نے قرآن مجید اور دیگر صحف آسمانی مین توارات اور انجیل کے درمیان موازنہ اور صحف آسمانی کی صحت کے اصول کی تشریح اور انکے جمع و ترتیب و اشاعت کے سیدھے سادھے واقعات کا یکجا کردینا ہی اس بات کے فیصلہ کے لئے کافی سمجھا ہے کہ حق کیا ہے؟

تاریخ صحف سماوی مین پروفیسر ممدوح نے اختصار کے ساتھ اول، دوم اور سوم تین ابواب کے تحت مین توراۃ، انجیل اور قرآن مجید کے جمع و ترتیب و حفاظت کا تاریخی موازنہ کیا ہے، اور اسی کے ضمن مین لفظی و معنوی تحریف کی بحث اور بعض علمائے یورپ نے قرآن مجید پر جو ادبی و تاریخی اعتراضات کئے ہین انکا جواب دیا ہے، ان معترضین کا امام نولڈیکی ہے جس نے قرآن مجید پر ایک نہایت جاہلانہ مضمون لکھا ہے، اور تعجب ہے کہ ہمارے مستشرقین جنکی عربی دانی کا

ہم نہایت شوق سے سنتے ہین اس مضمون کے فقرون کو وحی آسمانی کی طرح اپنی تحریرون مین سندًا نقل کرتے ہین

قرآن مجید کی تاریخ جمع و ترتیب سے پہلے عربی زبان کے قدیم طریقۂ تحریر پر بھی بحث کی ہے اور آثار قدیمہ کی مدد سے حروف تہجی کی جو قدیم شکلین معلوم ہوئی ہین انکا بھی نقشہ دیدیا ہے، اس بابت کے ثبوت مین کہ کلام مجید ابتدا سے محفوظ ہے، بڑودہ کے ایک کلام پاک کے ایک صفحہ کا عکس بھی شامل کیا ہے، جسکی نسبت یہ مشہور ہے کہ وہ حضرت امام علی رضا کے دست خاص کا لکھا ہوا ہے، امام موصوف کی ولادت ۱۴۸ھ مین اور وفات ۲۰۳ھ مین ہوئی ہے، اس بنا پر اگر یہ نسبت صحیح ہے تو اس سے زیادہ گران قیمت نعمت ہم مسلمانون کے لئے اور کیا ہو سکتی ہے، غالبًا ۱۹۱۳ء مین جب ہم بڑودہ گیا تھا تو اس قرآن مجید کی زیارت سے مشرف ہوا تھا، آخر مین امام موصوف کا نام لکھا ہے، لیکن طرز تحریر اور کاغذ کے ماہرین یہ فیصلہ کر سکتے ہین کہ یہ کسی کاتب کا جعل ہے یا واقعی یہ اسیقدر پرانا ہے، خط یقینًا کوفی ہے۔

تورات اور انجیل کی جمع و تدوین کی جو تاریخ مصنف نے لکھی ہے وہ تمامتر انہین مذاہب کے علماء کی تحریرون سے ماخوذ ہے، طرز عبارت مناظرانہ نہین بلکہ مورخانہ ہے، اور اگر کہین کہین اسکے خلاف کوئی سطر نظر آتی ہے تو وہ فطرت انسانی کا عکس ہے، جسکو وہ بدلنے پر قادر نہین،

ابتداء مین صحف یہود کی فہرست دی ہے پھر بتایا ہے کہ ان مین سے کسقدر حصہ باقی ہے اور کسقدر تلف ہو گیا، تورات کی تحریفون کی تین مثالین، قصۂ داود و زن اوریا، قصۂ سلیمان و بت پرستی، قصۂ ہارون و گوسالہ پرستی کی پیش کی ہے، نہین معلوم ہمارے دوست نے لوط اور انکی بیٹیون اور حضرت سلیمان کے بیٹے اور اسکی بہن کا قصہ کیون چھوڑ دیا، شاید قلم کی سنجیدگی نے اس حد تک نیچے اترنے کی اجازت نہ دی ہو، اسی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جن واقعات کو لکھتے ہوے انسان کا قلم کانپ اٹھتا ہے وہ خامۂ الٰہی کے نقوش وحی کیونکر ہو سکتے ہین؟

باب دوم مین عہد جدید، حواریون کی تعلیم، پال کا اختلاف، نیقیہ کی کونسل، اناجیل کی فہرست قدیم فرق مسیحی، انجیل کے قدیم نسخے، اختلافات اناجیل، اناجیل اربعہ اور ولادت مسیح کے بیان کا اختلاف، ان مباحث پر محققانہ باتین لکھی ہین، تیسرے باب مین قرآن مجید کی تاریخ نزول وجمع وتدوین ہے، اور سب سے آخری فصل مین نولدیکی کے چند اعتراضات کا جواب دیا ہے،

معارف مین بھی ان چند اعتراضات کا جواب چھپ چکا ہے، ابھی چند تاریخی اعتراضات اور باقی رہ گئے ہین، جنکی طرف بھی ہمارے دوست کو متوجہ ہونا چاہیئے تھا، منجملہ انکے وہ آیت ہے جسمین بنی اسرائیل کو فرعون کی مملکت کا جانشین بنانے کا ذکر ہے، لفظ "ہامان" کی تحقیق مین یا ھامان ابن لی صرحًا کے معنی بھی اپنی جدید تحقیق کے مطابق بتانے تھے، ہمارے دوست کی تحقیق یہ کہ ہامان، آمان کی تعریب ہے جو مصر کے بڑے دیوتا کا نام تھا، اخت اھارون کے بیان مین محاورۂ عرب سے بھی استدلال ضرور تھا،

اس کتاب کا سب سے اہم باشان باب وہ ہے جسمین مصنف نے قرآن مجید اور توراۃ کے متحد قصہ کا باہم لفظی موازنہ کیا ہے، اور اسکے لئے انھون نے احسن القصص یعنی حضرت یوسف کے قصہ کا انتخاب کیا ہے، دو کالم کرکے ایک کالم مین قرآن مجید کی عربی عبارت اور دوسرے کالم مین توراۃ کی عبرانی عبارت بالمقابل نقل کی ہے، اور جابجا وجوہ ترجیح کا اظہار کیا ہے،

ہمارے نزدیک تو قرآن مجید اور توراۃ کے موازنہ کا بہترین طریقہ یہی ہے، کوئی شخص کچھ اور نہ کرے صرف اسقدر کرے کہ توراۃ و قرآن کے تمام متحد قصون کو لیکر بالمقابل ایک کالم مین توراۃ کا ترجمہ لکھدے اور دوسرے کالم مین قرآن مجید کا ترجمہ دیدے، عربی وعبرانی عبارت کا لکھنا گو توثیق کیلئے مناسب ہے لیکن اردو ترجمہ دینا فائدہ مندی کے لئے ضروری ہے،

ہم مصنف کو اس کامیاب تصنیف پر مبارکباد دیتے ہین، جدید تعلیم یافتہ کہتے تھے کہ مغرب کے

جدید علمی سرمایہ مین بیدینی اور لامذہبی کے سوا کسی اور چیز کا مسالہ نہین، لیکن پروفیسر سید نواب علی یہ کیا کر رہے ہین کہ انہین سمی معدنیات سے تریاق اور اکسیر کے اجزا نکال نکال کر پیش کر رہے ہین بارک اللہ فی علمہ،

ضخامت ۲۰۵ صفحات، تقطیع متوسط کتابی، قیمت ہے، پتہ مصنف سے جامع مسجد بروده کے پتہ سے ملیگی،

## اُردو مین فلسفہ جدیدہ کا ایک مکمل اسکول

### سلسلۂ برکلے

اپنی زبان کو دوسری زبانون سے مستغنی کرنیکی یہی صورت ہوسکتی ہے کہ ان زبانون کے بہترین سرمایہ کو نہایت احتیاط اور ایمانداری کے ساتھ اپنی زبان مین منتقل کیا جائے، یورپ مین فلسفہ کے متعدد اسکول ہین، اور ہر اسکول مین چند نہایت اہم اور معرکۃ الآرا سلسلۂ تصنیفات ہین، دارالمصنفین کا نظام العمل (پروگرام) یہ ہے کہ مستند اسکولون کی اہم تصنیفات کو اردو مین بترتیب منتقل کیا جائے، چنانچہ یہ سلسلۂ برکلے اسی تخیل کا ثمرہ ہے، برکلے کا سب سے پہلے اسلئے انتخاب کیا گیا کہ یہ نسبتہ سہل ہے اور مذہب سے متصادم نہین ہوتا، ہمارے علمائے کرام اور طلبائے مدارس عربیہ جنکو حمایت مذہب کیلئے فلسفہ جدیدہ کی واقفیت ضروری ہے، انکو اسکا مطالعہ ناگزیر ہے،

اس سلسلہ کو اردو زبان مین ان مشاہیر اہل قلم نے منتقل کیا ہے جو دور حاضر مین ہماری قوم کے بہترین عالم فلسفہ ہین، یعنی مولوی عبدالماجد صاحب بی اے اور پروفیسر مولوی عبدالباری ندوی، اس سلسلہ مین تین کتابین داخل ہین، برکلے اور اسکا فلسفہ، اسمین برکلے کی دلچسپ سوانح حیات، تصنیفات اور ہر تصنیف پر تقریظ اور اسکے خاص فلسفہ تصوریت کی تشریح ہے، مبادی علم انسانی اسکی اہم ترین تصنیف پرنسپلز کا سلیس سلطب خیز ترجمہ، اور مکالمات، جسمین بصورت مکالمہ آسان پیرایہ مین اپنے فلسفہ کی اس نے تشریح کی ہے،

ہر حصہ عمدہ کاغذ پر اچھی لکھائی چھپائی کے ساتھ چھپا ہے، ہر ایک کی قیمت عہ ہے، مجموعہ کی قیمت للعہ ر

# ادبیات

## فریادِ اکبر

یاد آرہی ہے مجھکو موسیٰ کی گفتگو اب — ہوں محو استعینوا باللہ واصبروا

طاعتِ باری سے دل کو شاد رکھ — ان وعد اللہ حق یاد رکھ

تیری دینی تربیت میں جو کہ سدِّ راہ ہیں — غالباً مصداقِ صدوا عن سبیل اللہ ہیں

ہنگامۂ شکر و شکوہ دنیا میں ہے گرم — لیکن مرے دل سے یہ صدا آتی ہے
کہتا ہیں رازِ دہر "شکوہ" نہ ہے تو یہ — اور "شکر" ہے یہ کہ موت آجاتی ہے

---

## رباعیاتِ وحید

ہمارے پرانے دوست مولوی عبدالوحید صاحب ایم ۔ اے ال ٹی جن سے معارف کے ابتدائی نمبر روشناس ہیں پورے ڈیڑھ برس کے بعد یاد فرماتے ہیں،

کچھ بلبل و گل سے گفتگو کی ہم نے — کچھ دیر و حرم میں جستجو کی ہم نے
جب اسکا پتہ کہیں نہ پایا آخر — عکسی تصویر روبرو کی ہم نے

---

اسرافِ زبان کو گفتگو کہتے ہیں — آشفتہ سری کو جستجو کہتے ہیں
ذلت سمجھے ہوے ہیں گمنامی کو — رسوائی کو لوگ آبرو کہتے ہیں

نرگس کو چمن میں جسنے حیران دیکھا — شبنم کو سرِ شام سے گریان دیکھا
جز حیرت و گریہ حاصلِ دید نہیں — آنکھوں کو کبھی کسی نے خندان دیکھا

انسان بھی ہم ہوے تو کیا خاک ہوے — گو صاحب عقل و فہم و ادراک ہوئے
طاہر ہوے مرنے پہ بھی غسل کیا — جبتک نہوے خاک نہ ہم پاک ہوئے

---

مسجد ہو کہ بتکدہ کہ میخانہ ہو — ہو سبحہ کہ زنار کہ پیمانہ ہو
پابندی رسم ہے بہرحال وحید — آزاد جو ہونا ہو تو دیوانہ ہو

---

مدت کے بعد نذر ہے یہ ہدیۂ سخن
بادا قبول خاطر تو اے سیدِ زمن!

## غزل جناب مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی

دیر ہوئی کہ آسمان بر سر اختلاف ہے — ایک مجھی پہ ہے عتاب سب کی خطا معاف ہے،
جل کے بھی میں نے اف نہ کی الفت دل ہی رہی — برسوں دھواں اٹھا کیا پھر بھی یہ سینہ صاف ہے
راستی وفا تجھے کس سے مقابلہ پڑا — شیوۂ حسن مہ رخان ہی تو گزاف و لاف ہے،
وقت ہی امتحان کا کھینچ سکو خدا کرے — خیر برا ہوں میں تو ہوں تیغ تو خوش غلاف ہے،
واہ ری ہمت کرم آتش عشق پھونک کر — میں نے کہا خطا ہوئی دل نے کہا معاف ہے
خواہش امتیاز سے مل گئی عیب کو جگہ — کیسی ہی نیک بات ہو حسن کو اختلاف ہے،
مطلب شادی و الم کن میں نہاں ازل سے تھا — عالم حسن و عشق بھی جلوۂ نون و کاف ہے،
آمد و رفت میں ہیں محو حسرت و غم کے قافلے — کعبۂ دل کے گرد روز ایک نیا طواف ہے،
آپکا تھا گنہگار میں نہ کہ ابر و باد کا — میرا مزار تھا جہاں اب وہ زمین صاف ہے.
خوب تھا قصۂ قفس سنتے جو میرے ہمنوا — قید میں ہوں کہ مر گیا اسمیں بھی اختلاف ہے.
ثاقب دلحزیں تجھے دوست کوئی ملے تو کیوں — ایک وہی نہیں خفا سارا جہاں خلاف ہے.

# سیرۂ فاروقی

## عہدِ خلافتِ راشدہ کا ایک اسوۂ حسنہ

جناب مولوی سید حسن مرتضیٰ صاحب شفق رضوی عماد پوری

عہدِ فاروق مین جب فتح ہوا شام کا ملک	حاملِ رایتِ نصرت ہوئی جانبازِ سپاہ
اہلِ تثلیث کا قبلہ تھا جو بیت المقدس	شرک کو آکے وہان بھی نہ ملی جائے پناہ
جھک پڑی ہیبتِ اسلام سے سجدے کو صلیب	ہوا توحید کا خود خانۂ قدوس گواہ
جلوۂ حق سے ہوئی ظلمتِ باطل کا فور	چہرۂ ظلم ہوا عدل کی دہشت سے سیاہ
رعب سے دبکے ہوئے صلح کے خواہان آخر	تیر کے حملون کی جب تاب نہ لاسے روباہ

---

دی خبر حضرتِ فاروق کو اصحاب نے یہ	لائین تشریف یہان آپ بصد عظمت و جاہ
اسطرح بے سر و سامان وہ چلے جانبِ شام	کہ کہان جانتے ہین یہ بھی نہ تھے اکثر آگاہ
چلتے چلتے جو قریب آگیا بیت المقدس	دشتِ منزل کا تھکا ماندہ نہ چل سکتا تھا راہ
جسمِ اطہر مین ادہر ایک عبا پارینہ	اور ادہر دھوم تھی آتا ہے مسلمانون کا شاہ
لوگ پوشاک نئی لائے بدلنے کے لئے	نہ جچی نظرون مین وہ فقر تھا منظورِ نگاہ ۔
ابتو وہ ذوق خود آرائی و خود بینی ہے	لذتِ نفس کے پیچھے ہین مسلمان تباہ
کھو گئے جتنے تھے اخلاقِ حمیدہ ہم مین	اب کہان صدق! کہان عدل کہان خوفِ الٰہ
کون تھے آئے تھے کس کام کو کیا اسکی خبر	کیا تھے کیا ہو گئے اسکو بھی نہین جانتے آہ
خو کہان کی رہین جو بھی شفق وہ باقی	اور اسپر ابھی باقی ہین ہم اِنّا للّٰہ

# غزل فارسی

شادم که دل آلائش پندار ندارد　　آئینه صافست که زنگار ندارد

هرکس که شناسندۂ رازست بمانا　　بر لب سخن از سبحه و زنار ندارد

ای وای بر آنکس که وجودش همه عشق است　　با هر کسے دل بازد و دلدار ندارد

دم سردی ضبط ست که دل سوخته تو　　در هجر تف آه شرربار ندارد

خاک قدمت ریخت جنون تا بسر من　　دل حسرت آرائش دستار ندارد

بر بام بیا تا نگه تماشائی حسنت　　ذوق نظر از روزن دیوار ندارد

گیرم که تهی گشت سبو باده کش ده　　میخوار تو اندیشۂ بسیار ندارد

واعظ نتوان زد دم از افسانۂ الفت　　این آن بود افسانه که هشیار ندارد

گلبانگ انا الحق هم از آئین تو دست　　منصور تو با خود رسن و دار ندارد

کیفیت صهبائے سخن برد ز هوشم　　سرمستیم اندازه و مقدار ندارد

نیّر بود این گفتهٔ تو معجزۂ نطق
در بزم کس این شیوهٔ گفتار ندارد

ابوالحسنات ندوی نیّر

# مطبوعات جدیدہ

گیتان جلی، سر رابندرا ناتھ ٹیگور یعنی ہندوستان کے وہ مایۂ ناز شاعر جنکی شاعرانہ فضیلت کو دنیا کا سب سے بڑا ادبی انعام دیکر یورپ نے بھی تسلیم کیا ہے، گیتان جلی انکی نظمون کا مجموعہ ہے، انکی اصلی زبان بنگالی ہے، جس سے خود مصنف نے انگریزی مین ترجمہ کیا، مولوی نیاز فتحپوری ندوی ملک کے شکریہ کے مستحق ہین کہ انھون نے اردو مین ٹیگور کے خیالات منتقل کیے، اسمین شک نہین کہ اصل زبان مین جسقدر محاسن کلام ہوتے ہین وہ غیر زبان کے ترجمے مین نہین آسکتے، لیکن عام طور پر جو خصوصیات کلام ہوتے ہین وہ ترجمہ مین بھی نہین چھپ سکتے، طرز ادا کا حسن، خیالات کی رنگینی، تخیل کی وسعت، اور جذبات و افکار کی بوقلمونی، یہ ٹیگور کی شاعری کی معنوی خصوصیات ہین جو ترجمہ مین بھی باقی ہین، زبان صاف اور سلجھی ہوئی اختیار کیگئی ہے، یہ الگ بات ہے کہ ٹیگور کی شاعری کی بنیاد ہی چونکہ نزاکت بیان اور لطافت خیال پر ہے، اسلئے اکثر نظمون کو بغور اور بکرات و مرات پڑھنے کی ضرورت پڑتی ہے، ادب اردو مین یہ ترجمہ قابل قدر اضافہ ہے، امید ہے کہ شائقین ادب اس سے پوری دلچسپی لینگے، لکھائی چھپائی صاف، عمدہ، صفحات ۱۱ تقطیع چھوٹی،

انسانی قربانیان۔ عربی مین "ضحایا البشریہ" ایک رسالہ ہے جسکا موضوع تمدنی و معاشرتی غلطیون کی اصلاح ہے، شام کے عیسائی فاضل اہل قلم "ندرہ نقولا" کی یہ تالیف ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب محوی نے اسکو اردو مین منتقل کیا ہے۔ اگرچہ اصل بیان مین جو لطافت دلآویزی اور زور بیان ہے، وہ ترجمہ مین نہین، تاہم موجودہ حالت مین بھی مترجم کی کوششین قابل تحسین ہین، اسکے اکثر مضامین عورتون کی اصلاح حالت سے متعلق ہین، اور گو مؤلف نے اصلاح معاشرت پر اپنی ملکی رسوم و رواج کے لحاظ سے بحث کی ہے، لیکن مشرقی دنیا مین معاشرت و تمدن کے امراض ہر جگہ یکسان ہین

ا سئے اس قسم کے مضامین ہر ملک کی بیداری کا ذریعہ بن سکتے ہین، زبان صاف اور طرز بیان عمدہ ہے
تقطیع چھوٹی، ۱۱۱ صفحے، قیمت ۸ر، دائرہ ادبیہ کی گنج لکھنؤ۔

ثمرۂ احسان۔ ۔از مولوی حکیم سید محمد اسحاق صاحب مونگیری، اس رسالہ مین احسان کے فواید اور محسن کشی کے بُرے نتائج کو ایک قصہ کے پیرایہ مین بیان کیا گیا ہے، اصل واقعہ کی نسبت مصنف کا دعوی ہے کہ یہ پٹنہ کا سچا قصہ ہے، اس قسم کی تحریرون کے لئے طرز ادا کی تاثیر بہت ضروری ہے اگر یہ نہو تو کوشش بیکار ہے، اسمین انداز بیان کی کمزوریان بہت ہین، زبان بھی فارسی اختیار کی گئی ہے، جو بہت ہی معمولی درجہ کی ہے، بلکہ بعض مقامات پر غلطیون سے بھی خالی نہین، بہتر ہوتا اگر اردو زبان اختیار کیجاتی، اور سرسری طریقۂ بیان کو چھوڑکر موثر طریقہ ادا اختیار کیا جاتا، تقطیع کلان، صفحے ۱۷، قیمت

تحفۂ سائنس، پروفیسر فیروز الدین مراد بی۔ اے ایم ایس سی علی گڈھ کالج کے سائنٹفک مضامین کا جو مجموعہ گذشتہ سال شایع ہوا تھا، خوشی کی بات ہے کہ اس قسم کے خشک مضامین کو اب پبلک بشوق پڑھنے لگی ہے، اور اسلئے صرف تین مہینے کے اندر اسکے دوسرے اڈیشن کے شایع کرنے کی ضرورت پڑی، یہ اڈیشن چھپکر شایع ہوگیا ہے، اس کتاب پر گذشتہ سال کے معارف جون ۱۸ء مین ریویو ہو چکا ہے، اس طبع ثانی مین مصنف نے بعض باتین اضافہ بھی کی ہین اور چند فوٹو بھی زیادہ کئے ہین، ضخامت ۳۰۰ صفحے، قیمت ۱۲ر، مصنف کے پتہ سے طلب کیجئے

---

تمام شد

[illegible]چہارم | ماہ شوال [illegible] مطابق جولائی [illegible] | عدد ۱

# مضامین

## فہرست مضامین جلد سوم مع سرورق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# شذرات

پریسیڈنٹ ولسن، جو اسوقت یورپ و امریکہ کے سیاسی اکھاڑہ مین مصالحت و آشتی کے تنہا علمبردار ہین، شاید کم لوگون کو معلوم ہوگا، کہ بہت بڑے عالم و مصنف بھی ہین، سیاسیات و ادب پر انکی متعدد بلند پایہ تصانیف شائع ہو چکی ہین، اور حکومت امریکہ کی صدر نشینی سے پیشتر انکی حیثیت تمامتر علمی تھی، فن قانون مین وہ ڈاکٹر ہین، امریکہ کی ایک مشہور یونیورسٹی مین مدتون وہ فن سیاسیات (پالیٹکس) کے پروفیسر رہے ہین، قانون بین الاقوامی کے اختلافی مسائل مین انکی رائے بہ حیثیت ماہر فن ہونے کے ہمیشہ مستند و مسلم رہی ہے، غرض انکی ایک عمر علم و فن کی خدمتگزاری مین صرف ہو چکی ہے، دیکھنا ہو کہ عملی سیاسیات مین پڑکر اسکی نجاستون سے وہ اپنے دامن کو آخر تک صاف رکھنے مین کس حد تک کامیاب ہوتے ہین، افلاطون نے کہا تھا، کہ دنیا مین امن و نظم اُسی وقت قائم ہو سکتا ہے، جب حکومت کی باگ اہل علم و حکمت کے ہاتھ مین آجائے، کیا ۱۹۱۹ء مین اس خواب کی تعبیر پوری ہو سکے گی؟

---

پیرس کی ایک مقتدر جماعت کے سامنے پریسیڈنٹ ولسن نے اپنی تقریر مین فخریہ کہا تھا کہ مین سیاسی زندگی مین یونیورسٹی اسپرٹ (تعلیمی روح) داخل کر رہا ہون" پھر اس "تعلیمی روح" کی خود ہی تشریح کی کہ اس سے مراد ہے، کہ جو چیزین زندگی مین خلوص اور احقاق حق سے مانع ہوتی ہین، ان پر غالب آیا جائے"۔

کاش پریسیڈنٹ موصوف کو اپنی اس تعلیم پر عمل کی بھی توفیق ہو!

مہاراسٹر مین ایک ممتاز علمی انجمن، انڈین ہسٹاریکل ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے نام سے پونہ مین قائم ہے جسکا سالانہ جلسہ حال مین منعقد ہوا تھا، انجمن کا مقصد ہندوستان اور بالخصوص اپنے صوبہ سے متعلق اعلیٰ تاریخی تحقیقات کا مذاق پیدا کرنا ہے، اسکی عمر ابھی کل آٹھ سال کی ہے لیکن اتنے ہی عرصہ مین اسکی مختلف مجلسون مین تقریباً ایک ہزار علمی عنوانات پر مذاکرہ ہوچکے ہین، جنمین سے اکثر مرہٹون کی تاریخ سے متعلق خاص اہمیت رکھتے ہین، اور جنکے ذریعہ سے متعدد انگریز مورخون کی غلطیون کی پردہ دری ہوچکی ہے، مطبوعات انجمن کی تعداد ۴۵ تک پہنچ چکی ہے، جنکی مجموعی ضخامت چھ ہزار صفحون سے کم نہین، اسوقت انجمن کے ذخیرہ مین تیس ہزار قلمی مسودات، اور ایک کثیر تعداد مین قلمی تصاویر، مرقع، کتبہ، سکہ، وغیرہ موجود ہین، انجمن کے موجودہ ارکان کی تعداد پانچ سو ہے، جس مین ہندوستان کے بعض اکابر فضلا، مثلاً ڈاکٹر بھنڈارکر، پروفیسر جادوناتھ سرکار شامل ہین، اسکے سرپرست مہاراجہ گیکوار ہین، اور ریاست بڑودہ اکثر مطبوعات خرید کرتی رہتی ہے، اب انجمن کو اپنے نایاب ذخیرۂ تاریخی، اور دفتر وغیرہ کے لئے ایک وسیع عمارت کی ضرورت ہے، جسکا تخمینۂ مصارف دو لاکھ ہے، لیکن یہ ایسی رقم ہے، جسے مرہٹون کی باہمت قوم چند ماہ مین فراہم کرسکتی ہے، وہ مسلمانون کی قوم نہین، جس نے اپنی یونیورسٹی بنانا چاہی، مگر چند روز مین طبیعت اُچاٹ ہوگئی، وہ بدنصیب اُردو بولنے والون کی جماعت نہین جسنے آج انسائکلوپیڈیا کا منصوبہ باندھا، اور کل دوسرے کھلونن سے دل بہلانے لگے،

---

مرہٹی ایک صوبہ کی مخصوص زبان ہے، پھر انسٹیٹیوٹ مذکور کا دائرہ بھی تاریخ تک محدود ہے، اسپر بھی اسکے ارکان کا شمار پانچ سو تک ہے، اردو اسکے مقابلہ مین تمام ملک کی زبان ہے، نیز انجمن ترقی اردو کا دائرہ کسی خاص علم وفن تک محدود نہین، اس تناسب سے انجمن اُردو کے ارکان کی تعداد کم از کم پانچ ہزار ہونا چاہیے تھی، لیکن واقعہ یہ ہے، کہ وہ پانچ سو بھی نہین! ملکہ ۱۹۱۸ء مین یہ ہزار دشواری کہین جاکر تین سو ہوئی ہے، اور دو سال پیشتر تو انکی تعداد ڈھائی سو سے زاید نہ تھی!! "ہمارے" "انکے" رفتار عمل کا فرق اسی سے ظاہر ہے!

مغرب کے اہل ثروت اگر روپیہ کمانا جانتے ہین، تو ساتھ ہی اسے مفید مصارف مین لگانا بھی جانتے ہین، امریکہ کے مشہور ملک التجار اینڈریو کارنیگی "شاہ آہن" اور اسکی بے شمار دولت کے افسانے اکثرون نے سنے ہونگے لیکن دولت قارون کا یا لک، دل حاتم رکھتا ہے، امریکہ و یورپ کے ہزہا کتبخانے اسی کی فیاضیون کے بل پر چل رہے ہین، حال مین اندازہ کیا گیا، تو معلوم ہوا کہ صرف اسی ایک (کتبخانہ کی) مد مین اسکے عطایا کی میزان ۶۰ کروڑ تک پہنچی ہے،

بمبئی و کلکتہ، سورت و رنگون، دہلی و کانپور کے باہمت و غیرت مند مسلمان تاجرون نے کبھی یہ خبر سنی ہے

---

یورپ کی یونیورسٹیون مین آکسفرڈ و کیمبرج کو اپنی قدامت پسندی پر ناز تھا، امریکہ و جرمنی کی یونیورسٹیان روز ایک نیا قدم آگے بڑھاتی تھین، لیکن انگلستان کے یہ دونون مرکزی دارالعلوم اپنی جگہ پر بالکل ثابت و غیر متحرک رہتے تھے، اور اس پر فخر کیا کرتے تھے، لیکن اب زمانہ کی قوت سے مغلوب ہو کر انہین بھی اپنے نظام مین بعض اہم اصلاحات کرنا پڑی ہین، اب تک یہ قاعدہ تھا کہ ان یونیورسٹیون مین داخلہ کے وقت طلبہ کو یونانی زبان کے صرف و نحو مین امتحان پاس کرنا ہوتا تھا، حالانکہ محض ابتدائی صرف و نحو کے امتحان سے یونانی زبان تو انہین آتی نہ تھی، البتہ یہ ضرور ہوتا تھا کہ ایک نامانوس خشک مضمون پر غیر دلچسپ محنت کرنے سے طلبہ کی قوت دماغی کو نقصان پہنچ جاتا تھا، لیکن وہی قدامت پرستی و عصبیت جو ہندوستان کے عربی مدارس مین اصلاح نصاب کے نام سے لرز اٹھتی ہے، انگلستان مین بھی مدتون اصلاح کی راہ مین حایل رہی، اب جا کر یہ قاعدہ دونون یونیورسٹیون نے توڑا ہے، آئندہ ان مین داخلہ کے لئے یونانی صرف و نحو مین امتحان، پاس کرنے کی قید اٹھ گئی ہے،

---

کیمبرج و آکسفرڈ کی ڈگریون کا دروازہ اب تک صنف نازک کے لئے بند تھا، اب کیمبرج یونیورسٹی نے

ایک کمیٹی اس مقصد کے لئے مقرر کی ہے، کہ عورتون کے لئے اس راہ مین سہولتین پیدا کی جائین، توقع ہے کہ عنقریب دونون یونیورسٹیون سے مردون کے پہلو بہ پہلو لیڈیان بھی ہر قسم کی ڈگریان لیکر نکلنے لگین گی، یورپ کے تمدن کی جو نوعیت ہے، اسکے لحاظ سے حیرت انگیز یہ امر ہے کہ اب تک ایسا کیون نہ تھا،

---

ہر ملک کی یونیورسٹیان وہان کے سب سے بڑے علمی مرکز ہوتے ہین، جنکا کام محض امتحان لینا اور اسناد تقسیم کرنا نہین ہوتا، بلکہ جنکے مقاصد مین طلبہ کے معلومات و واقفیت مین اضافہ کرنا انکی دماغی سطح کو بلند کرنا انمین مذاق علم پیدا کرنا، انکے لئے علمی تحقیقات کے وسایل و سامان بہم پہنچانا، سب کچھ داخل ہوتا ہے، ان اغراض کی تکمیل کیلئے یہ لازمی ہی کہ ہر یونیورسٹی ایک جامع و عظیم الشان کتبخانہ رکہتی ہو، چنانچہ یورپ و امریکہ کی یونیورسٹیان اس معیار پر پورا اترنے کی پوری کوشش کرتی ہین، لیکن ہندوستان کی یونیورسٹیان اس لحاظ سے ان سے کیا تناسب رکہتی ہین؟ اسکا جواب ذیل کے خاموش اعداد دینگے،

| یونیورسٹی | تعداد کتب [1] |
|---|---|
| آکسفرڈ، (انگلستان) | ۸ لاکھ |
| کیمبرج، ( " ) | ۷ لاکھ |
| لندن، ( " ) | ۱ لاکھ ۹۵ ہزار |
| ایرڈین، (اسکاٹ لینڈ) | ۲ لاکھ |
| ہارورڈ، (امریکہ) | ۱۱ لاکھ ۱۲ ہزار |
| شکاگو، ( " ) | ۴ لاکھ ۵۹ ہزار |

[1] یہ عذر ہے کہ یہ اعداد جو پروفیسر جیونس کے ایک مضمون سے ماخوذ ہین، مغربی کتبخانون کے آج کے نہین، بلکہ دس سال پیشتر کے ہین، جسکے معنی یہ ہین کہ ان مین اور زیادہ اضافہ ہو چکا ہوگا، بہ خلاف اسکے ہندوستانی یونیورسٹیون کے کتابون کی موجودہ تعداد درج ہے،

| | |
| --- | --- |
| پرنسٹن (امریکہ) | ۳ لاکھ ۶ ہزار |
| کیوٹو (جاپان) | ۱ لاکھ ۹۰ ہزار |
| کلکتہ | ۴۰ ہزار |
| لاہور | ۳۰ ہزار |
| الہ آباد | ۱۲ ہزار ۵ سو |

یونیورسٹیان ہندوستان مین بھی ہین، اور یورپ وامریکہ مین بھی لیکن دونون کے ثمرات مین جو نمایان فرق ہے، اسکا حل یہین سے ہوجاتا ہے، یونیورسٹی بغیر ایک اعلیٰ کتبخانہ کے محض ایک قالب بے روح ہے،

---

اُردو کی ترقی واحیار کے سلسلہ مین سب سے پہلے عملی دستگیری سرکار دکن نے کی، کہ اسکی ایک مخصوص یونیورسٹی قائم کردی، غنیمت ہے کہ حکومت ہند کی یونیورسٹیان بھی اب اُردو کا درجہ کسی قدر پہچاننے لگی ہین، کلکتہ یونیورسٹی کا قدم ترقی وروشن خیالی کے میدان مین ہندوستان کی تمام یونیورسٹیون سے آگے ہے، اسنے حال مین اپنے نصاب تعلیم مین ورناکیولرز (ملکی زبانون) کو بھی داخل کیا ہے، اوران مین ایک ملکی زبان اُردو کو بھی قرار دیا ہے، دیکھنا ہے کہ الہ آباد یونیورسٹی جو اُردو کے مرکز اصلی مین قایم ہے، اس اصلاح سے کب اور کس حد تک متاثر ہوتی ہے،

الہ آباد یونیورسٹی کے ماتحت ابتدائی مدارس مین اُردو کا جو نصاب داخل ہے، انمین بعض کتابون کی زبان اس درجہ ناقص ہے کہ مشکل سے کوئی صفحہ فاحش اغلاط سے خالی ملے گا، اور بدقسمتی سے جو بچے اُردو زبان لیتے ہین، وہ انہین کتابون کے پڑھنے پر مجبور ہوتے ہین، انگریز افسران سررشتہ تعلیم سے اسکی چندان شکایت نہین، اصلی شکوہ مسلمان اراکین سینٹ سے ہے، جو اگر براہ راست نہین تو بالواسطہ یقیناً اس صریح ظلم کے روکنے مین معین ہوسکتے تھے، انکی خدمت مین بہ ادب عرض ہے، کہ یونیورسٹی کی فیلوشپ محض رسوخ وحکام رسی کا ذریعہ نہین بلکہ اپنے ساتھ کچھ فرائض بھی رکھتی ہے، اگر انہین اپنے فرائض کا احساس نہین، تو بہتر ہے کہ وہ جلد سے جلد اپنی جگہون سے ہٹ جائین کہ میدان

غیار کے لئے بالکل خالی ہوجائے، اور جو حشر اُردو کا کل ہوتا ہے، وہ آج ہی ہوجائے،

کچھ تو ہو چارۂ غم بات تو یکسو ہوجائے تم خفا ہو تو اجل ہی کو میں راضی کرلوں (شبلی)

تاریخ میں کم از کم یہ تو نہ لکھا جائے، کہ اُردو کو جس وقت جام زہر پلایا جارہا تھا، اُسوقت ساقی گری کی خدمت بعض وہ اصحاب بھی انجام دے رہے تھے، جو اپنے تئین اسکا پرستار کہتے تھے،

عملی سیاسیات مین طلبہ کی مداخلت سے جو مضر و افسوسناک نتائج ہندوستان مین پیدا ہوئے ہین یہی صورت غالب امریکہ کے ہر متمدن ملک مین پیش آئی ہی، حال مین امریکہ کے مشہور تعلیمی رسالہ ایجوکیشنل ریویو کے ایک فاضل مضمون نگار نے اسکا یہ علاج تجویز کیا ہی کہ سیاسیات کی تعلیم داخل نصاب کردی جائے یعنی طلبہ کو ابتدا ہی سے یہ بتایا معلوم ہوتا رہے، کہ ملکی نظم ونسق مین کن کن مشکلات کا سامنا ہوتا ہے، ان پر غالب آنے کے کیا طریقے ہین، غیر اقوام سے کیسا تعلقات رکھنے چاہیئے، اپنے ملک کے مختلف گروہون کے اختلافات کو کیونکر دور کرنا چاہیئے نیز یہ اصولی مباحث کہ مختلف ممالک مین کیا کیا نظامات حکومت قایم رہے ہین، ملکی رفتار ترقی پر انکا کیا اثر پڑا ہے، وقس علیٰ ہذا، طلبہ ان مسایل پر اگر ابتدا ہی سے غور و فکر کے خوگر ہوجا ئینگے، تو بقول مضمون نگار کے ان مین ذمہ داری کا پورا احساس پیدا ہوجائیگا اور آگے چلکر بجائے شورش و فساد کے ہنگامہ آرائیون کے ان مین واقفیت و معلومات، متانت و سنجیدگی کے ساتھ معاملات ملکی پر نظر کرنے کا سلیقہ پیدا ہوجائے گا،

اگر امریکی حکومت مین یہ تجربہ کامیاب ثابت ہوا تو ممکن ہی کہ دوسری حکومتون مین بھی اسکی تقلید کا شوق پیدا ہو،

میسور و حیدر آباد کے بعد تیسری ریاست بڑودہ ہی، جو اپنی علیحدہ یونیورسٹی قایم کرنے والی ہی زیادہ خوشی اس بات کی ہی کہ یونیورسٹی کی ساری اسکیم ایک ہندوستانی فاضل مسٹر سیشادری سابق پرنسپل ہندو کالج بنارس نے مرتب کی ہی جو شائع ہوگئی ہے،

دار المصنفین و معارف سے اپنی بساط کے مطابق بڑی یا بھلی جو کچھ خدمت بھی علم و زبان کی بن پڑتی ہی اسکا ذکر انگریزی صحافت مین ایک سے زاید بار آچکا ہے، ۱۶ - جون کے لیڈر (الہ آباد) کے علاوہ کرانیکل (بمبئی)، ونیو انڈیا مدراس، وغیرہ مین بھی حوصلہ افزا نوٹ نکل چکے مین، ان معاصرین کے حسن ظن کا شکریہ لیکن واقعہ یہ ہی کہ جو معیار پیش نظر ہی اسکے لحاظ سے ابھی کچھ بھی تو نہ کیا

# مقالات

## توجہ
## کی
## ماہیت نفسی

از مولوی عبدالماجد بی۔ اے، ایم آر، اے ایس

ایک شخص سر شام کمرہ کے اندر بیٹھا ہوا ہے، فرش پر کوئی سیاہ شئے متحرک نظر آتی ہے، مگر تاریکی مین شناخت نہین ہوتی، وہ اُسے قریب آکر بغور دیکھتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک کیڑا ہے، یہ غور سے دیکھنا ایک عمل توجہ تھا،

---

ہم کمرہ مین بیٹھے کتاب پڑھ رہے تھے کہ ہوا مین زور سے سرسراہٹ کی آواز آنے لگی مگر یہ پتہ نہین چلتا کہ کس شئے کی آواز ہے، ہم کان لگا کر آواز کر سننے لگے تو معلوم ہوا کہ چھت پر سے ہوائی جہاز گذر رہا ہے، یہ اسکی سرسراہٹ ہے، یہ کان لگا کر سننا توجہ کے ساتھ سننا تھا۔

---

استاد درجہ مین سبق پڑھا رہا ہے، ایک گوشہ مین دو لڑکے آپس مین باتین کر رہے ہین، استاد سبق کو روک کے بغور اس آواز کو سننے لگتا ہے، تو پتہ چل جاتا ہے کہ فلان فلان طالبعلم باتین کر رہے ہین، ظاہر ہے کہ ان طلبہ کی آواز اب بھی اسیقدر رہی جتنی پہلے تھی، لیکن فرق یہ ہو گیا کہ استاد نے اب ادہر توجہ کی،

---

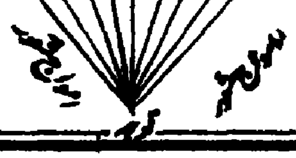
تم ایک مشہور شخص کا لکچر سن رہے ہو جو کچھ وہ کہہ رہا ہے حرف بحرف تمہارے ذہن نشین ہوتا جاتا ہے

اتنے مین تمھین اپنے گھر کا ایک بہت ضروری کام یاد آگیا، اور تم نے اٹھنا چاہا، لیکن اٹھے نہین، بلکہ اس اثنا مین لکچرر نے جو کچھ کہا وہ بالکل تمھارے ذہن مین نہ اترا، ظاہر ہے کہ تمھاری اور لکچرر کی حالت مین اور کوئی فرق نہین ہوا، بجز اسکے کہ اتنی دیر تم اسکی جانب سے بے توجہ رہے،

---

ان مثالوں کی مدد سے یہ معلوم ہوا کہ توجہ نام ہے شعور مین مرکزیت پیدا کرنے کا، یا شعور کو کسی ایک خاص مرکز پر مجتمع کرنے کا، شعور جب تک ایک منتشر و پراگندہ حالت مین ہے، انسان خالی الذہن رہتا ہے، لیکن جب اسکی قوت ایک خاص نقطہ پر آکر جمع ہوجاتی ہے تو انسان کسی شے کی جانب متوجہ ہوجاتا ہے، نور کی شعاعین جب تک پراگندہ و متفرق رہتی ہین، روشنی ویسی ہی رہتی ہے لیکن جب کسی ایک نقطہ کو مرکز بنالیتی ہین، تو روشنی بہت تیز ہوجاتی ہے، یہی حال شعور کا ہے، توجہ، شعور کا کوئی مخصوص و مستقل شعبہ نہین، بلکہ صرف اسکی مرکزیت کا نام ہے، بغیر توجہ کے شعور کا کوئی عمل اپنی مکمل صورت کو نہین پہنچتا، ہمارے ارادے اسی وقت پختہ ہوتے ہین جب ہم اُن پر توجہ کرین، جذبات اسی وقت قوت حاصل کرتے ہین، جب ہم انکی جانب متوجہ رہین، استدلال واستنباط، مشاہدہ و تجربہ، استخراج و استقرا ان مین سے ہر شے کے نتیجہ خیز ہونے کے لئے لازمی ہے کہ انسان توجہ سے کام لیتا رہے،

توجہ کی تعریف یون بھی کیجا سکتی ہے کہ جس عمل سے شعور کے توجہات کسی ایک خاص رخ پر لائے جائین، وہ توجہ ہے، اور یہی توجہ کے لفظی معنی بھی ہین، لغت مین ہے " توجہ اے رو بچیزے آوردن " شعور و توجہ کے باہمی تعلق کی تصویر شکل ذیل سے پیدا ہوتی ہے :-



تجربہ میں توجہ کی دو مختلف صورتیں برابر آتی رہتی ہیں، ایک صورت تو یہ ہے کہ ہم بغیر اپنے "قصد و ارادہ" کے محض کسی تہییج خارجی کے اثر سے خود بخود کسی شے کی جانب متوجہ ہو جاتے ہیں، بادل "دفعتہً زور سے گرجتا ہے، اور ہر شخص خود بخود چونک پڑتا ہے، سامنے یک بیک زور سے بجلی چمکتی ہے، اور ہماری آنکھیں آپ سے آپ بند ہو جاتی ہیں، "ان صورتوں کو اصطلاح میں توجہ اضطراری کہتے ہیں، دوسری صورت یہ ہے کہ ہم اپنی کوشش سے یا بالقصد اپنے تئیں کسی شے کی جانب متوجہ کرتے ہیں، ریاضی کا سوال ہمیں استاد دیتا ہے، اور ہم اپنے تئیں بالقصد اسکے حل کرنے پر آمادہ کرتے ہیں، کالج کا گھنٹہ بجتا ہے، اور ہم دوسرے مشاغل کو چھوڑ کر بالقصد درجہ میں جاتے ہیں، یہ مثالیں توجہ ارادی کی ہوئیں، گویا توجہ اضطراری میں نفس کی حیثیت انفعالی ہوتی ہے، اور وہ معمول و متاثر رہتا ہے، اور توجہ ارادی میں نفس کی حیثیت فاعلی ہوتی ہے، اور وہ عامل و موثر رہتا ہے،

بہت سے اعمال زندگی ایسے ہوتے ہیں جنمیں توجہ اضطراری و توجہ ارادی دونوں مشترک و مخلوط ہوتی ہیں، استاد درجہ میں کاپیوں کی اصلاح میں مصروف ہوتا ہے کہ ایک طرف سے زمین پر کتابوں کے گرنے کی آواز آتی ہے، اسکی گردن بیساختہ اٹھتی ہے اور وہ چاروں طرف نگاہ دوڑاتا ہے کہ یہ کس طالبعلم کی حرکت ہے، اس عمل کا جزو اول یعنی استاد کی گردن کا بیساختہ اٹھ جانا توجہ اضطراری کا نتیجہ ہے، اسلئے کہ اسمیں اسکے قصد و ارادہ کو دخل نہ تھا، اور جزو دوم یعنی شور کرنے والے طالبعلم کا پتہ لگانا توجہ ارادی کا معلول تھا کہ یہ فعل اس نے اپنی خواہش و ارادہ کے ماتحت کیا،

توجہ اضطراری ایک عام و قدرتی شے ہے، جاہل، وحشی، بچہ، سب اسکے حصہ دار ہوتے ہیں، یہانتک کہ حیوانات بھی اس سے محروم نہیں ہوتے، البتہ توجہ ارادی مشق و تربیت کی محتاج ہوتی ہے، جس سے چھوٹے بچے اور وحشی افراد ایک بڑی حد تک محروم ہوتے ہیں، اس بنا پر جائز ہے کہ

توجہ اضطراری کو توجہ وہبی، اور توجہ ارادی کو توجہ اکتسابی سے بھی موسوم کرین،

توجہ اضطراری کن کن اسباب و حالات کی بنا پر پیدا ہوتی ہے؟

(۱) تازگی دماغ - چھوٹے بچون کو دیکھو، صبح سویرے کیسے چست و چاق خوش و خرم نظر آتے ہین، اور شام کو خستہ و مضمحل معلوم ہوتے ہین، صبح ہر چیز مین دلچسپی لیتے ہین، شام کو سونے کے لئے ضد کرتے ہین، قیام توجہ کے لئے سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ دماغ و نظام عصبی مین ایک کافی ذخیرۂ قوت موجود ہو، اسی سرمایۂ قوت کو عرف عام مین "تازگی دماغ" سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس شخص مین فطرۃً یہ ذخیرۂ قوت زیادہ ہوتا ہے، اسیقدر وہ توجہ کو بھی عرصہ تک قائم رکھ سکتا ہے، خود ایک ہی شخص مین جسوقت یہ ذخیرہ جسقدر زاید ہوتا ہے، اُسی نسبت سے وہ زیادہ عرصہ تک اپنی توجہ کو قائم رکھ سکتا ہے، اور جون جون خستگی کے سبب سے یہ ذخیرہ گھٹتا جاتا ہے، قوت توجہ مین بھی کمی آتی جاتی ہے،

(۲) قوت ہیّج - بادل کی تیز گرج، ریل کی سخت گھڑگھڑاہٹ سے ہر شخص چونک پڑتا ہی، لمپ کی تیز روشنی، بجلی کی تڑپ سے سب کی آنکھ جھپک جاتی ہے، بہت سخت بو یا خوشبو سے ممکن نہین کہ شامہ متاثر نہو، معلوم یہ ہوا کہ ہیّج جسقدر قوی ہوتا ہے، اسی نسبت سے اس مین جلب توجہ کی قوت زیادہ ہوتی ہے،

(۳) تنوع ہیّج - ایک بچہ کسی تاریک کمرہ مین لیٹا ہوتا ہے، اور روتا ہے، دایہ کمرہ مین لمپ لاتی ہے، اور وہ معًا چپ ہو جاتا ہے، اس جدید ہیّج نے بچہ کی توجہ اپنی جانب مبذول کرالی، اور وہ بہل گیا، ایک ہیّج کے دیر تک قائم رہنے سے طبیعت اسکی طرف سے اچاٹ ہو جاتی ہے، قیام توجہ کے لئے ضروری ہے کہ ہیّج بدلتا رہے، "کل جدید لذیذ" کے مقولہ کی صحت کی بنیاد اسی اصول پر ہے، اکثر تھیٹر مین غم و شادمانی کے پردے بدل بدل کر اسی لئے آتے رہتے ہین کہ طبیعت ایک ہی قسم کی باتون سے اکتا نہ جائے۔

(۴) نوعیت ہیجّ - بچہ کو جو التفات اپنی ماں کے ساتھ ہوتا ہے کسی اور کے ساتھ نہیں ہوتا؛ انسان کو جو کشش اپنے وطن کے ساتھ ہوتی ہے اور کسی مقام سے نہین ہوتی، ہر فرد بشر کے لئے بعض مخصوص ہیجّ بمقابلہ دوسرے ہیجات کے بجاے خود زیادہ دلاویزی و دلکشی رکھتے ہین اور ہر فرد مین قیام توجہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسی مخصوص نوعیت کے ہیجات اسکے سامنے آئین جو اسکے لئے دلکش ہون،

لیکن خود دلکشی کا کیا مفہوم ہے ؟

لکھنؤ مین ہر سال صدہا بیرونی اشخاص و سیّاح آیا کرتے ہین لیکن یہان سے واپسی پر ہر شخص کی معلومات و واقفیت کی یاد داشت دوسرے سے جداگانہ ہوتی ہے، ایک شخص صرف یہان کی مشہور عمارات کو دیکھتا ہے، دوسرا صرف یہان کے مشاہیر طبیبون اور ڈاکٹرون سے ملتا ہے تیسرا یہان کے بڑے بڑے کتبخانون کی سیر کرتا ہے، چوتھا یہان کی صرف بڑی بڑی دکانون کارخانون اور بازارون کو دیکھتا ہے، غرض گو لکھنؤ شہر سب دیکھتے ہین لیکن ہر شخص کے مشاہدات و تجربات دوسرے سے الگ ہوتے ہین، ایک روزانہ اخبار ایک ہی وقت مین ہزارون ہاتھون مین پہنچتا ہے، لیکن ہر شخص کے لئے اسکی حیثیت جداگانہ ہوتی ہے. کوئی خرید و فروخت اشیاء کے اشتہارات دیکھتا ہے، کوئی صرف ملازمت کے اشتہارات پر نظر کرتا ہے، کوئی محض جنگ کے تار پڑھتا ہے، کوئی صرف مقامی حالات کی تلاش کرتا ہے، کوئی صرف ایڈیٹوریل مضامین پڑھتا ہے، اور کوئی اول سے آخر تک ایک ایک حرف پڑھجاتا ہے، غرض جس تعداد مین ناظرین ہوتے ہین، اتنی ہی حیثیات سے اخبار بھی دیکھا جاتا ہے. یہی حال دنیا کی ہر شے کا ہے، ہمارے گرد و پیش ہر وقت مدرکات کا ایک انبوہ بے پایان رہتا ہے، لیکن ہمارے علم و ادراک مین انکا صرف ایک محدود حصہ آتا ہے، روزانہ صدہا آوازین ہمارے کانون تک پہنچتی ہین لیکن

ہمارے لئے غیر مسموع رہتی ہے، صدہا مناظر آنکھوں کے سامنے ہوتے ہین، لیکن ہمارے لئے غیر مرئی رہتے ہین، اس سے یہ ظاہر ہوا کہ کائنات کی جن چیزون سے نفس کو کوئی تعلق یا ذوق ہوتا ہے صرف وہی علم وشعور مین آتی ہین، باقی حدود شعور سے خارج ہوجاتی ہین، ہر شخص اپنے ماحول سے جن چیزون سے ذوق وتعلق رکہتا ہے، صرف اُنہین چن لیتا ہے، باقی جتنی چیزین غیر دلچسپ ہوتی ہین، اُنہین وہ چھوڑ دیتا ہے، گویا وہ اسکے لئے وجود ہی نہین رکہتین، بلکہ معدوم ہوتی ہین، یہی سبب ہے کہ ہر شخص کا دائرہ معلومات دوسرے سے مختلف ہوتا ہے،

غرض "دلکشی" سے مراد یہ ہے کہ کسی شے سے دل کو لگاؤ ہو یا دل اسکی جانب از خود کہنچے اسکے عناصر ترکیبی حسب ذیل ہوتے ہین۔

(۱) ندرت - ایک کہانا روز کہاتے رہنے سے طبیعت اکتا جاتی ہے، بہتر سے بہتر افسانے بھی بکثرت سن چکنے کے بعد طبیعت پر بار ہوجاتے ہین، دلکشی کا سب سے بڑا عنصر جدت وندرت ہے کسی شے کے پامال وفرسودہ ہونے کے معنی ہی یہ ہین کہ اب اسمین دلاویزی باقی نہین رہی،

(۲) **مانوسیت** - کسی جاہل دہقانی کے سامنے غالب کا شعر پڑہا جاسے تو اُسے مطلق لطف نہ آئیگا چار برس کے بچہ سے اگر محبت ازدواجی پر گفتگو کیجاسے تو اسکے لئے بالکل بے مزہ رہیگی، دلکشی کا بڑا راز اسی مانوسیت مین پوشیدہ ہے، ندرت، اجنبیت اور انوکہے پن کے مرادف نہین ہے، شے مین جدت وندرت ضرور ہونا چاہیئے، لیکن ساتھ ہی اسے مانوس ہونا بھی ضرور ہے، بالکل نامانوس شے سے ذہن کو وحشت ہوتی ہے، جو لوگ شعر وشاعری سے مانوس نہین اُنہین مباحث شعری خشک معلوم ہوتی ہین

(۳) جذبہ انگیزی - بچون کو دیکہا ہوگا کہ وہ سامنے اپنے کہیل مین ہمہ تن مشغول معلوم ہوتے ہین لیکن دوران گفتگو مین جہان کہین انکا نام آجاتا ہے، سر اُٹھا کر دیکہنے لگتے ہین، ایک مصنف اخبار پڑہتا ہوتا ہے، دوسرے صفحہ پر اُسے اپنی کسی تصنیف کے نام کی جہلک نظر آتی ہے، اور معاً نظر

اپیٹ کر رہی پہنچی ہے، وہ چیز یقیناً دلکش ہوتا ہے، جس سے ہمارے کسی جذبہ کو تحریک ہوتی ہو، خواہ یہ جذبہ ہماری ذات سے متعلق ہو، یا ہمارے اغراض و مقاصد سے، خواہ پرلطف ہو یا دردانگیز ہو لیکن بہرحال کسی نہ کسی جذبہ کو اس سے تحریک ضرور ہونا چاہئے، اپنے مخصوص عزہ و احباب کی کامیابیون کے ذکر مین ہمین خاص دلکشی ہوتی ہے، اسلئے کہ یہ تذکرے ہمارے لئے پرلطف ہوتے ہین، انکی مظلومیت مصیبت کے بیان کرنے مین بھی ہمین دلچسپی ہوتی ہے، اسلئے کہ اس مین بھی ایک خاص طرح کا درد محسوس ہوتا ہے،

(۴) **تضاد و تقابل** - سفید براق کپڑے پر سیاہ دھبہ، نستعلیق کتابت مین خط نسخ کا کوئی لفظ، سنجیدہ تقریر مین ظریفانہ فقرہ، پردیس مین کسی آشنا سا کی جھلک، احباب کے مجمع مین کسی اجنبی کی شکل، یہ تمام چیزین ایسی ہین جن پر یقیناً نظر جم جاتی ہے۔

(۵) **الجھن** - معمولی قابلیت کا استاد پہلے اصل مسئلہ بیان کرتا ہے، پھر مختلف مثالون سے اُسکی تشریح کرتا ہے، اس سے زیادہ ہوشیار استاد یہ کرتا ہے کہ پہلے مختلف مثالین دیتا ہے، اور انکی مدد سے طلبہ کو ایک جدید نتیجہ تک پہنچاتا ہے، اسلئے کہ جو شے بالکل کھلی ہوئی سامنے موجود ہوتی ہے، اسکی بابت ذہن مین کوئی جستجو و تفتیش نہین پیدا ہوتی، بخلاف اسکے جو شے اپنے اندر کوئی راز و پیچیدگی رکھتی ہے اسکے دریافت کرنے کا خودبخود اشتیاق پیدا ہوتا ہے، ناول و ڈراما کے پلاٹ کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ پُراسرار ہو تاکہ شوق آخری صفحہ تک قائم رہے،

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی شے مین دلکشی کے یہ تمام، یا ان مین کے متعدد عناصر ایک ساتھ پائے جاتے ہین، اور جب ایسا ہوتا ہے تو اس چیز کی دلکشی کئی گنی بڑھ جاتی ہے، شیکسپیر کا کوئی تماشہ جسوقت کوئی اعلیٰ کمپنی کرتی ہوتی ہے تو اکثر تماشائی بالکل محو ہو جاتے ہین، اسلئے کہ اسوقت دلکشی کے یہ تقریباً کل عناصر ایک ساتھ اپنا عمل کرتے ہوتے ہین۔

توجہ کی طرح دلکشی کی بھی دو صورتیں ہوتی ہیں، ایک صورت تو یہ ہوتی کہ جیسے بچوں کو مٹھائی سے خاص رغبت ہوتی ہے، دوسری صورت یہ کہ جیسے ڈاکٹر کا دل، چیر پھاڑ اور اعمال جراحی میں لگتا ہے پہلی قسم کو فطری یا طبعی کہتے ہیں، اور دوسری کو اکتسابی، طبعی دلکشی صرف انہیں چیزوں سے ہوتی ہے جو بلا واسطہ و بجائے خود مرغوب و محبوب ہوتی ہیں، اکتسابی دلکشی اُن چیزوں سے ہوتی ہے جو براہ راست و بجائے خود دلکش نہیں ہوتیں، بلکہ دوسری دلکش چیزوں کے واسطہ سے رفتہ رفتہ خود بھی دلکش بنجاتی ہیں، تصویریں، باجے، اور مٹھائیاں بچوں کے لئے ایک ذاتی کشش رکھتی ہیں، ڈاکٹر کو عمل جراحی بجائے خود مرغوب نہیں ہوتا، لیکن اس سے جو فواید مترتب ہوتے ہیں وہ اس عمل کو بھی مرغوب بنا دیتا ہے، اکثر صورتوں میں کسی امر کی محض عادت و مزاولت ہی اسکے ساتھ اکتسابی دلکشی پیدا کر دیتی ہے۔

ان تصریحات سے اب نظر آگیا ہوگا کہ توجہ اضطراری اور دلکشی کے درمیان چند قدم سے زاید فاصلہ نہیں، بعض حکما نے توجہ اضطراری و ارادی کے درمیان یہ فرق قرار دیا ہے کہ اول الذکر دلکشی کی بنا پر پیدا ہوتی ہے، اور آخر الذکر سعی و کوشش کی بنا پر، گویا اسکے معنی یہ ہیں کہ توجہ اضطراری کا ماخذ جذبات ہیں، اور توجہ ارادی کا ماخذ ارادہ، لیکن مزید غور سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گو توجہ ارادی کی علت قریبہ ارادہ ہوتا ہے، لیکن حقیقی و اصلی ماخذ اسکا بھی وہی جذبات ہی ہوتے ہیں اسلئے کہ گو یا بالفعل ارادہ ہی توجہ ارادی کو قائم رکھے ہوئے ہوتا ہے لیکن بالآخر خود اس ارادہ کی زندگی جذبات ہی کے سہارے پر ہوتی ہے،

بچہ جب پڑھنے بٹھایا جاتا ہے تو عموماً شروع شروع اسکا دل بالکل نہیں لگتا اور وہ تعلیم سے بھاگنا چاہتا ہے، لیکن سبق سے متعلق تصویریں، کھلونے وغیرہ جو ہوتے ہیں اُنسے اسے دلچسپی ہوتی ہے، اور وہ قدرتاً اُنکے متعلق سوالات کرتا ہے، استاد اگر دانشمند ہے تو سبق کو

ہے متعلقات سبق سے بالکل وابستہ کر دیتا ہے، اور ان دلچسپیون کو مختلف طریقون سے برابر ترقی
دیتا رہتا ہے، اس سے رفتہ رفتہ بچہ کی طبیعت پڑھنے لکھنے سے مانوس ہو جاتی ہے، یہانتک کہ
کچھ عرصہ کے بعد عادت قائم ہو جاتی ہے، اور اب وہ بر بنار عادت تعلیم پر توجہ کرنے لگتا ہے، گویا جو
شے پہلے بالکل بے لطف و بدمزہ تھی، وہ مختلف جذبات کی وساطت سے بالآخر پر لطف و دلکش
ہو جاتی ہے، البتہ استاد اگر نادانشمند ہے تو وہ توجہ کی بنیاد دلکشی کے جذبات پر قائم نہین کرتا، اسکا
نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طالبعلم کو کبھی توجہ ارادی کی عادت نہین پڑتی، اور وہ ساری عمر علم و تعلیم سے جی
چراتا رہتا ہے، اس مثال سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے، کہ توجہ ارادی بھی جذبات ہی کو ایک
خاص سلیقہ کے ساتھ منظم و مرتب کرنے کا نام ہے، اور توجہ کی دونون قسمین بلحاظ اپنے اصلی اور آخری
اجزار ترکیبی کے متحد الاصل ہین،

ایک فرنچ محقق پریز اپنے ملک کے ایک شش سالہ بچہ کا حال بیان کرتا ہے کہ وہ بہت ہی
کم شوق اور تعلیم سے گریز کرنے والا تھا، ایک روز اس نے خود بخود پیانو بجانا شروع کیا، اور اسکی
ایک خاص گت کو جو اسکی والدہ کو بیحد پسند تھی، کوئی ایک گھنٹہ تک برابر بجاتا رہا، ماں اس سے
بہت ہی خوش ہوئی، کچھ روز کے بعد ایک دن اسکی دایہ دیکھتی کیا ہے، کہ بچہ اپنے والد کی میز کے
سامنے بیٹھا کچھ لکھنے مین مشغول ہے، دایہ نے حیرت سے پوچھا کہ آج یہ کیا ہو رہا ہی تو بچہ نے جواب دیا

"ایک کاغذ پر جرمن لکھ رہا ہون، امین جی تو نہین لگتا لیکن اماں جان اسے دیکھکر کیسا خوش ہونگی"

عبارت زیر خط سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ توجہ ارادی کا ماخذ اصلی بھی جذبات ہی ہوتے ہین،
بچہ اپنے اس عمل مین صاف توجہ ارادی سے کام لے رہا تھا، اپنی کوشش و ارادہ سے ایسا کام کر رہا تھا
جس پر اسکی طبیعت آمادہ نہ تھی، محض اسلئے کہ ماں کو خوش کر کے بالآخر خود بھی خوشی حاصل کرے۔

پروفیسر ربو نے توجہ ارادی کے ارتقا کی تین منزلین قرار دی ہین، دور اول مین استاد

جذبات مفردہ کی مدد سے توجہ اضطراری کی مدت قیام کو تدریجاً بڑھاتا ہے، انعام کی طمع، اپنی خوشنودی کی چاٹ، سزا کا خوف وغیرہ، مختلف محرکات و مرغبات کی وساطت سے وہ توجہ اضطراری کو برابر تحریک و تقویت پہنچاتا رہتا ہے، دوسرے دور مین وہ ذرا بلند تر محرکات کو اپنا مخاطب بناتا ہے، مثلاً جذبات خودداری، اعزاز نفس، مسابقت، بلند نظری، فرض شناسی وغیرہ یہ وہ دور ہوتا ہے جب توجہ ارادی پیدا ہو چکی ہوتی ہے، اور ضرورت صرف اسکی رہ جاتی ہے کہ اسمین قیام و ثبات پیدا کیا جائے، یہ مقصد تیسرے دور مین عادت کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے، دنیا مین بہ استثنار شاذ کوئی اپنی جگہ اور اپنی حالت پر خوش و مطمئن نہین، ہر شخص دوسرون کی حالت پر رشک کرتا ہے، وکیل، تاجر، ملازم، زمیندار، ایڈیٹر، مصنف، ہر پیشہ کا شخص دوسرون کو اپنے سے زیادہ خوش نصیب خیال کرتا ہے، لیکن باوجود اس بے قناعتی و بے اطمینانی کے دنیا مین کوئی عام شورش و بغاوت نہین پیدا ہو جاتی، بلکہ ہر شخص اپنے اپنے پیشہ و شغل مین متوجہ و مصروف رہتا ہے، اسکی بنیاد تمامتر عادت پر ہے۔

غرض آخر مین عادت ہی توجہ ارادی کے قیام و تحفظ کی ضامن رہجاتی ہے، اور ابتدا مین اسکی تکوین و پیدائش جذبات کے ہاتھون عمل مین آتی ہے، وکیل کی انتہائی آمدنی اگر ابتدا ہی سے ہونے لگے، تو کون شخص مقدمات کی تیاری کی زحمتون کو برداشت کرے؟ تاجر کو اگر آغاز کار ہی مین پورا نفع حاصل ہو جائے تو کون کاروبار کی دقتون کو گوارا کرے؟ ملازم کو اگر شروع ہی سے اعلیٰ ترین منصب پر سرافراز کر دیا جائے تو کون شخص محکومیت و اطاعت کی ذلتون اور سختیون کی تاب لائے، طلبہ اگر مکتب مین قدم رکھتے ہی ہر طرح کی کامیابی حاصل کرین، تو کون طالب علم ایک دن بھی پڑھنے پر توجہ کرے؟ خلاصہ یہ کہ دنیا مین جو کوئی بھی کسی شے پر اپنی توجہ ارادی صرف کرتا ہے، وہ کسی نہ کسی توقع ہی کی بنا پر کرتا ہے، جس سے بالآخر کسی جذبہ کی تسکین مقصود ہوتی ہے۔

توجہ اضطراری مین شغل موجودہ مقصود بالذات ہوتا ہے، اور توجہ ارادی مین کسی مقصد کے حصول کا آلہ یا ذریعہ ہوتا ہے، ایک بچہ کو ریاضی کا ایک سوال حل کرنے کو دیا جاتا ہے، جو بجای خود اسکے لئے ذرا بھی دلکشی نہین رکھتا، لیکن اُسے یہ بھی معلوم ہے کہ چھٹی ملنا اُسکے حل کرنے پر موقوف ہے اب اس شئے مینی چھٹی پانے کو وہ منتہاے مقصود قرار دیکر سوال حل کرنے مین مشغول ہوجاتا ہے، اور اسپر اپنی پوری توجہ صرف کرنے لگتا ہے، سوال کو حل کرنا مقصود بالذات نہین محض اسکے اوپر وہ کبھی توجہ قائم نہین رکھ سکتا ہے، لیکن ایک پیش نظر مقصود کے حصول مین بطور آلہ یا واسطہ کے یہ پورا کام دیسکتا ہے۔

توجہ ارادی بظاہر ایک مدت تک قائم رہتی ہے، لیکن کیا واقعہ بھی یہی ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ ہر چند لمحون کے بعد انسان کی طبیعت ہٹنے لگتی ہے، لیکن معًا اصل مقصد کا تخیل پھر پیش نظر ہوجاتا ہے، اور اس سے ہر مرتبہ تازہ دم ہوکر انسان پھر از سر نو صرف توجہ کرنے لگتا ہے، امتحان مین جب طلبہ پرچہ لیکر بیٹھتے ہین، اُسوقت انہین اس کیفیت کا خاص طور پر تجربہ ہوتا ہے، ذرا ذرا دیر کے بعد طبیعت اُکتاتی ہے، لیکن فوراً ہی خیال آجاتا ہے کہ یہ امتحان کا نازک وقت ہے، جسکے نتیجہ پر کامیابی و ناکامیابی کا انحصار ہے، اور یہ خیال آتے ہی پھر وہ جوابات مین مشغول ہوجاتے ہین، اس لحاظ سے توجہ ارادی، توجہ اضطراری ہی کے ایک تسلسل کا نام ہے، توجہ ارادی گویا ایک زنجیر ہے جسکا ہر حلقہ الگ الگ کرکے دیکھا جاے تو توجہ اضطراری ہی کا نظر آئیگا۔

لیکن جس طرح یہ کہنا صحیح ہے کہ توجہ ارادی کے عناصر ترکیبی، توجہ اضطراری ہی کے اعمال ہوتے ہین، اُسی طرح یہ کہنا بھی غلط نہین کہ اکثر توجہ ارادی رفتہ رفتہ توجہ اضطراری کی شکل مین تبدیل ہوجاتی ہے، اس معنی مین کہ پہلے جن اعمال پر کوشش و قصد سے صرف توجہ کیجاتی تھی، وہ ایک مدت کی مشق و مزاولت کے بعد اضطراراً سرزد ہونے لگتے ہین، اور از خود طلب توجہ کرنے لگتے ہین، مبتدی

مقرر کو شروع شروع بہ قصد و کوشش اپنی توجہ تقریر کے موضوع و الفاظ پر قائم رکھنا ہوتی اسکے لئے اسے پہلے سے محنت کرنا ہوتی ہے، تخلیہ مین مشق کرنا ہوتی ہے، اور تقریر کے وقت وہ تحریری اشارات (نوٹ) سے مدد لینے پر مجبور ہوتا ہے، لیکن یہی شخص جب مشاق خطیب ہوجاتا توکسی قسم کی تیاری کی ضرورت باقی نہین رہتی، اب وہ برجستہ ہر موضوع پر تقریر کرسکتا ہے، اُسے سوچنے اور خیالات کے ترتیب دینے کے لئے وقت کی حاجت نہین ہوتی، اور الفاظ و مضامین اسکے بغیر سعی و کوشش از خود اسکے دائرہ توجہ مین آتے جاتے ہین، گویا مہارت و مشاقی ایک پل ہے جس پر ہوکر توجہ ارادی، توجہ اضطراری سے ہم آغوش ہوجاتی ہے،

توجہ ارادی کے سلسلہ مین اسکے خصائص ذیل قابل لحاظ ہین -

(۱) ارادہ نفس کو کسی شے پر آمادہ و متوجہ کرسکتا ہے، لیکن جب تک وہ شے دلکش نہو توجہ کو قائم نہین رکھ سکتا، ہر مشہور عالم و مصنف کے پاس اسکے مداح و معتقدین بکثرت آتے رہتے ہین، جنمین بعض بہت ہی کم علم ہوتے ہین۔ کبھی کبھی وہ عالم انکے سامنے کسی دقیق علمی موضوع پر گفتگو شروع کردیتا ہے، یہ لوگ عقیدت و عظمت کے خیال سے چاہتے ہین کہ اسکی تقریر کے تمام مطالب ذہن نشین کرتے جائین، اور اپنے تئین اسپر برابر آمادہ کئے جاتے ہین، لیکن چونکہ وہ موضوع انکے ذوق و دلکشی کے دائرہ سے باہر ہوتا ہے، اسلئے کچھ ہی دیر مین انکی طبیعت اُچاٹ ہوجاتی ہے، بہت سے طلبہ اپنا سبق تیار کرنے کے ارادہ سے بیٹھتے ہین، لیکن ذرا دیر مین انکا خیال بٹ جاتا ہے اور کتاب کے الفاظ انکی آنکھون کے سامنے رہتے ہین، لیکن اُن سے کوئی معنوی کیفیت انکے دماغ مین نہین پیدا ہوتی، غرض توجہ ارادی کے قیام و ثبات کے لئے ذوق و دلکشی لازمی ہے، محض ارادہ کافی نہین -

(۲) ارادہ، بعض اوقات نوعیت ذوق کی تعین کرتا ہے - باغ مین ایک وقت ہم محض تفریح کی غرض سے جاتے ہین، دوسرے وقت باغبان کو بعض ہدایات دینے جاتے ہین، تیسرے وقت علم

نباتات سے متعلق بعض مشاہدات و معلومات حاصل کرلئے جاتے ہین، وقس علی ہذا۔ باغ ایک ہی ہے لیکن ہر وقت اس سے ہماری دلچسپی ایک جدید حیثیت رکھتی ہے، اور اسکی تعیین ارادہ کرتا ہے اسی طرح دنیا کی ہر شے اپنے اندر بیشمار دلچسپیان رکھتی ہے، اسکی تعیین کہ ہمین فلان وقت اور فلان موقع پر اسکے ساتھ کس خاص حیثیت سے دلچسپی ہوگی، اکثر ارادہ کے ہاتھ مین ہوتی ہے۔

(۳) ارادہ، توجہ اضطراری کی قوت پر غالب نہین آسکتا، بچہ بچہ ہی رہین گے خواہ ان مین ضبط و متانت پیدا کرنیکی کتنی ہی کوشش کیجائے، ایک پانچ برس کا بچہ اگر استاد کے پاس بیٹھا ہے، اور سامنے سے بارات نکل رہی ہے تو ممکن نہین کہ وہ ادہر نہ دیکھنے لگے، اور استاد اگر دانشمند ہے تو اس موقع پر سرزنش بھی نہ کریگا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس عمر کے بچون مین باجہ و تماشہ کی جانب التفات انکی توجہ اضطراری کا لازمی نتیجہ ہے، جسکے سامنے انکا ارادہ بے بس ہے، البتہ اگر نوجوانون مین اسقدر ضبط نہو تو وہ بے شبہہ قابل ملامت ہین، فیثاغورث و سقراط، نیوٹن و ہیگل سے زیادہ غور و فکر مین انہماک رکھنے والا دنیا مین شاید ہی کوئی شخص ہوا ہو، لیکن ان سے بھی یہ ممکن نہ تھا کہ انکی کرسی کے نیچے کوئی دفعۃً پٹاخہ چھوڑ دیتا اور وہ بیساختہ اچھل نہ پڑتے، یہ اچھل پڑنا توجہ اضطراری کا ایک عمل ہوتا جسکے سامنے انکے ارادہ کا مغلوب رہنا یقینی تھا۔

تمدن و شائستگی کو جون جون ترقی ہوتی جاتی ہے، توجہ اضطراری کے ساتھ ساتھ توجہ ارادی کا بھی ارتقاء ہوتا رہتا ہے، وحشی افراد مین توجہ ارادی کا حصہ برائے نام اور بیشتر حصہ توجہ اضطراری ہی کا ہوتا ہے، لیکن متمدن جماعت کے افراد مین کوئی بھی ایسا نہ نکلیگا جو توجہ ارادی کا کافی حصہ دار ہو، توجہ ارادی مین پورا انہماک و یکسوئی آسان نہین، اسکے لئے ایک مدت کی تربیت اور مشق و ریاضت کی ضرورت ہے۔

توجہ ارادی و اضطراری کے خصائص امتیازی جدول ذیل کی مدد سے بیک نظر

ذہن نشین ہو سکتے ہیں۔

| | توجہ اضطراری | توجہ ارادی |
|---|---|---|
| بہ لحاظ علت ترتیبہ | جذبات | ارادہ |
| بہ لحاظ حالت شعور | انفعالی | فاعلی |
| بہ لحاظ مہیج | خارجی | داخلی |
| بہ لحاظ مدت | مختصر و آنی | طویل و ممتد |
| بہ لحاظ ماخذ | ذوق و دلکشی | سعی و کوشش |

(باقی)

(نوٹ) اردو میں اسوقت تک کوئی ایسی کتاب موجود نہیں، جو نفسیات (سائیکالوجی) کے طلبہ کی ضروریات کے لئے کافی ہو، مضمون بالا جو آئندہ نمبر میں ختم ہوگا، جس طرز پر لکھا گیا ہے، اسی طرز پر صاحب مضمون کے زیر تحریر نفسیات کے جملہ مسائل ہیں، توقع ہے کہ ان مضامین کا مجموعہ عام شائقین کی دلچسپی کے علاوہ، اس فن کے طلبہ کے لئے بھی نفسیات کی ایک جامع درسی کتاب (ٹکسٹ بک) کا کام دیگا۔

# حکیم مہدی

(از پروفیسر اس - پی - اسمتھ کیننگ کالج لکھنؤ)

(۱)

مشہور و معروف شاہ مینا کی درگاہ کے قریب، اور شہر کی قدیم ترین آبادی کے موقع پر بلند و مرتفع زمین پر لکھنؤ مین نواب معتظم الدولہ حکیم مہدی علیخان بہادر کا مقبرہ ہے، اسکے پہلو مین جو امام باڑہ ہے، اس مین اُنکے بھائی، ہادی علی خان مدفون ہین، وہ اب ایک کھنڈر رہ گیا ہی جسپر گھاس اُگ آئی ہو، خود مقبرہ بھی گو شفق کی روشنی مین خوش منظر معلوم ہوتا ہی لیکن اگر قریب سے دیکھا جائے تو بالکل اُجاڑ نظر آئے گا، حکیم مہدی کی اس سے زیادہ پایدار یادگارین ملک کے مختلف اطراف و جوانب مین پائی جاتی ہین، سیتا پور سے خیرآباد تک سڑک پر دو رویہ درختون کی جو قطار ہی، یہ انہین کی لگائی ہوئی ہے، شاہجہان پور کا خوشنما پل انہین کا تعمیر کرایا ہے، فرخ آباد کے متصل کالی ندی، کا پل بھی انہین کی یادگار ہے، فتحگڈہ مین انکا جو مکان سکونت تھا، وہ اب اسپتال کا کام دیتا ہے، اور گنگا کا ایک گھاٹ بھی انہین کے نام کے ساتھ منسوب ہے، اسی کے ساتھ انھون نے اپنے وطن آبائی اور اپنے مولد کو بھی فراموش نہین کیا تھا، تاریخ کا بیان ہے کہ ایران مین کسی مقام پر ایک پل انھون نے تیار کرایا تھا، اور کشمیر مین ایک امام باڑہ، لکھنؤ مین انھون نے خیرات کا ایک پورا نظام "ردِ مظالم" کے نام سے قائم کیا تھا، چنانچہ اُنکے خاندان مین اب تک ایک جائداد جسکا محض سود ۵ لاکھ ۲۵ ہزار سالانہ آتا ہے اس مقصد کے لئے وقف چلی آتی ہے،

انکی ابتدائی زندگی تقریباً نامعلوم ہے، انکے والد مرزا خواجہ سخی تبریز (ایران) کے باشندے تھے، کشمیر مین متوطن ہو گئے تھے، اور یہین حکیم مہدی کی ولادت ہوئی، اسی لئے لکھنؤ مین وہ کشمیری مشہور ہوئے، انکے بڑے بھائی کا نام مرزا ہادی علی خان تھا، جن کے فرزند منورالدولہ وزیر ہوئے، اور جنکی نسل مین نوابان شیش محل اب تک لکھنؤ مین موجود ہین، انکا شجرۂ نسب یہ ہے:-

مرزا خواجہ سمنی

- مرزا ہادی علی
  - مرزا احمد علیخان منور الدولہ،
    - نواب امجد علیخان اشرف الدولہ،
      - نواب باقر علیخان
      - نواب جعفر علیخان
- حکیم مہدی (متوفی ۵-۶ دسمبر ۱۸۳۷ء)

حکیم مہدی کا سنہ ولادت نامعلوم ہے، ۱۸۳۱ء مین وہ اپنے متعلق تحریر کرتے ہین، کہ مین بوڑھا ہوچکا اور مرنے کے قریب آلگا" اسی سال مسز فینی پارکس ان سے ملی تھین، وہ لکھتی ہین، کہ "وہ نہایت ضعیف و معمر شخص ہے" حکیم مہدی کا ذکر معتبر تحریرون مین سب سے پہلے سلیمن صاحب کے اس فقرہ مین ملتا ہے کہ "حکیم مہدی ضلع اعظم گڑہ مین بو علیخان کے ملازم تھے، اور اس زمانہ مین تھے، جبکہ ۱۸۰۱ء مین وہ ضلع سرکار انگریزی کے قبضہ مین آرہا تھا" اسکے الحاق کے بعد وہ ۱۸۰۸ء مین پھر لکھنؤ واپس آئے، اور محمدی کے ناظم مقرر ہوئے،

اسوقت اودھ کا بڑا حصہ سولہ چکلہ دارون مین تقسیم تھا، اور اجارہ یا ٹھیکہ کا طریقہ جاری تھا، اجارہ والے کے لئے ناظم، عامل، چکلہ دار، مستاجر وغیرہ کے مختلف القاب تھے، اسکے سپرد صرف "وصول تحصیل" ہی نہین ہوتی تھی، بلکہ عدالتی و انتظامی ہر طرح کے اختیارات اسکو حاصل رہتے تھے، اور فوج بھی اسکے ماتحت ہوتی تھی،

ضلع محمدی کا ٹھیکہ حکیم مہدی نے ۳ لاکھ ۱۱ ہزار روپیہ پر لیا، اپنا قیام لکھنؤ ہی مین رکھا، اور علاقہ پر اپنے بھائی ہادی علیخان کو بھیجا، انکی خوش انتظامی سے چند ہی سال مین علاقہ کی سالانہ آمدنی ۸ لاکھ تک پہنچ گئی، ۱۸۰۸ء مین اسکے متصل خیر آباد کا ٹھیکہ بھی حکیم مہدی نے ۵ لاکھ پر حاصل کیا، لارڈ ہیسٹنگز ۱۸۱۹ء مین بغرض شکار حکیم مہدی کے علاقون سے ہوکر گذرے، اور انھون نے ان علاقون کو نہایت مرفہ الحال پایا، رعایا خوش و خرم تھی، کاشتکاری خوب زورون پر ہوتی تھی، کوئی زمین افتادہ نہ تھی، لارڈ موصوف نے دریافت کیا، کہ آخر رعایا کیونکر صحرائی علاقہ کو مزروعہ کرنے پر آمادہ ہوگئی، اسکے جواب مین حکیم مہدی نے کہا کہ پہلے سال مین لگان بالکل

معاف کر دیتا ہون، دوسرے سال ۱/۲ لیتا ہون، اور دو تین سال تک یہی شرح رکھتا ہون، تاکہ کاشتکارون کو نظر آجائے کہ اس مین تمامتر انہین کا نفع ہے، اسکے بعد مین انکی آمدنی کا ۱/۲ لیتا ہون، اور وہ بھی نقد نہین بلکہ جنس کی صورت مین، اور اسکے علاوہ اور کسی طرح کا مطالبہ ان سے نہین کیا جاتا، قدیم مزروعہ علاقون مین شرح لگان ۱/۲ ہے"۔ اسکے ۳ سال بعد جب علاقہ محمدی سے کے محاصل ۷ لاکھ سے گھٹ کر ۲ لاکھ تک آگئے، اور رعایا بجائے آسودہ و مرفہ الحال ہونے کے پریشان و مفلس رہنے لگی، مسٹر سلیمن کا بیان ہے کہ اسوقت بھی حکیم مہدی کا نام محبت و احترام کے ساتھ لیا جاتا تھا،

نواب سعادت علیخان تک جنھون نے خزانۂ عامرہ کو ۱۴ کروڑ کی دولت سے اور رقید خانون کو عاملون سے بھر دیا تھا، حکیم مہدی کے معاملات مین دست اندازی نہین کرتے تھے، اسلئے کہ نواب ایک قابل حکمران تھے، اور بہ خلاف اپنے نالائق اخلاف کے، دوسرون کی دیانت و اہلیت کی قدر کرتے تھے، حکیم مہدی پر انکو خاص اعتماد تھا، "امور متعلقہ دیوانی و مالگذاری انہین کے ہاتھ مین چھوڑ دئے تھے، اور اپنی وفات کے وقت تک تمام معاملات سلطنت انہین کے صلاح و مشورہ سے انجام دیتے رہے" پادری ہیبر کا بیان ہے کہ سعادت علیخان کی وفات کے وقت حکیم مہدی انکے وزیر تھے، لیکن کوئی معتبر شہادت انکے منصب وزارت پر باضابطہ فائز ہونے کی موجود نہین، برائے نام وزیر خود سعادت علیخان کے فرزند شمس الدولہ، تھے، اور اغلب یہ ہے کہ حکیم مہدی انکی نیابت کا کام کرتے تھے، بعینہ اسی طرح غازی الدین کے زمانہ مین برائے نام وزیر نصیر الدین کا سارا کام انکے نائب آغا میر انجام دینے لگے۔

سعادت علیخان کا ۱۱- جولائی ۱۸۱۴ء کو انتقال ہوا، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حکیم مہدی وزارت کا کام عملاً برابر کرتے رہے، گو غازی الدین نے وزیر کا باضابطہ تقرر موسم سرما مین گورنر جنرل کی آمد لکھنو تک ملتوی رکھا، ادھر کی بدنصیبی سے حکیم مہدی اور رزیڈنٹ انگریزی میجر بیلی سے موافقت نہ رہ سکی، اور غالباً انہین کے حسب مشورہ غازی الدین نے میجر بیلی کو ہٹانا چاہا، گورنر جنرل ہسٹنگز جب سرما مین لکھنو وارد ہوئے تو غازی الدین سے ملنے،

رزیڈنٹ کی شکایات بیان کرنے لئے ان سے تخلیہ کی ملاقات چاہی، اور اسکے دوران میں یہ کہا کہ میں یہ شکایات دائرہ تحریر میں لاکر پیش کردونگا اور انکی مزید تصریح و تشریح مہدی علیخان کر سکتے ہیں"۔

غازی الدین کی شکایات یہ تھیں کہ بیجر بیلی ان پر جزئیات زندگی میں اپنی حکومت قاہرہ قایم کرنا چاہتے ہیں، جب بھی چاہتا ہے تو اپنے احکام صادر کرتے بلا اجازت و اطلاع محل شاہی میں گھس آتے ہیں، اپنے آدمیوں کو نواب کے خزانہ سے بڑے بڑے شاہرہ دلاکر خود انہیں پر بہ طور جاسوس مقرر کرتے ہیں، اور اپنے مستمر و مستقل حاکمانہ انداز و تحکمانہ شان سے نواب کی توہین خود انکے اعزہ و رعایا کی نظروں میں کرتے ہیں، منجملہ اور شکایات کے ایک شکایت یہ بھی تھی کہ نواب کے ان صبح سویرے جو نوبت بجتی تھی اُسے رزیڈنٹ نے اس بنا پر بند کرا دیا تھا کہ اس سے اسکی نیند میں خلل پڑتا ہے، لارڈ ہیسٹنگز بیجر بیلی سے خوش نہ تھے، انکے ہٹا دینے کا انھوں نے پورا ارادہ کر لیا، بلکہ انھوں نے نواب کو اطمینان بھی دلایا کہ "اپنے فرض منصبی نیز ذاتی خواہش دونوں حیثیتوں سے میں آپ کو حاکم مقتدر دیکھنا چاہتا ہوں، اور انکی ذاتی عزت کو محفوظ"۔

لیکن غازی الدین میں اتنا استقلال نہ تھا کہ اپنے ارادہ پر عمل کر سکے، آغا میر (جو بہ قول لارڈ ہیسٹنگز بیجر بیلی کے بیحد طرفدار تھے) نے غازی الدین کو ڈرا دھمکا کر اس پر مجبور کر دیا کہ رزیڈنٹ کے خلاف انھوں نے جو شکایات کی تھیں، انہیں واپس لے لیں، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بیجر بیلی اپنی جگہ پر قائم رہ گئے، اور جب لارڈ ہیسٹنگز سے ایک نائب وزیر کے انتخاب کی خواہش کی گئی تو انھوں نے یہ جواب دیا کہ "یہ امر بہت ہی ناموزوں ہوگا اگر غازی الدین ایسے شخص کی نامزدگی کریں، جسکو رزیڈنٹ سرکار انگریزی کا سخت مخالف قرار دے رہا ہے، یعنی مہدی علیخان"۔

نتیجہ یہ ہوا کہ تقرر آغا میر کا ہوا، اور اس طرح اودھ ایک قابل و دیانتدار حاکم کے برکات سے مستفید ہوتے رہ گیا!

حکیم مہدی کا قیام اب بھی لکھنؤ میں رہا، اور غازی الدین کے الطاف ان پر قائم رہے، لیکن بہ

آغامیر کا حسد انکے ساتھ بڑھتا گیا خصوصاً اسلئے کہ ابتدا مین آغامیر کو اپنی وزارت مستحکم نہین نظر آتی تھی، اس بنا پر جب حکیم مہدی نے علاقہ بہرایچ کو اسکے عامل کی مالگذاری سے ایک لاکھہ زاید پر اپنے اجارہ مین لینا چاہا تو آغامیر کو حکیم مہدی کے لکھنؤ سے رخصت ہونے کا یہ موقع بہت غنیمت معلوم ہوا، اسنے فوراً اس درخواست کو منظور کرلیا، اور حکیم مہدی اپنے علاقہ پر روانہ ہوگئے،

حکیم مہدی اور عامل بہرایچ سے جو معاملہ پیش آیا، اور جسے سلیمن نے قلمبند کیا ہے، وہ حکیم مہدی کے پاک و صاف دامن پر ایک داغ ہے، امر سنگھہ نے جو اپنے والد کی جگہ پر عامل ہوا تھا، اپنی خوش انتظامی سے دولت کثیر جمع کی تھی، اس پر حکیم مہدی کے منہ مین پانی بھر آیا، جب وہ علاقہ کا انتظام اپنے ہاتھ مین لینے کے لئے آنے لگے، تو امر سنگھہ نے کہلا بھیجا کہ "جب تک میری حفاظت کا قرآن سے حلف نہ اُٹھاؤ گے، مجھے بدعہدی کی طرف سے اطمینان نہین ہو سکتا، اور مین ملاقات نہین کر سکتا" کئی مہینہ تک معاملت بہ آشتی ہوتی رہی، تا آنکہ ایک شب کو حکیم مہدی حسابات کی جانچ کرتے کرتے کوئی حیلہ کرکے اُٹھ کھڑے ہوئے، اور خیمہ مین امر سنگھہ کو تنہا چھوڑ کر چلے گئے، معاً حکیم کے دو خادمون نے عامل قدیم پر حملہ کیا، اور گلا گھونٹ کر ختم کر دیا، حکیم مہدی نے یہ روایت بیان کی کہ امر سنگھہ نے زہر سے خودکشی کی، اور اسکی نعش اسکے اہل خاندان کے سپرد کر دی، لیکن وہان امر سنگھہ کے دانتون کے اندر قاتلون مین ایک کی انگلی کٹی ہوئی ملی، جو امر سنگھہ نے کاٹ لی تھی، حکیم مہدی نے ۱۵ اور ۲۰ لاکھہ کے درمیان دولت پر قبضہ کیا، اور انکشاف راز کے سد باب کے لئے بہ کمال دانائی اسکا ایک معقول حصہ رشوتون مین صرف کیا،

سلیمن کی یہ روایت مستبعد معلوم ہوتی ہے، اور مسٹر اروِن نے ایک احتمال یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ آغامیر نے اپنے حریف کو بدنام کرنے کے لئے مشہور کی ہوگی، خود اروِن اس احتمال کو قابل تسلیم نہین خیال کرتا، لیکن ہمارے نزدیک روایت بالا کے مقابلہ مین یہ احتمال یقیناً قوی ہے، اسلئے کہ اول تو اتنے بڑے جرم کا کوئی محرک نہین بتایا جاتا، دوسرے یہ کہ ایسی حرکت حکیم مہدی کے عام طرز عمل کے بالکل مخالف ہے، اسوقت انکے پاس بہت کافی دولت موجود تھی، اور حرص و طمع انکے مزاج مین کبھی بھی نہ تھی، اسکے علاوہ

اگر حکیم مہدی سے اس جرم کا ارتکاب ہوا ہوتا تو کیونکر ممکن تھا کہ آغا میر اپنے حریف کو زک دینے کا اتنا اچھا موقع ہاتھ سے جانے دیتا؛ پھر یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ خود لارڈ ہیسٹنگز جو حکیم مہدی کے علاقون مین ۱۰ اپریل سے لیکر ۲۲ اپریل ۱۸۱۸ء تک برابر رہے، اور اس ساری مدت مین حکیم مہدی انکے ہمرکاب رہے، اس افواہ کا ذکر تک نہین کرتے حالانکہ یہ واقعہ آخر ۱۸۱۷ء یا آغاز ۱۸۱۸ء مین ہو چکا تھا،

حکیم مہدی کے حال پر ہیسٹنگز کی عنایات دیکھکر آغا میر کو اور زیادہ حسد پیدا ہوا، چنانچہ ۱۸۱۹ء مین اسنے حکیم مہدی کے اجارہ پر پانچ لاکھ کا اور اضافہ کر دیا، یہ دیکھکر حکیم مہدی جو رفتہ رفتہ ایک عرصہ سے اپنا خزانہ شاہجہان پور جو انگریزی علاقہ مین تھا، منتقل کر رہے تھے، مع اپنے خاندان کے سرحد پر آ گئے، اسکے بعد پادری ہیبر کی روایت ہے کہ "آغا میر نے اسکو قیدخانہ بھجوا دیا جس سے اسکو سرکار انگریزی کی سفارش و توسط پر، رہائی نصیب ہوئی"

حکیم مہدی ۱۱ برس جلاوطنی مین رہے، ابتداءً شاہجہان پور مین، لیکن وہان کے اہل سنت سے، موافقت نہ رہ سکی، اسلئے فتحگڈھ چلے گئے، اور وہان بہ کمال شان و شوکت رہنے لگے، یہان ۱۸۲۴ء مین انھون نے پادری ہیبر کو مدعو کیا، اور لکھا کہ "میرے ہان ایک انگریز خاتون بھی ہے، جسے اپنے ہمقومون کی خساطر و مہمانداری کا خوب سلیقہ ہے" یہ انگریز خاتون حکیم مہدی کے دیوان کی زوجہ تھی؛ جو ایک زمانہ مین ہرٹفرڈ مین اُردو زبان کے پروفیسر رہ چکے تھے، یہین ۱۸۲۷ء مین انھون نے لارڈ کومبر میر کی بھی ضیافت کی، اور اسی موقع پر کپتان منڈی انکے متعلق لکھتے ہین، کہ وہ ایک وجیہ و رئیسانہ شان کے معمر شخص تھے۔

(باقی)

(یوپی ہسٹاریکل سوسائٹی جرنل)

— ❖ —

# وحدتِ وجود

## (ہندو فلسفہ مین)

از ڈاکٹر گنگا ناتھ جھا ایم اے ال ال ڈی

ہندوستان ابتدا سے وحدت و جامعیت کا گہوارہ رہا ہے، اختلافات کو رفع کرکے اتحاد پیدا کرنا، بچھڑے ہوؤن کو ملانا، تنوع مین یکرنگی پیدا کرنا، یہ ازل سے اسکا شعار رہا ہے، خود رگ وید مین جس سے قدیم تر کتاب پردۂ ارض پر موجود نہین، یہ ارشاد موجود ہے کہ "مختلف اہل علم ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیرین کرتے ہین،" اسکے بعد اپنشدون مین اسی اصول کی بار بار تصریح آئی اور مختلف استعارہ و مجاز کے پردہ مین کثرت سے اسکی تکرار کیگئی، حکماے ہند مدتون اس حقیقت پر ایمان رکھتے تھے، اور باوجودیکہ آگے چل کر ہر شعبۂ زندگی مین نہایت کثرت سے اختلافات پیدا ہوتے گئے لیکن اس اصول سے کسی نے بھی انکار نہ کیا، یہانتک کہ شنکر اچاریہ کا زمانہ آیا اور اس سرزمین کی حیات عقلی مین دور انحطاط شروع ہوا، اس نے اس اصول کے حدود سے قدم بڑھا کر یہ دعوی کیا کہ یہ تمام مظاہر و حوادث کائنات جو ہمارے علم مین آتے ہین، یہی نہین کہ ایک حقیقت کے مختلف پرتو ہین، بلکہ سرے سے غیر حقیقی و باطل ہین، اسکا مسلک یہ تھا کہ تمام محسوسات و مدرکات قطعاً کوئی حقیقی و خارجی وجود نہین رکھتے بلکہ تمامتر ہمارے واہمہ و متخیلہ کی پیداوار ہین، اس متشککانہ تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤن مین متشککین و متیقنین وغیرہ کی پرجوش معرکہ آرائیان شروع ہوگئین،

مضمون ہذا مین اس تشکیک سے بحث نہین بلکہ یہان صرف وحدت وجود کے اس قدیم عقیدہ پر ایک نظر کرنا مقصود ہے، جسکا عملی نتیجہ یہ تھا کہ سارے ملک مین ایک عقلی و سیاسی اتحاد قائم تھا، اور اہل ہند کی طرز معاشرت مین کسی طرح کی عسکریت و جدال آرائی نہ تھی بلکہ اسکے بجاے

ایک عام اخوت انسانی کا عقیدہ جاری و ساری تہا،

موجودات مین یہ وحدت کس قسم کی ہے ؟ عام ویدانتی تو اس مسئلہ پر کبھی غور ہی نہین کرتے بلکہ محض نفس وحدت کو اعتقاداً مانتے چلے جاتے ہین، البتہ یورپ کے ویدانتی اور تہیاسوفسٹ گروہون نے اسپر غور کیا، لیکن اُنکے جوابات پوری طرح تسلی بخش نہین، ان مین سے بعض کہتے ہین کہ یہ وحدت اس دار فانی سے متعلق نہین، بلکہ عالم عقبیٰ سے متعلق ہے، اور بعض کا مسلک یہ ہے کہ اس وحدت سے روحانی وحدت مراد ہے، نہ کہ مادی، میرے نزدیک یہ دونون تشریحات ناکافی ہین، بلکہ جس وحدت کی تعلیم دیگئی ہے وہ محض روحانی نہین بلکہ کائنات مادی پر بھی پوری طرح حاوی ہے،

اہل فلسفہ کو ہم بلحاظ عقاید دو بڑے گروہون مین رکھہ سکتے ہین، ایک گروہ وہ ہے جو خدا پرست ہے، وجود باری کا قائل ہے، اور یہ سمجہتا ہے کہ کائنات اسکی مخلوق ہے، دوسرے طبقہ مین منکرین و متشکّکین شامل ہین، یعنی وہ لوگ جو اس خیال کے منکر یا کم از کم اس باب مین متشکک یا ساکت ہین، جو گروہ خدا کا قائل ہے وہ تو وحدت وجود سے انکار کر ہی نہین سکتا اسلئے کہ اسقدر تو اُسے بہرحال مسلم ہوگا کہ تمام مخلوقات کی آخری بنیاد ذات خالق ہے، اور اسلئے مخلوقیت تمام اجزاء کائنات مین مشترک ہے، تمام موجودات عارضی و بے ثبات ہین، وجود حقیقی صرف ذات باری کا ہے، جو قائم بالذات ہے، اور وہ ایک ہی ہے، اس سے بحث نہین کہ اس ذات حقیقی کی ماہیت اور اسکے صفات کیا ہین، اسمین جو کچھ بھی اختلافات ہون اتنا بہرصورت ہر خدا پرست فلسفی کو تسلیم کرنا ہوگا کہ کائنات کی علت العلل وہی ذات ہے اور عقیدۂ وحدت وجود کے لئے اسقدر کافی ہے،

لیکن منکرین و متشککین کی تشفی اس آسانی سے نہین ہو سکتی، انکی تسکین کے لئے ذرا عمیق نظر سے یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ موجودات عالم مین باین ہمہ تنوع و اختلاف رشتۂ اتحاد کیا ہے ؟

اتنی بات پر ہر زمانہ کے فلاسفہ کو اتفاق رہا ہے کہ کوئی شے ایسی ضرور ہے جو کائنات کے اجزا میں بطور قدر مشترک کے ہے، اور ان سب کو ایک رشتہ میں منسلک کئے ہوئے ہے، اہل جرمنی نے اسکا نام (Being) وجود رکھا کہ تمام موجودات اپنی صفت وجود میں متحد ہیں، سنسکرت میں اسکو "ست" سے موسوم کرتے ہیں، یعنی ہستی گویا بلحاظ ہستی کل کائنات ایک ہی، جو کچھ موجود ہے اس لحاظ سے کہ "ہست" ہے، ایک ہے، یہی "ہستی" تمام موجودات کے درمیان رشتۂ اتحاد ہے، جو شے موجود ہے حقیقت رکھتی ہے، اور جو موجود نہین ہے کوئی حقیقت نہین رکھتی، گویا حقیقت اشیا، کا انحصار ہستیٔ اشیا پر ہے، اور یہ ہستی ہی ایسی شے ہے جو تمام موجودات مین وحدت پیدا کئے ہوئے ہے،

لیکن فطرت انسانی ایسی واقع ہوئی ہے کہ ذہن اپنے سامنے وحدت وجود کا جو تخیل قائم کرتا ہے، اسکی تسکین محض مجردات سے نہین ہوسکتی، اسکے اطمنان کے لئے "ہستی" و "وجود" وغیرہ کلیات مجردہ بالکل ناکافی ہین، اسکے لئے ضروری ہے کہ کسی شخصیت، کسی ذات فعال کا وجود پیش نظر ہو، اس بنا پر حکماے ہند نے مجرد ہستی یا وجود پر اکتفا نہین کیا بلکہ اسکے ساتھ ایک صفت "شعور" کی بھی اضافہ کردی، یعنی تمام موجودات مین محض ہستی ہی مشترک نہین، بلکہ شعور بھی مشترک ہے انسان وحیوان، جمادات ونباتات، شجر وحجر یہ سب ہستی ہی کے مظاہر نہین، بلکہ ان سب مین شعور کی جلوہ آرائیان بھی ہین،

یہ عقیدہ اگرچہ حکماء ہند کی تعلیم مین شروع ہی سے موجود ہے، تاہم حکماے یورپ بھی اس سے بالکل بیگانہ نہین، انکے ہان تصوریت (Idealism) کے جو مختلف مذاہب پیدا ہوتے رہے ہین، ان سب کا ماحصل یہ ہے کہ حقیقت اشیا، تمامتر مشتمل ہے تصور پر، لیکن یہ کتنا صاف اس امر کا اقرار کرنا ہے کہ شعور سے خارج حقیقت کے کوئی معنی نہین، اور شعور چونکہ ایک مجرد شے ہے

اسمین تعدد کو دخل نہین، اسلئے اسکی وحدت بھی ظاہر ہے، پھر چونکہ تعلق باہمی کی بنیاد بھی شعور ہے، اسلئے شعور کو موجودات مین مشترک ماننے کے معنی یہ ہین، کہ تمام موجودات مین یکجہتی، یکرنگی و یکسانیت پیدا ہو جاتی ہے، من و تو کے امتیازات اٹھ جاتے ہین، اور کائنات کا ذرہ ذرہ وحدت کے رنگ مین ڈوبا ہوا نظر آنے لگتا ہے، جسکا اثر عملی زندگی پر یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے اعمال مین نہایت محتاط ہو جاتا ہے، کیونکہ اب وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے اسکا اثر اسکی ذات، اسکی شخصیت تک محدود نہین بلکہ تمام کائنات اس سے متاثر ہو رہی ہے،

آجکل ٹیلی پاتھی (Telepathy) کا جو طریقہ نکلا ہے، وہ اس حقیقت کی توثیق کرتا ہے کہ شعور کی جو کیفیت ہم مین موجود ہے، وہی سارے جہان پر محیط ہے، ٹیلی پاتھی کو عرصہ تک شک و بدگمانی کی نظرون سے دیکھا گیا، لیکن اب اسکی واقعیت مستند حلقون مین بھی مسلم ہو گئی ہے، اس اشراقیت کی جسکی بنا پر ہم مین "غیب دانی" آجاتی ہے، یعنی یہان ہم بیٹھے ہوئے دور دراز کی خبرین بتا دیتے ہین، مختلف توجیہات کی جاتی ہین، لیکن عقیدۂ وحدت وجود کی روشنی مین یہ مسئلہ بالکل صاف و واضح نظر آتا ہے، جب یہ مسلم ہے کہ جو شعور ہم مین ہے، اسی کی جلوہ آرائیان کائنات کے ذرہ ذرہ مین ہین تو اسمین کیا استبعاد ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے ہمارا شعور زمان و مکان کی پابندیون سے آزاد ہو کر اور جسم و مادہ کی قیود کو توڑ کر اپنی ہستی کو شعور کل مین منضم کر دے، قطرہ اپنے کو دریا مین ملا دے اور اس طرح جزو کل پر مطلع و خبردار ہو جائے؟

یہانتک مسئلہ پر صرف نظری و فلسفی حیثیت سے گفتگو تھی، لیکن کیا سائنس کے مادی نتائج اسکے کچھ بھی منافی ہین؟

کیمیائیات کے تازہ ترین انکشافات کا ماحصل یہ ہے کہ نظریہ سالمی Atomic theory کا جسکے سہارے مادیت کی عمارت قائم تھی، ابطال ہو چکا ہے، اس نظریہ کا منشا یہ تھا کہ مادہ کائنات

چند مختلف عناصر مین منقسم ہے، اور ہر عنصر انتہائی تحلیل کے بعد ایک خاص سالمہ پر جاکر ٹھہرتا ہے، جسکی مزید تحلیل نہین ہوسکتی، گویا جسقدر عناصر تھے، اسی تعداد مین ناقابل تحلیل و تجزی سالمات بھی تھے، لیکن اب کیمیا کی تحقیقات یہ ہے کہ یہ عناصر و سالمات کوئی مستقل وجود نہین رکھتے، بلکہ یہ سب مرکب ہین ذرات کہربائی (الیکٹرن) سے۔ مگر خود کہربا کیا شئے ہے؟ کیمیا کا جواب ہے کہ وہ ایک قسم کی قوت ہے، ابھی کیمیا دی تحقیقات یہین تک پہنچی ہے۔ لیکن کیا عجب ہے کہ چند ہی روز مین اس ایک قسم کی قوت کے ڈانڈے "شعور" سے اگر ملجائین؟ کیمیا کا محقق اسقدر اب بھی تسلیم کرنے لگا ہے کہ کائنات مادی تمامتر ایک خاص طرح کی قوت کا کرشمہ گاہ ہے، اسکے بعد سے صرف اسقدر اور کہنا باقی رہجاتا ہے کہ یہ خاص طرح کی قوت وہی ہے جسے الٰہیات کی اصطلاح مین شعور کہتے ہین،

طبیعیات کے علما، روز بروز اس طرف کھنچتے آتے ہین، طبعیات کا ایک نہایت ممتاز محقق جو لندن کے مشہور مرکز سائنس رائل انسٹیٹیوشن کا رکن ہے، لکھتا ہے کہ

"حیوانات، نباتات و معدنیات سب کی حرکتون مین ایک نقطہ ایسا آتا ہے جہان سب کی حرکتین بالکل متحد ہو جاتی ہین" (ص ۱۸۴)

پھر کہتا ہے:۔

"جسم انسانی کے ایک ایسے نازک عضو کی جیسے کہ شبکہ ہے، بعض حرکتین جسم غیر عضوی کی بعض حرکتون کے بالکل مماثل ہین۔" (ص ۱۸۹)

چند سطرین آگے بڑھکر کہتا ہے:۔

"جسم ذی حیات کی حرکتین باین ہمہ تنوع در اصل انہین حرکتون کا اعادہ ہین جو جسم غیر عضوی مین پائی جاتی ہین۔" (ص ۔۔)

ایک جگہ اور:-

"تحقیقات بالا ممکن ہے کہ ہکو اس نتیجہ تک پہنچا دین کہ یہ تمام صورت حال ان غیر متغیر قوانین کے عمل کا نتیجہ ہے جو کائنات عضوی و غیر عضوی دونون پر یکسان و مساوی عامل رہتے ہین۔"

گو وہ دن قریب آتا جاتا ہے جب مغرب کا طبیعی بھی قدیم ہندو فلسفی کی طرح اپنے آپ کو یہ تسلیم کرنے پر مجبور پائیگا کہ کائنات مین جو کچھ بھی ہے، سب شعور ہی کے مختلف مظاہر و شئون، سب اسی کی جلوہ آرائیان و نیرنگیان ہین،

آخر مین صرف ایک سوال باقی رہجاتا ہے کہ جب یہ موجودات عالم ایک ہی نور کا پرتو ہے، تو اسقدر تنوع و چگونگی، تخالف و تضاد کیون ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ بغیر اسکے شعور مطلق کا ظہور و شہود ممکن ہی نہین، شعور مطلق بجائے خود ہمہ وحدت ہے، لیکن جب اُسے اپنے تئین عرصۂ شہود مین لانا منظور ہوا، تو یہ شہود بغیر اسکے ممکن ہی نہ تھا کہ کثرت پیدا ہوا، اور جب کثرت ہوئی تو امتیاز کے لئے لازم آیا کہ تخالف و تنوع بھی ہو، اس بنا پر یہ ناگزیر تھا کہ شعور مطلق اپنے مختلف مظاہر و شئون مین اپنے تئین مختلف لباسون مین نمودار کرے، جمادات کے قالب مین وہ اپنے خصوصیات جمادات کی رکھتی ہے، نباتات کے عالم مین وہ صفات نباتی سے متصف ہوتی ہے، حیوانات کے مرتبہ تک پہنچکر وہ لباس حیوانی مین جلوہ آرا ہوتی ہے، اگر وہ یہ مختلف اوضاع نہ تبدیل کرے تو کائنات کا وجود، یعنی اس روح مطلق کا شہود ممکن کیونکر ہو؟ تحدید و تعین پیدا ہونے کے معنی یہ ہین کہ کثرت و تعدد بھی پیدا ہو،

رہا یہ امر کہ اس نے کیون تحدید و تعین پسند کیا، اور ما تبدأ اس پر کیونکر عمل کیا؟ یہ وہ اسرار لاہوتی ہین جنکے چہرہ سے دنیا کا کوئی فلسفہ نقاب نہین اٹھا سکتا، ہندو فلسفہ اسکے متعلق یہ کہتا ہے کہ اسکے اس عمل ظہور و شہود کی ابتدا زمان مین ہوئی ہی نہین، بلکہ یہ اُس ہستی مطلق کی

فطرت مین داخل ہے، وہ ازل سے برابر اسی طریق پر ہے، یعنی ایسا کبھی کوئی زمانہ نہ تھا جب وہ اس صفت سے معرّیٰ ہو، اور اسکے بعد اسے اختیار کیا ہو بلکہ وہ ہمیشہ سے اسی وضع پر ہے جب تمام مظاہر و شئون کا ایک دور ختم ہو جاتا ہے تو پھر از سر نو وہی پچھلی باتین شروع ہو جاتی ہین اور اس طرح یہ سلسلۂ دور و تسلسل اپنے آغاز و انجام دونون سے بیگانہ ہے، جس طرح کوئی یہ نہین بتا سکتا کہ کب اور کیونکر اول بار درخت سے تخم، یا تخم سے درخت پیدا ہوا، اسی طرح یہ بھی نہین معلوم ہو سکتا کہ ہستی مطلق نے کب، اور کیونکر اپنے تیئن محدود و مشخص بنانا اور تعینات کے چکر مین پڑنا پسند کیا،

ان تمام حقائق کو پیش نظر رکھنے کے بعد ہم پھر اسی عقیدہ پر پہنچ جاتے ہین کہ دنیا ہمہ وحدت ہے تعدد و کثرت کا نام تک نہین، یہی نہین کہ تمام انسان آپس مین بھائی بھائی اور ایک ہین، بلکہ انسان وحیوان، چرند و پرند، جمادات، و نباتات، شجر و حجر سب ایک ہین

(ہندوستان ریویو)

# موجودہ مشرقی کتبخانے

(۱)

از

مولانا عبدالسلام ندوی

اسلام کے عہد زرین مین اگرچہ عراق، اندلس، مصر اور شام مین بکثرت کتبخانے قائم کیے گئے جو کئی کئی لاکھ مجلدات پر مشتمل تھے، لیکن ان مین سب سے بڑا کتبخانہ بغداد مین خلفاے عباسیہ نے اندلس مین خلفاے امویہ نے، مصر مین فاطمیین نے قائم کیا تھا۔ آج ہمارے ہاتھون مین عربی زبان کی جو قابل قدر کتابین ہین وہ انہین خزان دیدہ پھولون کی پنکھڑیان ہین۔

سب سے پہلے خلفا نے ان جواہرات علمیہ سے اپنے ایوان سجائے، پھر وزرا، ارباب مناصب اور اہل علم نے اسکی تقلید کی، اسکے بعد جب سلاطین فارس، ترک، عرب، اور بربر کا دور حکومت آیا تو انھون نے بھی اس شاہانہ خصوصیت کو قائم رکھا، علما، اور امرا نے جو پرائیوٹ کتبخانے قائم کیے وہ اس سلسلہ سے الگ تھے، رفتہ رفتہ یہ تمدن کی ایک ایسی خصوصیت ہوگئی کہ امرا مین جو لوگ صاحب علم نہ تھے انھون نے بھی بطور لازمۂ امارت کے کتبخانے قائم کیے، نہایت خوشخط نسخے فراہم کیے، خوشنما جلدین بنوائین، اور اوراق کتب کو مسابقت و مفاخرت کا سب سے بڑا میدان قرار دیا۔

ان کتبخانون مین بعض پرائیوٹ اور اکثر پبلک تھے، پبلک کتبخانون کو زیادہ تر خلفاء و سلاطین نے قائم کیا تھا، بغداد کے بیت الحکمہ، قاہرہ کے دارالحکمہ، اور اندلس، اور مغرب کے کتبخانون نے انہی خلفار کی بدولت دنیا کو علم و فن سے مالا مال کر دیا تھا،

---

له ماخوذ از آداب اللغۃ العربیہ لجرجی زیدان،

لیکن باد بہار کے ساتھ باد خزان کے جھونکے بھی چلتے رہتے تھے، فرق اسلامیہ مین جو مذہبی نزاعین قائم ہوگئی تھین، اہل فلسفہ پر کفر و زندقہ کا جو الزام قائم کیا گیا تھا، اُسکا خمیازہ اُنکے ساتھ اُنکے علمی ذخیرون کو بھی اٹھانا پڑا، جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے کتبخانے نذر آتش ہوگئے، غیر قومون کے فاتحانہ اقتدار و تسلط نے بھی بہت کچھ اِن علمی خزانون کو صدمہ پہنچایا، پرستاران صلیب نے تمام اسپین اور اندلس مین مسلمانون کے جو علمی ذخیرے برباد کئے، دنیا کی علمی تاریخ ہمیشہ اُن پر اشکبار رہیگی؛ قدرتی اسباب مثلاً آتش زنی اور بوسیدگی وغیرہ کے ذریعہ سے جو کتابین ضایع ہوئین وہ اس سے الگ ہین،

کتابون کی بربادی کے یہ اسباب خلفاے عباسیہ کے ابتداے دور حکومت ہی سے پیدا ہوگئے تھے، لیکن خلفاء سلاطین اور اہل علم جو جدید کتبخانے قائم کرتے رہتے تھے وہ تلافی مافات کردیتے تھے، لیکن جب سلطنت مین ضعف آگیا اور قوم کی زندہ قوتین مردہ ہوگئین تو بدل ما یتحلل مین قدرتی طور پر کمی آگئی، اور جو کتبخانے لاکھون کتابون پر مشتمل تھے، اُن مین صرف چند ہزار کتابین رہ گئین آج قسطنطنیہ، قاہرہ، دمشق اور حلب مین جو کتابین موجود ہین وہ انہی کتبخانون کی بچی کھچی یادگارین ہین قرون وسطی مین مسلمانون کے چمن زار علم پر یہ خزان آئی اور آج اگرچہ ہم اس عہد ظلمت سے نکل چکے ہین تاہم ہمارا مستقبل کچھ بہت زیادہ روشن نہین ہے، اسلئے اگر مستشرقین یورپ نے عربی زبان کی دستگیری نہ کی ہوتی تو ہم اس بچے کھچے سرمایہ کو بھی کھو بیٹھتے۔ لیکن دول یورپ نے مختلف زبانون کے جو عظیم الشان کتبخانے قائم کئے، ان مین مشرقی زبانون کو بھی خاص طور پر اہمیت دی اور اُنکی تہذیب و پرداخت کا کام مستشرقین کے سپرد کیا، ان لوگون نے نہایت سرگرمی کے ساتھ یہ خدمت انجام دی کتابون کی فہرستین تیار کین، اُنکی نشر و اشاعت مین سعی بلیغ کی، کتابون کے ترجمے کئے اور اُنکے نہایت عمدہ نسخے شایع کئے، یہان بحث کتبخانون سے ہے، اور یورپ مین جو عظیم الشان کتب خانے

مشرقی زبانون کی کتابون پر مشتمل ہین، انکی تفصیل حسب ذیل ہے،

(۱) برلن کا شاہی کتبخانہ، اسمین ۰۰۰۰۵۴۱ کتابین ہین جنمین ۰۰۰۰۳ قلمی ہین، اوران قلمی کتابون مین بہت سی کتابین عربی زبان کی ہین،

(۲) بن یونیورسٹی کا کتبخانہ، اسمین ۳۲۲۶۱۶۳ مطبوعہ اور ۱۵۱۹ قلمی کتابین ہین،

(۳) کیمبرج یونیورسٹی کا کتبخانہ، یہ کتبخانہ متعدد کتبخانون کا مجموعہ ہے، ایک کتب خانہ قدیس یوحنا کی طرف منسوب ہے، جسمین ۰۰۰۰۴ کتابین مطبوع اور ۰۵۰۱ قلمی ہین، ایک کتبخانہ ثالوث کا ہے جسمین ۰۰۰۰۸ کتابین ہین، اوران مین ۰۰۰۲ قلمی ہین،

(۴) کتب خانہ اسکوریال، یہ کتبخانہ اسپین مین ہے، اوراسمین ۰۰۰۰۵۳ کتابین ہین جنمین ۴۶۲۴ قلمی کتابین ہین، عربی زبان کے ۱۸۸۶، یونانی کے ۵۸۲ اور لیٹن کے ۲۰۸۶ نسخے ہین،

(۵) گوتھا کا کتب خانہ، یہ کتبخانہ سنہ ۱۶۴۶ مین قائم ہوا، اسمین ۰۰۰۶۹۱ کتابین ہین جنمین ۳۵۰۰ قلمی کتابین مشرقی علوم کی ہین،

(۶) گوتنجن کا کتب خانہ اسمین ۰۰۲۲۸۵ کتابین ہین، قلمی نسخے ۱۷۳۷ ہین، جنمین زیادہ تر عربی کی نوادر کتب ہین،

(۷) لیڈن یونیورسٹی کا کتب خانہ اسمین ۰۰۰۰۰۲ کتابین ہین، جنمین ۰۰۶۳ کتابین مشرقی زبانون کی ہین، اوران مین زیادہ تر عربی کتابین ہین،

(۸) لندن کا کتب خانہ، یعنی برٹش میوزیم، اسمین ۰۰۰۰۰۸ کتابین ہین جنمین بہت سی عربی کی قلمی کتابین ہین،

(۹) منشن یونیورسٹی کا کتب خانہ اسمین ۰۰۰۰۵۶ کتابین ہین جنمین ۰۰۵۲ قلمی ہین، اوران مین بہت سی عربی کتابین ہین۔

(۱۰) آکسفورڈ یونیورسٹی کا کتب خانہ، یہ کتبخانہ ۱۵۹۸ء مین قائم ہوا، اسمین ۰۰۰ ۔ ۔ ۔ ۷ مطبوعہ کتابین اور ۰۰۰ ۔ ۲۳ قلمی ہین اور اکثر عربی ہین،

(۱۱) پیرس کا کتب خانہ اسمین مختلف زبانون کی ۰۰۰ ۔ ۔ ۵ مطبوعہ اور ۰۰۰ ۔ ۔ ۱ قلمی کتابین ہین جنمین ۱۳۱۴ کتابین عبرانی کی اور اُسکی دوگنا عربی کی ہین،

(۱۲) پیٹرسبرگ کا شاہی کتبخانہ، اسمین ۰۰۰ ۔ ۱۹۶۲ کتابین اور ۰۰۰ ۔ ۲۲ قلمی نسخے ہین، جنمین اکثر مشرقی بالخصوص عربی زبان کی ہین،

(۱۳) ویٹیکن کا کتب خانہ، یہ کتبخانہ روما مین قائم ہے، اور اسمین ۰۰۰ ۔ ۔ ۴ مطبوع اور ۰۰ ۔ ۵۴ قلمی کتابین ہین، اسمین مشرقی زبانون کی کتابون کا بہت بڑا حصہ ہے جو مشرق سے لایا گیا ہے۔

(۱۴) قومی کتبخانہ، یہ کتبخانہ بھی روما مین قائم ہے، اسمین ۰۰۰ ۔ ۵۴ مطبوعہ اور ۰۰ ۔ ۲ ہ قلمی کتابین ہین، روما مین اور بھی بہت سے کتبخانے ہین جو چندان قابل ذکر نہین۔

(۱۵) وائنا کا شاہی کتبخانہ اسمین ۰۰۰ ۔ ۔ ۱ مطبوع اور ۰۰ ۔ ۲۷ قلمی کتابین ہین، اور ان مین عربی کی نہایت عمدہ کتابین ہین، نقشے وغیرہ ان سے الگ ہین، انکے علاوہ یورپ کے دوسرے شہرون مین اور بھی متعدد کتبخانے ہین جنمین بہت سے مشرقی جواہرات مل سکتے ہین۔

لیکن جس زمانہ مین یورپ ان جواہرات سے اپنی علمی دوکانین سجا رہا تھا، مشرق خواب غفلت مین سرشار تھا، بالآخر انیسوین صدی کے وسط مین اس نے آنکھین کھولین، اور حکومتون اور انجمنون نے کتبخانون کی طرف توجہ کی، اور قوم کے مختلف افراد نے اسمین حصہ لیا، اس طرح قسطنطنیہ، مصر، شام، عراق، حجاز، اور مغرب مین عربی اور یورپین زبانون کی قدیم و جدید کتابون کا جو سرمایہ کتب خانون کی صورت مین جمع ہوا انکی تفصیل یہ ہے،

**قسطنطنیہ کے کتبخانے** قسطنطنیہ کے قدیم کتبخانے جو مختلف اوقات مین قائم کیے گئے، ان مین بعض مخصوص

اشخاص کی طرف منسوب ہین جنھون نے انکو پبلک کردیا ہے، اور بعض کو سلاطین اور انکے خاندان کے ممبرون نے وقف عام کیا ہے، ذیل کشف الظنون سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے قسطنطنیہ مین ۲۲ کتبخانے تھے جنکی کتابون کی مجموعی تعداد تین ہزار تھی، لیکن اب وہان ۶۰ کتبخانے ہین، جنمین مختلف تعداد مین کتابین موجود ہین، ہم اس موقع پر صرف اُن کتبخانون کی فہرست درج کرتے ہین، جنمین پانچسو سے زیادہ کتابین موجود ہین،

| نام کتب خانہ | نام بانی | سنہ قیام | تعداد کتب |
|---|---|---|---|
| کتبخانہ سلیم آغا | الحاج سلیم امین المطبخ العامر | ۹۵۵ | ۱۳۸۲ |
| " رستم پاشا | شیخ پاشا الصدر الاسبق | ۹۵۸ | ۵۶۰ |
| " امیر خواجہ | نور بانو سلطان | ۹۹۱ | ۸۲۶ |
| " کوپرلی | محمد پاشا کوپرلی الصدر الاسبق | ۱۰۷۲ | ۲۱۱۸ |
| " عاطف آفندی | مصطفٰے عاطف الدفتردار | ۱۱۰۴ | ۲۸۵۷ |
| کتبخانہ نفعیہ | السید فیض اللہ شیخ الاسلام | ۱۱۱۲ | ۲۱۹۰ |
| کتبخانہ شاہزادہ | ابن السلطان محمد | ۱۱۲۷ | ۱۰۷۷ |
| " اندرون ہمایون | السلطان احمد الثالث | ۱۱۳۱ | ۳۵۱۵ |
| " ابراہیم پاشا | داماد ابراہیم پاشا | ۱۱۳۲ | ۱۱۷۵ |
| " یکی جامع | السلطان احمد الثالث | ۱۱۳۷ | ۱۵۴۴ |
| " حکیم اوغلی | حکیم اوغلو علی پاشا الصدر | ۱۱۴۵ | ۹۴۶ |
| " جار اللہ | ولی الدین آفندی | ۱۱۴۷ | ۲۱۳۴ |
| " ایاصوفیہ | السلطان محمود الاول | ۱۱۵۲ | ۵۳۰۰ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| « عاشر افندی | مصطفی عاشر افندی رئیس الکتاب | ١١٥٤ | ٢٢٦٤ |
| « الفاتح | السلطان محمد الاول | ١١٥٥ | ٦٦١٤ |
| « بشیر آغا | الحاج بشیر آغا | ١١٥٨ | ٦٠٩٠ |
| کتبخانه سلیمانیه | مصطفی پادشاه الصدر | ١١٦٥ | ١١٦٠ |
| کتبخانه عموجه زاده | حسین پاشا صدر اسبق | ١١٦٨ | ٥٣٥ |
| « نور عثمانیه | السلطان عثمان الثالث | ١١٦٩ | ٥٠٥٣ |
| « راغب پاشا | محمد راغب پاشا الصدر الاسبق | ١١٧٦ | ١٦٤١ |
| « ولی الدین | شیخ الاسلام ولی الدین افندی | ١١٨٢ | ٣٢٨٤ |
| « مراد ملا | داماد زاده محمد مراد | ١١٨٩ | ٢٢٧٦ |
| کتبخانه حمیدیه | السلطان عبد الحمید الاول | ١١٩٤ | ٢٢٥٢ |
| کتبخانه علی پاشا | الشهید علی پاشا الصدر الاسبق | .... | ٢٨٢٠ |
| « مهرشاه | مهرشاه والدة السلطان | ١٢١٥ | ٧٢٧ |
| « لاله لی | السلطان سلیم الثالث | ١٢١٧ | ٣٨٦٤ |
| « قلیج علی پاشا | وباغ زاده الحاج ابراهیم | ١٢١٩ | ١٦٠٧ |
| « سلیمیه | برتو پاشا | ١٢٢١ | ٦٥٥ |
| « حالت افندی | محمد سعید حالت افندی | ١٢٤٤ | ١٠٩٠ |
| « دار المثنوی | الشیخ محمد مراد | ١٢٦٠ | ٥٩٥ |
| « اسعد افندی | اسعد افندی نقیب الاشراف | ١٢٦٢ | ٣٩٤٣ |
| « ینی قیو | عبد الرحمن نافذ پاشا ناظر المالیه | ١٢٦٧ | ٨٨٩٤ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ،، فوزیہ | محمد راشد آفندی | ۱۲۶۸ | ۹۶۹ |
| ،، خسرو پاشا | خسرو پاشا الصدر | ۱۲۷۰ | ۹۳۴ |
| ،، مدرسۃ السلطان محمد | بعض المحسنین | ۱۲۸۵ | ۵۹۰ |
| ،، القرائی | برتونیال والدۃ السلطان | ۱۲۸۸ | ۸۲۹ |
| المکتبۃ العمومیہ | حکومت عثمانیہ | ۱۲۹۹ | ۳۲۵۰۰ |
| مکتبہ یلدز | سلطان عبد الحمید الثانی | ۱۲۹۹ | ۲۶۷۶۶ |
| ،، دوکولی بابا | کمال پاشا بن وجہی پاشا | ۱۳۰۳ | ۶۱۹ |
| ،، المتحف | حکومت عثمانیہ | ۱۳۰۶ | ۱۵۲۶۰ |
| ،، حسن پاشا | حسن حسنی پاشا ناظر البحریہ | ۱۳۱۲ | ۱۱۶۹ |
| ،، تربیہ یحیٰی آفندی | حاج محمود آفندی | ۱۳۱۹ | ۶۹۹ |
| دار الفنون | حکومت عثمانیہ | ۱۳۲۵ | ۳۶۰۰ |

* کتبخانہ طوبقبوسرائے جو قسطنطنیہ کا بہترین کتب خانہ ہے، اور وہ کتبخانے جنکی کتابون کی تعداد پانچسو سے کم ہے اسکے علاوہ ہین، ان کتبخانون مین عربی، فارسی اور ترکی مین تاریخ، ادب، اور لغت اور علوم شرعیہ کی جو کتابین ہین انکی مجموعی تعداد ۲۰۰۰۰۰ ہے، عربی زبان کی کتابون کو فارسی اور ترکی سے جو نسبت ہے وہ ذیل کی جدول سے معلوم ہوسکتی ہے۔

(۱) مصاحف کل کے کل عربی مین ہین،

(۲) علوم شرعیہ کی کتابین فیصدی ۱۰ فارسی اور ترکی مین اور کل کی کل عربی مین ہین،

(۳) تاریخ اور تصوف کی کتابین تینون زبانون مین برابر برابر ہین

(۴) جغرافیہ طبیعیہ کی کتابین اکثر ترکی مین اور بعض عربی اور فارسی مین ہین،

(۵) ادب کی کتابین اکثر عربی ہین، اور تھوڑی بہت فارسی اور ترکی مین ہین،

(۶) علوم لغویہ عربیہ کی کل کتابین باستثنا بعض عربی مین ہین،

(۷) قاموس تینون زبانون مین ہین،

ان کتبخانون مین عموماً اور کتب خانہ طولبقبو، کوپرلی، ایاصوفیہ اور نور عثمانیہ مین خصوصاً اکثر قلمی نادر کتابین ہین،

**مصر کے کتب خانے** مصر اور اطراف مصر مین جو کتبخانے ہین انکی مختلف حیثیتین ہین، بعض پبلک ہین بعض سرکاری ہین، بعض خاص خاص جماعتون کی طرف سے قائم ہین، بعض پرائیوٹ ہین اور بعض لوگون نے اپنے پرائیوٹ کتبخانون کو وقف عام کردیا ہے، ہم اسی ترتیب کے ساتھ پہلے قاہرہ پھر اسکندریہ، اور پھر تمام اطراف مصر کے پبلک کتبخانون کا حال لکھتے ہین، پھر پرائیوٹ کتبخانون سے بحث کرینگے،

**کتبخانہ خدیویہ** مشرق قریب کا یہ سب سے بڑا کتبخانہ ہے، جسکو حکومت خدیویہ نے قائم کیا ہے اسکی تاریخ محمد علی پاشا کے زمانہ سے شروع ہوتی ہے، اور ۱۸۷۰ء مین اپنے دور کمال تک پہنچ جاتی ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب محمد علی پاشا نے عربی علوم و فنون کے احیاء کا کام شروع کیا اور بکثرت کتابین شائع کرائین تو ان کتابون کے فروخت کرنے کے لئے ایک اشاک قائم کیا، یہ اشاک اسمعیل پاشا کے زمانہ تک قائم رہا، اور اسمین عربی، ترکی اور فارسی کی ۲۰۰ قلمی کتابون کا اضافہ ہوا، جنکو حکومت نے حسن پاشا مناسٹرلی کے کتبخانے سے خریدا تھا،

مصر کی مساجد مین بہت سے کتبخانے تھے جنمین نہایت عمدہ قلمی نسخے، مصاحف، فقہ، حدیث، تاریخ اور ادب کی قدیم کتابین تھین، یہ کتبخانے اسمعیل پاشا کے زمانہ تک اسی پراگندہ حالت مین تھے لیکن جب سلطان عبدالعزیز نے ۱۲۸۲ھ مین مصر کی سیاحت کی تو اسمعیل پاشا کو مشورہ دیا کہ وہ ان

متفرق کتبخانون کو یکجا کرکے ایک عظیم الشان پبلک کتبخانہ قائم کرین، اسمعیل پاشا نے اس مشورہ کو پسند کیا، اور ۱۸۶۹ء مین علی پاشا مبارک وزیر تعلیم کو کتبخانہ خدیویہ کے قائم کرنے کا حکم دیا، اور اسکے قیام کے لئے ایک موزون موقع کا انتخاب کیا، مطبوعہ کتابون کے اسٹاک کتبخانہ حسن پاشا مناسترلی اور مساجد کے تمام کتبخانون کی کتابین، نقشے، اور آلات ہندسی ایک جگہ جمع کئے گئے، اور سرکاری طور پر ۱۸۷۰ء مین اس کتبخانے کے قائم کرنیکا فرمان صادر ہوا، علی پاشا نے اسکی تنظیم و ترتیب کے لئے دستور العمل بنایا اور ان بکھرے ہوے موتیون کے ہار کا نام کتبخانہ خدیویہ رکھا گیا، کتبخانہ کے قائم ہونے کے چند سال بعد اسمعیل پاشا کے بھائی پرنس مصطفے فاضل پاشا کا انتقال ہوگیا، اور انھون نے اپنے ذاتی شوق سے جو کتابین اپنے کتبخانہ مین جمع کی تھین، ان مین عربی، ترکی، اور فارسی کی بہترین کتابون کو جنکی تعداد ۳۴۰۵ تھی، اسمعیل پاشا نے ۱۳۰۰۰ گنی پر خرید کر کتب خانہ خدیویہ کی نذر کر دیا، انکے علاوہ کتبخانہ مین اور مختلف طریقون سے کتابون کا اضافہ ہوتا رہا، سب سے اہم اضافہ شیخ شنقیطی کی کتابون کا ہوا جنکی تعداد ۱۴۷ تھی، اور ان مین ۳۰۶ بہترین قلمی کتابین تھین، اسوقت کتبخانہ خدیویہ مین ۷۰۰۰۰ کتابین ہین جنمین نصف عربی زبان کی ہین، اور بقیہ کتابون کا زیادہ تر حصہ یورپین زبانون مین ہے، ترکی کی ۲۵۰۰ اور فارسی کی ۲۵۰ کتابین ہین، عربی کتابون مین ۳۲۰۰ کتابین تاریخ کی، ۲۰۰۰ ادب کی، ۱۲۰۰ علوم شرعیہ کی ہین، اور یورپین زبانون مین تقریباً ۳۲۰۰ کتاب تاریخ کی اور ۲۲۵۴ لغت اور انسائیکلوپیڈیا وغیرہ کی ہین،

کتبخانہ مین کتابون کے علاوہ بہت سی قدیم یادگارین، عربی سکے، اور عربی خط کے مختلف نمونے بھی موجود ہین،

کتبخانہ کا دروازہ پبلک کے لئے عام طور پر کھول دیا گیا ہے، ہر شخص آسانی کے ساتھ کتابون کا مطالعہ کر سکتا ہے، اور آسانی کے ساتھ انکی نقلین لے سکتا ہے، کتبخانے کا جو دستور العمل ہے

اسکے ابتدا ہی میں یہ لکھدیا گیا ہے کہ اسکا مقصد کتب عربیہ کی حفاظت کرنا اور ان سے فائدہ اٹھانے کے لئے آسانیان پیدا کرنا ہے،

کتب خانہ ازہر | جیسا کہ مصر کی تمام ساجد مین کتبخانے تھے، ازہر مین بھی ایک کتبخانہ تھا، جسمین ابتداءً ۱۰۹۹ کتابین تھین، پھر بتدریج رفتہ رفتہ اسمین اضافہ ہوا، یہ کتابین مختلف رواقون مین منتشر تھین، اسلئے خدیو نے حکم دیا کہ جو کتابین طلبار کی ضرورت سے زائد ہون، وہ ایک جگہ جمع کیجائین، اور طلباء اور علمار کی ضروریات کے لئے اور کتابین خریدی جائین، اس حکم کی بنا پر ان تمام کتابون کو رواق ابتغاویہ مین جمع کیا گیا، فنون کے اعتبار سے الگ الگ انکی ترتیب دیگئی، اول اول صرف ۷۰۰۰ کتابین تھین، پھر رفتہ رفتہ ان مین اضافہ ہوتا گیا، یہانتک کہ انکی تعداد ۴۲۷۴۳ تک پہنچگئی جنمین ۱۰۹۳۲ قلمی کتابین تھین، پہلے ۳۰ فنون مین کتابون کی ترتیب دیگئی تھی، اور اب انکی تعداد ۸۴ تک پہنچگئی، اب اس کتبخانہ مین ۲۰۰۰۰ کتابین علوم اسلامیہ مین، ۲۰۰۰ ادب، مدیح، اور فضائل مین، ۴۰۰۰ علوم لغویہ مین، ۸۰۰ تاریخ وسیر مین، ۲۰۰ جغرافیہ مین، اور باقی دوسرے علوم و فنون مین ہین، دس ملازمین ہین، اور مہتمم کتبخانہ شیخ محمد سلیم ہین،

اس کتبخانہ کے علاوہ ازہر کے ہر رواق مین طلبار کے مطالعہ کے لئے اور بھی چھوٹے چھوٹے کتبخانے ہین، جنکو مکاتیب اروقہ کہتے ہین، ان کتبخانون مین جو کتابین ہین، انکی مجموعی تعداد ۱۰۰۰۰ ہے وہ اگرچہ ازہر کے اصلی کتبخانے کی شاخ ہین، تاہم انکی حالت ابتک غیر منتظم اور غیر مرتب ہی، شیخ الازہر ان کتبخانون کو ازہر کے اصلی کتبخانے مین مدغم کرنا چاہتے ہین، لیکن طلبار اور اساتذہ اسپر راضی نہین ہوتے۔

مدارس آثار اور مساجد کے کتبخانے | کتبخانہ خدیویہ نے اگرچہ مساجد کے تمام کتبخانون کو سمیٹ لیا ہے، تاہم ابتک مساجد مین زیر نگرانی محکمہ اوقاف تقریباً ۴۰ ہزار کتابین مختلف علوم و فنون کی موجود ہین،

محکمہ اوقاف کی زیر نگرانی ایک میوزیم سے ہے، جسمین ایک کتبخانہ بھی ہے، جسمین ۱۳۴۲ کتابین، اور ۱۲۰۵ البم اور مشہور مصورین کے ہاتھ کی بنائی ہوئی تصویرین ہین، اس کتب خانہ مین زیادہ تر کتابین تاریخ اور علم آثار قدیمہ کی ہین، جنکو فرانس، جرمنی، انگلستان، امریکہ اور برازیل کی علمی انجمنون نے ہدیۃً روانہ کیا ہے،

کتب خانہ بکریہ | اس کتبخانے کو سادات بکریہ نے قائم کیا ہے، جسکے شیخ طریقت اس وقت سید عبدالحمید بکری ہین، یہ کتبخانہ مصر کی سرائے حرنفش مین ہے، اور مختلف علوم و فنون کی ۱۴۴۴ کتابون پر مشتمل ہے،

اس سرے مین سید عبدالحمید کا ایک پرائیوٹ کتبخانہ بھی ہے، جسمین علوم عربیہ اور علوم عصریہ کی ایک ہزار جلدین ہین، علوم جدیدہ کی کتابین فرنچ زبان مین ہین، اور اسمین ایک خاص کتاب جسکا نام "ڈسکرپشن ایجپٹ"، یعنی "وصف مصر" ہے، کئی جلدون مین ہے جسکو فرانس کی ایک علمی جماعت نے مرتب کیا ہے اور مختلف تصاویر اور نقشون کے ساتھ شائع کیا ہے،

کتبخانہ سادات وفائیہ | یہ کتبخانہ سجادہ وفائیہ کی سرپرستی مین قائم ہے، ۱۲۶۸ھ مین اسکی جو فہرست مرتب کیگئی تھی اسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمین ہزار جلدین ہین جنمین اکثر قلمی اور نادر کتابین ہین،

کتبخانہ دردیریہ | یہ کتبخانہ شیخ دردیر العدوی مالکی متوفی ۱۲۰۱ھ کی طرف منسوب ہے، بہت سی کتابین خود انکی ذاتی تھین، اور انکے وفات کے بعد بہت سی کتابین انکے دوستون نے ہدیۃً بھیجین، ان تمام کتابون کو جمع کرکے ایک کتبخانہ قائم کیا گیا جو مسجد صاحب لغریح مین ہے، ازہر کے تلامذہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہین، اور ضمانت پر کتابین مستعار لیتے ہین، کتابون کی تعداد ۱۰۷۸ ہے،

کتبخانہ مدرسہ حقوق | یہ کتبخانہ اس مدرسہ کے طلباء کے مطالعہ کے لئے قائم کیا گیا ہے، اسمین مطالعہ کا ایک خاص کمرہ ہے، کتابین روز بروز بڑھتی چلی جاتی ہین، سردست ۱۹۹۵ کتابین ہین جنکی تقسیم یہ ہے

۲۶۱۳ عربی، ۹۸۷۵ انگریزی وغیرہ، ۲۶۲ تلامذہ کے لکھے ہوے رسالے،

ان کتابون مین زیادہ تر قانون، قضارت، علم الاقتصاد اور اُن علوم کی کتابین ہین جو قانون سے تعلق رکہتی ہین،

کتبخانہ مدرسہ طبیہ | یہ کتبخانہ خاص طور پر طلبائے طب کے لئے قائم کیا گیا ہے، اسمین فرنچ انگریزی اور عربی کی دس ہزار کتابین ہین، اور زیادہ تر طب اور طبعیات کے متعلق ہین،

کتبخانہ جامعہ مصریہ | یہ بالکل جدید کتب خانہ ہے جو چند سال سے قائم کیا گیا ہے، کتابین زیادہ تر مصر اور یورپ کے مصنفین اور اہل علم نے ہدیۃً دی ہین، انہین ہدایائے علیہ مین شفیق بک منصور اور یحیٰ پاشا منصور کے دو کتب خانے بھی ہین، کتابون کی تعداد تقریباً ۱۲ ہزار ہے، اور انکو یونیورسٹی کے جنرل سکریٹری عبدالعزیز فہمی نے یورپ کے کتبخانون کی ترتیب کے مطابق جدید طریقہ سے مرتب کیا ہے،

کتابون کی تفصیل حسب ذیل ہے،

| | |
|---|---|
| ۸۶۶۰ | یہ کتابین یورپین زبانون مین ہین اور ہدیۃً موصول ہوئی ہین، |
| ۱۲۰۰ | یہ کتابین عربی زبان کی ہین، اور ہدیۃً موصول ہوئی ہین، |
| ۱۵۰۰ | یہ شفیق بک منصور کے کتبخانے کی وہ کتابین ہین جو یورپین زبان مین ہین، |
| ۲۵۰ | یہ انہی کے کتبخانے کی وہ کتابین ہین جو عربی زبان مین ہین، |
| ۲۵۰ | یہ کتبخانہ یحیٰ پاشا منصور کی کتابین ہین۔ |

(باقی)

# مقتبسات

اس عنوان کے تحت میں عربی و انگریزی کے بلند ترین علمی رسائل کے علمی مضامین کے مختصر خلاصے درج ہونگے

## امریکہ کے جدید کتبخانے

علمی زندگی کے لئے کتبخانون کا وجود ہمیشہ لازمی سمجھا گیا ہے، اسلئے کتبخانے جس کثرت سے مغرب مین ہین، مشرق مین بھی ہین، البتہ مغرب خصوصاً امریکہ نے انکے نظام و ترتیب وغیرہ مین جو جدتین پیدا کی ہین، انکے لحاظ سے وہ ایک عجیب وغریب چیز بن گئے ہین، "نئی دنیا" کی ہر چیز نئی ہوتی ہے ضرورت ہے کہ "پرانی دنیا" والے اس قسم کی اصلاحات اپنے ہان بھی رائج کرین،

کتبخانہ کا قدیم تخیل صرف اسقدر تھا کہ کتابون کا ذخیرہ ایک مقام پر فراہم کردیا جائے، اور لوگ وہان آکر اپنے حسب مذاق کتابون کا مطالعہ کرسکین، چنانچہ ہندوستان اور یورپ کے بیشتر کتبخانہ اسی اصول کے مطابق قائم ہین، لیکن امریکہ نے سرے سے یہ تخیل ہی بدلدیا، اور کتبخانہ کو ایک زندہ و متحرک دلفریب بستی بنادیا، جو پبلک کو خود اپنے اوپر مائل و گرویدہ کرے،

امریکی کتبخانہ کی پہلی خصوصیت اسکی ظاہری دلفریبی ہوتی ہے، بجائے تنگ و غلیظ گلیون مین ایک تیرہ و تار حجرہ کے اسکی عمارت نہایت پرفضا و خوش منظر ہوتی ہے کہ انسان کو خود بخود تفریح حاصل ہوسکے، کمرے نہایت وسیع، روشن اور ہوادار ہوتے ہین، جو پھول پتیون، شاداب گملون اور خوشنما و آرام دہ فرنیچر سے آراستہ ہوتے ہین، جہان گھنٹون بیٹھکر بھی طبیعت نہین گھبرا سکتی، چھت طلائی میناکاریون سے منقش ہوتی ہے، چارون طرف برقی لیمپ جگمگاتے ہوتے ہین اور زمین پر نرم و دبیز قالینون کا فرش ہوتا ہے جس سے چلنے والون کی آواز مطلق نہین سنائی دیتی، اور کمرہ مین باوجود آمد و رفت کے بالکل سکون قائم رہتا ہے۔

عام کتبخانون مین کتابین بہ احتیاط تمام الماریون کے اندر مقفل رہتی ہین، اور شائقین کی دسترس ان تک عملہ کتبخانہ کی وساطت سے کافی زحمت انتظار کے بعد ہی ہوسکتی ہے، لیکن امریکہ مین جمہوریت کا یہ اثر ہے کہ کتابین الماریون پر بالکل کھلی ہوئی حالت مین رہتی ہین، جسے جو کتاب پسند ہو بے تکلف فوراً اٹھا سکتا ہے، اسمین نہ کسی اہلکار کتبخانہ کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے نہ اجازت کی،

عمارت کتبخانہ کے وسط مین ایک بڑا کمرہ عام دارالمطالعہ (جنرل ریڈنگ روم) کے نام سے موسوم ہوتا ہے، جسمین ہر قسم کا متفرق لٹریچر موجود رہتا ہے، لغت، قاموس، تاریخ جغرافیہ، افسانہ، شاعری، فلسفہ، سائنس جملہ علوم و فنون سے متعلق عام فہم کتابون کا ذخیرہ یہان ملسکتا ہے، اسکے اطراف مین متعدد کمرے مختلف شعبون کے ساتھ مخصوص ہوتے ہین، مثلاً ایک دارالاخبارات ہوتا ہے، جسمین تمام روزانہ و ہفتہ وار اخبارات فراہم رہتے ہین، دوسرا دارالرسائل ہوتا ہے جسمین ماہوار و سہ ماہی رسالے یکجا ملتے ہین، ایک کمرہ مین صرف موسیقی کے متعلق لٹریچر اور آلات ہوتے ہین، ایک کمرہ نوادر اشیار کے لئے مخصوص ہوتا ہے، وقس علی ہذ سب سے کنارہ پر بعض کمرے محض محققین فن کے لئے مختص ہوتے ہین جو کسی علم سے متعلق تلاش مواد کرکے اس پر تصنیف و تالیف کرنا چاہتے ہین،

ان کتبخانون کی ایک دلچسپ خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ ان مین ایک حصہ بچون کیلئے ضرور مخصوص ہوتا ہے جسکی نگرانی عموماً عورتون کے ہاتھ مین ہوتی ہے یہ کمرے رنگین نقشون مرقعون اور تصویرون سے مزین ہوتے ہین، ایک طرف تعلیمی کھلونے رکھے ہوتے ہین، اور دلچسپ کہانیا کی کتابین خاص بچون کے مذاق کی موجود ہوتی ہین، اس صیغہ کے اہلکارون کا یہ بھی فرض ہوتا ہے بچون کو کہانیان سنایا کرین، اور ایسی کہانیان جن سے انکی عقلی و اخلاقی تربیت ہوتی رہے -

کتبخانون کے کھلے رہنے کا وقت بھی ۱۴ گھنٹون سے کم نہین ہوتا، عموماً کتبخانہ ۸ بجے صبح سے ۱۰ بجے شب تک کھلے رہتے ہین، اور تعطیلات مین بھی بند نہین ہوتے، تاکہ ہر پیشہ اور طبقہ کے افراد پورا فائدہ اٹھا سکین، ان کتبخانون کے عہدہ دار خاص طور پر خوش اخلاق و خندہ رو ہوتے ہین، ناظرین کو مدد دینا اُنکے فرائض مین داخل ہے، کوئی اہلکار انکو فراہمی مواد مین ہاتھ بٹائیگا، اور کوئی تلاش کتب مین اعانت کرنے لگیگا،

ہر کتبخانہ مین ایک کمرہ معلومات عامہ کے لئے بھی مخصوص ہوتا ہے، اسمین ٹیلیفون لگا رہتا ہے اور جو لوگ خود کتبخانہ تک نہین آسکتے، وہ گھر بیٹھے اسکی خدمات سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہین، یہ کمرہ جس اہلکار کی نگرانی مین رہتا ہے اسکا فرض ہے کہ جو شخص ٹیلیفون کے ذریعہ سے جس قسم کی معلومات بھی حاصل کرنا چاہے وہ اسکے لئے مہیا کرے، فری پبلک لائبریری نیویارک نے حساب لگایا ہے کہ اسے سالانہ پانچ ہزار سوالات کے جواب بذریعہ ٹیلیفون دینا ہوتے ہین، اور یہ سوالات بھی عجیب عجیب قسم کے ہوتے ہین، ایک صاحب دریافت کرتے ہین کہ کوہ ہمالہ کی بلند ترین چوٹی کتنی ہے؟ دوسرے صاحب مستفسر ہوتے ہین کہ فلان لفظ کا املا کیا ہے؟ ایک اور صاحب پوچھتے ہونگے کہ ہندوستان کا سب سے بڑا دریا کون ہے؟ ایک صاحبہ یہ جاننا چاہتی ہین کہ عورتون کے متعلق انگریزی زبان مین کتنے رسالے اور کہان کہان سے شایع ہوتے ہین، وقس علی ہذا، کوئی دوسرا ہو تو گھبرا اٹھے لیکن ذمہ دار اہلکار کا فرض ہوتا ہے کہ حتی الامکان سب سوالات کا بکمال خندہ روئی جواب دے۔

ایک علحدہ کمرہ مین قلم، دوات، کاغذ، لفافہ وغیرہ خط و کتابت کا پورا سامان موجود رہتا ہے جس سے ناظرین بلا قیمت مستفید ہو سکتے ہین، البتہ اگر وہ اعلیٰ قسم کے لفافہ و کاغذ چاہین تو انکے لئے انہین مناسب قیمت دینا ہوگی، اسکے علاوہ مناسب معاوضہ دینے پر ٹائپ اور شارٹ ہینڈ سے کام لیا جا سکتا ہے، نیز کاغذات کا ترجمہ مختلف زبانون مین کیا جا سکتا ہے، گویا ہر لائبریری اپنے

ساتھ دفتر کا روائی امور متفرقہ بھی لطور ضمیمہ رکھتی ہے،

مغربی تمدن کی زندگی اشتہارات پر قائم ہے، اس آلہ سے مقاصد کتبخانہ کی نشر و اشاعت مین بھی پوری مدد ملجاتی ہے، وقتاً فوقتاً شہر مین اس قسم کے اشتہارات برابر چھپا ن ہوتے رہتے ہین جن سے پبلک مین کتب بینی کا مذاق پیدا ہو اور کتبخانہ کی سیر کی تشویق و ترغیب ہو،

جو لوگ اپنے گھرون مین کتابین دیکھنا چاہتے ہین، وہ ایک وقت مین ایک متعین تعداد مین کتابین لیجا سکتے ہین، اور اگر زیادہ عرصہ تک رکھنا چاہین تو دو پیسہ یا ایک آنہ روزانہ کے حساب سے انہین فیس دینا ہوتی ہے، یہ فیس بظاہر ہلکی ہوتی ہے، لیکن اس سے کتبخانون کی اچھی خاصی آمدنی ہوجاتی ہے، چنانچہ نیویارک پبلک لائبریری کی سالانہ آمدنی صرف اس مد سے تقریباً ۵۰ ہزار روپیہ ہوتی ہے،

ان سب کے علاوہ امریکہ نے ایک طریقہ "گشتی کتبخانون" کا نکالا ہے یعنی شہر کے بڑے بڑے کتبخانہ اپنے ہان کی چند سو یا چند ہزار کتابین انتخاب کرکے قصبات و دیہات مین بھیجتے رہتے ہین تاکہ دیہاتی آبادی بھی شہری آبادی سے پیچھے نہ رہے،

برٹش انڈیا (ہندوستان کے انگریزی علاقہ) مین ابھی وہ دن دور معلوم ہوتا ہے جب ان اصلاحات پر عمل ہو سکیگا، لیکن مقام مسرت ہے کہ ایک روشن خیال ہندوستانی والی ملک نے اپنے قلمرو مین ان پر عمل شروع کردیا ہے، ہز ہائنس مہاراجہ بڑودہ نے اپنے ہان جو کتبخانہ قائم کیا ہے، اسمین اسوقت، ۸ ہزار سے زاید کتابین موجود ہین، جنمین ۴۰ ہزار انگریزی زبان مین ہین اور باقی ۴۰ ہزار ہندوستان کی مختلف زبانون مین، اس کتبخانہ کا نظام ایک بڑی حد تک امریکی نظام کے مطابق ہے، بچون کا صیغہ، نوادر کتب کا صیغہ، یہ سب شعبے الگ الگ موجود ہین اور سنسکرت کا شعبہ سنا ہے کہ اپنی نوعیت مین بے نظیر ہے،

# روح، مادہ، اور ایتھر

پروفیسر سر آلیور لاج اسوقت انگلستان مین طبعیات کے شاید فاضل ترین استاد مین، یورپ کے علماے سائنس مین انکی عظمت وفضیلت مسلم ہے، اور عام حکیمانہ ناموری کے لحاظ سے آج مشاہیر فضلاے یورپ مین انکے ہمپایہ چند ہی افراد نکل سکتے ہین، پروفیسر موصوف ایک عرصۂ درازسے عالم روحانیات کے قائل ہین، اور اسکے متعلق انکی متعدد تصانیف شائع ہوچکی ہین،

عنوان بالا سے پروفیسر موصوف نے مشہور علمی سہ ماہی رسالہ ہبرٹ جرنل کے جنوری نمبر مین ایک مبسوط مضمون تحریر فرمایا ہے، جسمین خاص مادہ اور اثیر (ایتھر) کے باہمی تعلقات پر بیامعان نظر بحث کیگئی ہے، اور یہ دکھایا گیا ہے کہ "عالم ارواح" کے وجود کے تسلیم کرنے مین جو دشواریان نظر آتی ہین وہ اثیر کے وجود کے بعد ازخود رفع ہوجاتی ہین، مضمون کے آخری ٹکڑے کا ترجمہ حسب ذیل ہے،

"مجھے یقین کامل ہے کہ اثیر جس طرح اسوقت تک فن طبعیات مین ایک حد تک شامل ہوگیا ہے، اسی طرح آیندہ نسلون کا یہ کام ہوگا کہ اسے (ماوراے مادیات) فضیات کا بھی جز بنائین، اسوقت "روح" کا مفہوم صاف ومتعین ہوجائیگا، اسوقت اجسام غیر مادی کا تخیل مبہم، ناصاف وبے معنی نہ رہیگا، اسوقت روح کے نام سے جھجک مٹ جائیگی، اور اسوقت روح کا وجود بھی ایسا ہی حقیقی وغیر مشتبہ، واضح ومحسوس ہوجائیگا، جیسا اسوقت ذرات برقی کا ہے کرۂ ارض کے اجسام مادی اور اجسام اثیری (غیر مادی) یا ارواح کے درمیان باہمی فعل وانفعال کے جو طریقے ممکن ہین وہ اسوقت سمجھ مین آنے لگین گے، اس جدید علم کے ساتھ (بشرطیکہ اسے مناسب نشوونما کا موقع ملا) ایک جدید قوت ظہور مین آئیگی اور یہ جدید قوت

کام مین آگئی، حیات بشری کا مقصد، اور جو اسرار و مسائل اسکے ساتھ وابستہ ہین از خود حل ہوتے جائینگے، اسوقت یہ عجیب و غریب اعمال و افعال جنکی تحقیقات اسوقت تک صرف مختصر سے دائرون کے حلقون تک محدود و مختص ہے، اور جسکے نتائج آج اسقدر مستبعد سمجھے جاتے ہین کہ اکثرون کے نزدیک مضحکہ خیز ہین، سائنس کے مسلّمہ حقائق بن جائینگے، "رویاے صادقہ"، "کشف" و "اشراق" کے دعوی مستدل نظر آنے لگین گے، اسوقت ان محققین کا نام یقیناً ممنونیت کے ساتھ لیا جائیگا، جنھون نے گذشتہ صدیون مین اس صداقت کی شہادت دی تھی، اور اس اعلان حق کی راہ مین انہین ناواجب تحقیر و مضحکہ کا مقابلہ کرنا پڑا تھا، بالآخر ایک روز حقیقت کے چہرہ سے نقاب اٹھیگا، تعصبات و توہمات کے بادل چھٹ جائینگے، اور زندون اور مردون مین باہمی نامہ و پیام کا سلسلہ نوع انسانی کے حق مین آیۂ رحمت ثابت ہوکر رہیگا"

مضمون بالا کے ضمیمہ مین فاضل موصوف مادہ و ایثر کے باہمی تعلقات پر حسب ذیل رقم طراز ہین :-

"مادہ اور ایثر کے فروق اور باہمی تعلقات اکثر ناقابل فہم سمجھے جاتے ہین، مادہ وہ ہے جو حرکت کرتا ہے، حرکت اسکا خاصہ ہے، جس شے کو عضلات انسانی یا اسکے مماثل کوئی شے حرکت دے سکے، اسی کا نام مادہ ہے، مادہ کا علم حس عضلی سے ہوتا ہے جو شے لمس سے محسوس نہین ہوتی ہے، مثلاً آئینہ مین اپنا عکس، وہ غیر مادی ہے، لیکن بیشمار اشیاء ہمارے حس عضلی یا کسی حس کے بھی احاطہ مین نہین آتین، بااین ہمہ قطعی وجود حقیقی رکھتی ہین، ہمارے آلات حواس حیوانات سے ارثاً ہم مین منتقل ہوئے ہین اسلئے کہ وہ تنازع للبقا مین کارآمد ثابت ہوئے ہین، لیکن اسکے یہ معنی نہین کہ وہ معیار حقیقت ہین،

(یعنی نہین کی بنا پر کسی شے کے وجود وعدم کا فیصلہ کیا جاسکے) ایثر کا ہمین براہ راست کوئی حس نہین ہوتا، اسلئے اگر کوئی روحانی ہستی بجاے مادہ کے ایثر مین متشکل ہوکر آئے تو لامحالہ ہمارے حس براہ راست سے خارج رہیگی،

ایثر کا وجود کائنات روحانی مین نہین بلکہ مادی ہی مین ہے، تاہم وہ اغلباً ملاء کی طرح روحانی واسطہ کا کام دیتا ہے،،

ان خیالات کے نقل کرنے سے ان سے تمامتر اتفاق مقصود نہین، البتہ اتنا عرض کرنا شاید بیجا نہو کہ جس شخص کے قلم سے یہ خیالات ادا ہوئے ہین وہ اس قابل نہین کہ اسکے افادات کو بے توجہی کے ساتھ سرسری نظر سے دیکھکر ختم کردیا جاسے، سنجیدہ غور وفکر انکا فطری حق ہے،

## بالشویزم کا اثر علمی دنیا پر

بالشویزم نے سیاسی دنیا مین جو تہلکہ برپا کر رکھا ہے اسکا حال ہر شخص جانتا ہے، لیکن یہ کم لوگون کو معلوم ہوگا کہ اس تحریک کا طرز عمل علمی دنیا سے متعلق کیا ہے. پروفیسر روسٹوزیف پروفیسر پٹروگراڈ یونیورسٹی و ممبر رشین اکاڈیمی آف سائنس نے اس بحث پر ایک مضمون لکھا ہے جسکے جستہ جستہ مقامات ہم امریکہ کے تعلیمی رسالہ ایجوکیشنل ریویو کے صفحات سے نقل کرتے ہین، پروفیسر موصوف لکھتے ہین: ـ

"ایک سال سے زاید ہوگیا کہ روس کی عنان حکومت بالشویک گروہ کے ہاتھ مین ہے مین تقریباً اس سارے عرصہ مین روس ہی مین مقیم رہا ہون، اور غور و توجہ کے ساتھ انکے اعمال کا مطالعہ کرکے دیانت کے ساتھ اس تلاش مین لگا رہا ہون کہ انھون نے ذہنی اور مادی معلومات حیثیتون سے حزب جا اپنا نصب العین رکھا ہے، اسکے پہلو مین شاید کچھ

اجزاء تعمیری دریافت ہوسکین، لیکن مین اس تلاش مین ناکام رہا، انکے اعمال مین تعمیری حیثیت شائبہ تک مین نہ پاسکا، جدہر نظر اٹھا کر دیکھئے ہر طرف کھنڈر ہی کھنڈر دکھائی دینگے، معبدین کے تمدن کی یادگارین ایک ایک کرکے مٹتی جاتی ہین، اور روس کی حالت بالکل میدان جنگ کی ہورہی ہے، جہان ہر طرف نہب وغارت ہی کے مناظر نظر آتے ہین، بالشویک گروہ کے کارنامون مین کسی جدید تمدن کی داغ بیل پڑتی ہوئی ایک جگہ بھی مجھے نظر نہ آئی"۔۔۔۔۔

اسکے بعد مضمون نگار نے اپنے ملک مین صنعت وحرفت وغیرہ کی بربادی پر اشک فشانی کی ہے، آگے چلکر لکھتے ہین:-

"پیٹر اعظم کے زمانہ سے روس مین سائنٹفک حیثیت سے ممتاز ترین انجمن رشین اکاڈمی آف سائنس رہی ہے، روس مین سائنس کی تخم ریزی اسی نے کی، اور یونیورسٹیون کی مدد سے اسمین برگ وبار بھی اسی نے پیدا کئے، شروع شروع بالشویک بھی اس مرکز کمال پر ہاتھ ڈالتے ہوئے ہچکچاتے رہے، لیکن یہ ہچکچاہٹ صرف چند روزہ رہی، مین جب روس چھوڑ رہا ہون اسوقت اکاڈمی کی قسمت کا فیصلہ ہوچکا تھا، طے یہ پایا تھا کہ اکاڈمی "عام" کردیجائے، جسکے یہ معنی تھے کہ برباد کردیجائے، اور اسکے بجائے ایک جدید اکاڈمی قائم ہو، جسکی خصوصیت امتیازی یہ ہوگی کہ اسکی رکنیت صرف علماء سائنس تک محدود نہ رہیگی، بلکہ اسکے دروازے جمہور کے تمام نائبین کے لئے کھلے رہین گے، خواہ وہ کتنے ہی جاہل ہون اسکے نصاب سے "اصول قانون" اور "فلسفہ قدیمہ" کے مضامین خارج ہونگے، کہ انکی تحصیل بیہودہ ہے، اور بجائے انکے اس جمہوری بیت العلم مین کچھ جدید معاشری علوم داخل کئے جائینگے، جنکی تدوین کا شرف ان علماء جمہور کو حاصل ہوگا۔

یونیورسٹیون کا مستقبل بھی اس سے چندان مختلف نہین، قانون، اور فنون کے شعبہ

بالشویک نظام عمل سے خارج ہین، یونیورسٹیون کا نظام تمامتر جمہوریت کی بنیاد پر قائم ہوگا جسمین طلبہ تو ایک طرف اساتذہ تک کیلئے بھی کسی علمی سند کی ضرورت نہین، اس لحاظ سے یہ بالکل ممکن ہے کہ جمہور کی "علمی مجلس" کے جملہ ارکان علم و فن سے ناآشنائے محض ہون، پروفیسری کا عہدہ علمی قابلیت و استعداد کے بجاے محض کثرت آرا کی بنا پر ملیگا، یعنی اگر ایک جاہل مطلق کو ووٹ کافی تعداد مین ملجائین تو اسے اس فاضل اجل پر ترجیح ہوگی جسکے ووٹ کم ہون،

تمام علمی و تعلیمی مسائل کا فیصلہ نائبین ارکان کی مجلس کے ہاتھ مین ہوگا، بیس ارکان کی طرف سے ایک نائب منتخب ہوگا، نصف جماعت ان لوگون کی ہوگی اور باقی نصف تعداد اہل حرفہ و کاشتکارون کی انجمنون کے نائبون پر شامل ہوگی۔"

ان حالات کا نتیجہ بقول صاحب مضمون کے یہ ہوا ہے کہ ابتدائی تعلیم کا خاتمہ ہوتا جاتا ہے دیہاتی مدارس بند ہوتے جاتے ہین، شہر کے مدارس انحطاط پر ہین، اور یہ سب اسلئے کہ جمہوریت جدید کے ارباب حل و عقد تعلیمی مصارف کی منظوری دینے مین انکار کرتے ہین، اور یہی حال اعلےٰ تعلیم، کالجون اور یونیورسٹیون کا بھی ہے،

ملک کے مشہور مصنفون، ادیبون اور انشاپردازون کو فوج مین بھرتی ہونے کا حکم دیا جاتا ہے اور انکار پر سخت سے سخت سزا مین دیجاتی ہین، متعدد آزاد خیال جراید و رسائل بند ہوگئے ہین، اور کاپی رائٹ کے قانون کی منسوخی سے ارباب قلم کا ذریعۂ رزق جاتا رہا ہے،

اگر یہ حالات صحیح ہین تو ہندوستان کو بالشویزم کی اصلیت پہچاننے مین دہوکا نہ کہانا چاہیئے،

# جذباتِ رذیلہ

عنوان بالا سے کیمبرج میگزین مین ایک انگریز نے حال مین ایک مضمون لکھا تھا جسمین یہ
یا تھا کہ انکی اصلاح کے تین طریقہ ہین،

۱) جزا و سزا، یعنی جذباتِ عالیہ پر تحسین و آفرین اور خبیثہ پر تعزیر و تعزیر،
۲) انکی مضرتون کو گھٹا کر انکا رُخ مفید مقاصد کی طرف پھیر دینا اور اسمین لطافت و حسن کی آمیزش کر دینا،
۳) علمی ذرائع سے خواہشات نفسانی کا علاج کرنا،

ہندوستان کے نامور فلسفی، بابو بھگوان داس ایم، اے نے رسالہ تھیاسوفسٹ (جون نمبر)
، اس مسئلہ پر اظہار خیال کیا ہے، اور بتایا ہے کہ یہ طریقے بھی اگرچہ بجاے خود محمود و مستحسن ہین،
م حکماے مشرق کا تخیل اس سے بلند ہے، انکے نزدیک بغیر روحانیت کے امتزاج کے
ی اصلاح اخلاق ممکن نہین،

وہ لکھتے ہین کہ بدی سے بچنے اور نیکی کی طرف راغب ہونے کا اصل الاصول یہ ہے کہ
ان کو نیکی بدی کا صحیح علم ہو، جب علم صحیح و قطعی ہوگا تو لامحالہ ضبط نفس بھی پیدا ہوگا لیکن انعام
زا کا طریقہ صرف عوام کے لئے مفید ہو سکتا ہے، جو لوگ بلند سطح پر ہین اُنکے لئے بہتر
رت یہی ہے کہ اسکے قوی و جذبات کا رُخ مفید مقاصد کی جانب پھیر دیا جائے، مذہب نے
و خیرات، اور اپنے بانی کے ساتھ عشق و محبت کے جو طریقے بتائے ہین، وہ اسی اصول ثانی الذکر
مثالین ہین، رہا تیسرا طریقہ سو صوفیون کے ہان جو اعمال و ریاضات ہین، وہ سب اسی پر مبنی ہین،
اً حبس دم، یا ہندوون کا یوگ وغیرہ،

لیکن اُنکے نزدیک ان تمام طریقون سے بڑھ چڑھ کر اصلی علاج یہ ہے کہ بجاے افراد کی اصلاح کے

…و ہیئت اجتماعیہ کی اصلاح کیجائے، جب سوسائٹی کا اخلاقی قوام درست ہوگا لامحالہ افراد کا اخلاق
…ی درست ہوگا، اسلئے کہ

"فرد خواہ اسکا طرز زندگی کچھ بھی ہو، اپنے گرد و پیش کی سوسائٹی سے کسی حالت مین بھی غیر متاثر نہین رہ سکتا، مادی حیثیت سے فرد کی صحت و عدم صحت ہمیشہ جماعت کی صحت و عدم صحت کے تابع و متناسب ہوتی ہے، بعینہ یہی حال اسکی اخلاقی صحت کا بھی ہے، اور تو اور ایک سنیاسی (زاہد خلوت گزین) تک بھی گو دنیا سے ایک بڑی حد تک بے تعلق ہو جاتا ہے تاہم بالکل بے تعلق نہین ہو سکتا، تاوقتیکہ نفس کی آمد و شد اُسکے جسم مین باقی ہے"

مضمون نگار کا دعویٰ ہے کہ تمام مذاہب خصوصاً قدیم ہندو مذہب نے اسی اصول کو پیش نظر رکھکر بجاے افراد کے جماعات کی اصلاح کو اپنا مقصود رکھا ہے، تاکہ ایک ایسا مکمل و بے عیب نظام معاشرت قائم ہو جاے جسکے اجزاء کو غلط روی کا موقع ہی نہ ملے، ایک مشین اگر ہر طرح کامل ہے تو ممکن نہین کہ اسکا کوئی پرزہ بے راہہ روی اختیار کر سکے۔

# غالباً

ناظرین معارف اور شائقین سیرۃ نبوی یہ سنکر خوش ہونگے کہ سالہا سال کی جد و جہد کے بعد آخر ہم اس لائق ہوے کہ معارف پریس مین ایک لیتھو مشین کا اضافہ کرین، زمانہ کانپور کا مشین معارف پریس نے خرید لیا، ایک مہینہ ہوا کہ مشین آکر مرتب ہو گیا اور کام دینے لگا، چنانچہ معارف کا یہ نمبر بھی مشین پر چھپا ہے، سیرۃ النبیؐ جلد دوم کا کام جاری ہے، ہر قسم کے کاغذ جنکی مجموعی قیمت کم و بیش سات آٹھ ہزار ہے لکھنؤ، کلکتہ اور بمبئی سے آگئے، کاپیان تیار ہین، اس مہینہ سے اسکی چھپائی کا کام شروع ہو گیا، امید ہے کہ اس جلد کی ضخامت ... صفحہ کی ہوگی، اور آخر سال تک چھپکر مطبع سے نکلیگی، جلد اول کا دوسرا ایڈیشن جسکی تقطیع چھوٹی کر دیگئی ہے زیر کتابت ہے

# باب التقریظ والانتقاد

## رسائل چراغ علی

کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن مین جہان بہت سی نوادر و نایاب چیزین ہین، وہان ایک سب سے عجیب اور نادر چیز مولوی عبداللہ خان صاحب ہین، یہ ایک مدت سے یہان فروکش ہین اور ہمیشہ مشاغل علمی مین مصروف رہتے ہین، اور اسکے علاوہ دین و دنیا کی کسی چیز سے انکو تعلق نہین، جسطرح قدرت کبھی کبھی جسمانی عجائب المخلوقات کا تماشا دنیا کو دکہاتی ہے، اسی طرح دماغی عجائب المخلوقات کا تماشا بھی وہ گاہے گاہے دکہا دیتی ہے، ہمارے مولوی عبداللہ خانصاحب ہمین دماغی عجائب المخلوقات مین سے ہین، تعلیمی حیثیت سے وہ نہ کسی علم وفن سے واقف اور نہ کسی مشرقی یا مغربی زبان سے آگاہ، نہ اپنے ہاتھ سے لکھنے پر قادر، لیکن از روے حقیقت وہ اکثر علم وفن سے آشنا، اور فارسی وعربی وغیرہ زبانون سے خبردار، اور تواریخ و رجال اور نوادر کتب ومطبوعات سے کامل مطلع،

نگار ما کہ بمکتب نرفت وخط ننوشت

بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

یہ ایک جملہ بیانیہ تھا، اصل مین لکھنا یہ ہے کہ ان مولوی عبداللہ صاحب کو چند سال سے ادہر توجہ ہوئی ہے کہ نادر کتابون کو چھاپکر شائع کیا جائے، چنانچہ اس سے پہلے وہ گلشن ہند مرزا لطف، مآثر الکرام و سرو آزاد علامۂ آزاد بلگرامی، اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام، وتحقیق الجہاد مصنفہ مولوی چراغ علی مرحوم، و ترجمہ ابن خلکان اردو چھاپکر شائع کر چکے ہین، سب سے آخری کتاب جو انھون نے چھاپی ہے وہ رسائل چراغ علی ہے،

مولوی چراغ علی مرحوم کو خلافیات ما بین الاسلام والنصرانیہ مین جسقدر عبور کامل تھا وہ مخفی نہین،

غدر کے قرب وپیش زمانہ مین ہندوستان اسلام ونصرانیت کا رزمگاہ بنا ہوا تھا، مشنری سمجھتے تھے کہ ہندوستان کی اسلامی حکومت کی طرح ہندوستان کے اسلامی مذہب کو بھی فتح کرلینا نہایت آسان ہے، لیکن تھوڑے ہی دنون کے بعد یہ معلوم ہوگیا کہ لارڈ کلائیو اور پادری فنڈر کے میدانون مین بہت بڑا فرق ہے،

غرض اس ضرورت سے علماے اسلام کو ردِ نصاریٰ کی طرف توجہ ہوئی، اور مولوی رحمة اللہ صاحب کیرانوی، ڈاکٹر وزیر خان اکبرآبادی، مولوی سید آل حسن صاحب موہانی اور آخر مین مولوی سید محمد علی صاحب سابق ناظم ندوة العلماء نے اس میدان مین کارہاے نمایان انجام دیے ہین،

مولوی چراغ علی مرحوم اور سرسید احمد خان نے اس فن مین دوسرا راستہ اختیار کیا، پہلے بزرگون کا قاعدہ یہ تھا کہ وہ الزامی جواب دیتے تھے، یعنی مسیحی جو اعتراض اسلام پر کرتے تھے وہ اسی طرح کی بلکہ وہی باتین تورات وانجیل سے نکال کر دکھا دیتے تھے، مولوی چراغ علی صاحب اور سرسید نے جو راستہ اختیار کیا اسکا نام انکے دوستون نے "تحقیقی" رکھا ہے، یعنی اسلام کے جس مسئلہ پر مخالف نے اعتراض کیا انھون نے الٹے سیدھے ہر طریقہ سے یہ ثابت کرنا چاہا کہ یہ مسئلہ اسلام مین نہین بلکہ مولویون کی کتابون مین ہے، اسلئے یہ اعتراض درحقیقت مولویون کی کتابون پر ہے، نفس اسلام پر نہین،

مثالاً یون لیجیے کہ عیسائیون نے غلامی اور تعدد ازدواج وغیرہ مسائل پر اعتراض کیا، اس عہد کے عام مناظر علما نے یہ کیا کہ تورات وانجیل کے حوالون سے یہ ثابت کردیا کہ یہ باتین تمہارے مذہب مین بھی ہین، اور ان مین کوئی برائی نہین، گذشتہ انبیا کی شریعتون مین یہ چیزین جائز تھین، مولوی چراغ علی اور انکے اتباع نے یہ ثابت کیا کہ نفس غلامی اور تعدد ازدواج اسلام مین جائز ہی نہین، یہ مسائل مولویون کے ذاتی اجتہادات اور رائین ہین، اس طریقۂ مناظرہ سے جو نقصانات پیدا ہوے وہ نہایت اہم ہین، ایک یہ کہ لوگون کو اسلام کے مسائل پر اعتماد نہ رہا کہ

آیا جو کچھ ہم نے پڑھا اور سنا ہے وہ صحیح ہے یا نہین، چنانچہ اُسکے آثار اب تک صوبہ پنجاب مین باقی ہین، جہان مذہب اور فرقہ اس طرح اُگتا ہے جیسے برسات مین حشرات الارض،

دوسری بات یہ ہوئی کہ چونکہ عموماً یہ باتین کھینچ تان کر عبارتون کے مطالب کو الٹ پلٹ کر اور سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنا کر کہی جاتی تھین اسلئے لوگون پر انکی کمزوری ظاہر ہو جاتی تھی، اور وہ غلطی سے ان کمزوریون کو بجاے ان مصنفین کے اصل اسلام کی طرف منسوب کرنے لگے،

اور میری راے مین جو ابدہی کا جو طریقہ ہمارے ان مناظرون نے اختیار کیا تھا، گو مولانا حالی حیات جاوید مین اُسکو کسیقدر سراہین اور اسکا نام "تحقیق" سے بھی بلند تر کوئی حقیقت رکھین لیکن بحقیقت وہ ایک قسم کا اعتراف شکست تھا،

تیسری بات یہ ہے کہ چونکہ یہ لوگ یورپین تمدن سے مرعوب ہو گئے تھے اور دل ہی دل مین اسکی خوبی کو محسوس کرتے تھے، اسلئے نیک نیتی سے وہ چاہتے تھے کہ یہ باتین ہمارے مذہب مین بھی رائج ہو جائین، اور سرسید کا یہ فقرہ انکی دلی عقیدت پر مبنی تھا، کہ "ہم اپنی قوم کی ترقی کا وہ دن سمجھین گے جس دن وہ مذہب کے سوا ہر چیز مین انگریز ہو جائین گے" لیکن اب ہمارے نوجوان فیصلہ کرسکتے ہین کہ قوم کی قومیت کے عناصر کیا ہین؟ اور عناصر قومیت کے کون وفساد کے بعد اصل قومیت کا وجود کہانتک باقی رہ سکتا ہے؟

مولوی چراغ علی مرحوم کا جو طریقۂ تحقیق ہے اور جس طرح وہ اپنے مطلب کی بات گمنام گوشون سے اور دور از قیاس مقامات سے نکال لیتے ہین، وہ حقیقت مین قابل داد ہے اور اسکی تعریف نکرنا ستم بر جان سخن ہے، اور اپنے مطلب کے لئے سنی شیعہ کی تمام کتابون کو کھنگال ڈالتے ہین، اور جہان سے اور جس فقرہ سے اور جس تاویل سے بھی ممکن ہو اپنا مقصود ثابت کر لے جاتے ہین، ایک عام اصول انکی طرز تحقیق کا یہ ہے کہ جو حدیث یا روایت اپنے مقصود کے خلاف ہو،

گو وہ بخاری ہی کی کیون نہو اسکو مجروح وضعیف ثابت کرنے مین ہر قسم کی کوشش کر ڈالتے ہین، اور ضعیف سے ضعیف حدیث یا روایت جو اُنکے مقصود کے موافق ہو بغیر ادنی جرح کے وہ اُسپر سے گذر جاتے ہین اور اسمین کسی قسم کا کلام نہین کرتے اور بجائے اصل سلسلۂ روایت پر گفتگو کرنیکے وہ حدیث جس کتاب کے اندر ہے اس کتاب کے مصنف کی ثقاہت وشہرت کا ذکر کرکے لوگون کو مغالطہ مین ڈالتے ہین، حالانکہ سبکو معلوم ہے کہ شیخین کے علاوہ بڑے بڑے محدثین ہر قسم کی حدیثین اپنی کتابون مین لاتے ہین، بعض لوگ ان حدیثون کی حالت وحیثیت بھی بیان کردیتے ہین، اور بعض نقد وبحث سے گریز کرتے ہین، اور اسکو طلبہ اور علماء کیلیے چھوڑ دیتے ہین،

**رسائل چراغ علی** جو عنوان سخن ہے، چار رسالون کا مجموعہ ہے،

**رسالۂ اوّل** تہذیب الکلام فی حقیقۃ الاسلام

**رسالۂ دوم** مجموعۂ روایات استرقاق وتسری،

**رسالۂ سوم** تدبیر الاسلام فی تحریر الامۃ والغلام

**رسالۂ چہارم** تحقیق مسئلۂ تعدد ازدواجات،

یہ رسائل اس سے پہلے نہین چھپے تھے، مولوی عبد اللہ خان صاحب کو خوش قسمتی سے اُنکے مسودات مرحوم کے خاندان سے ہاتھ لگ گئے تھے، ان مسودون مین کل چھوٹے بڑے دو ہم رسالے برآمد ہوے، جنمین سے یہ چار رسالے ہین، یہ چارون رسالے مرحوم نے حیدرآباد جانے سے پہلے اسوقت لکھے تھے جب وہ اودھ مین گورنمنٹ کے ملازم تھے، کچھ رسالے سیتاپور کے زمانۂ قیام مین لکھے تھے،

یہ چارون رسالے جو اسوقت چھپی ہوئی صورت مین ہین، جامع رسائل یعنی مولوی عبد اللہ نے اسی تودہ کلان سے اٹھا کر ملک کے سامنے رکھے ہین، انکا بیان ہے کہ یہ رسالے کسیقدر غیر مرتب

حالت مین تھے، کتابون کے نام لکھے تھے لیکن صفحات کے حوالے نہین تھے، جامع نے محنت اٹھاکر انکے حوالے نکالے. جابجا کچھ حواشی چڑھائے، رسالون کی ترتیب درست کی اور پھر چھاپکر انکو شایع کیا،

پہلا رسالہ مولوی سید محمد عسکری صاحب مرحوم کی کتاب "حقیقۃ الاسلام" اور مولوی محمد علی صاحب بچھرایونی مرحوم کی کتاب "رد الشقاق فی جواز الاسترقاق" کے جواب مین ہے جنکو ان دو بزرگون نے سرسید کے رسالہ "تبریۃ الاسلام عن شین الامۃ والغلام" کی تردید مین لکھا ہے، یہ رسالہ مرحوم نے سیتاپور مین سنہ ۱۸۷۶ء مین لکھا تھا،

دوسرا رسالہ بھی مرحوم نے سیتاپور ہی مین جبکہ اسی سنہ ۱۸۷۹ء مین لکھا تھا، اس رسالہ مین مصنف نے استرقاق وتسری یعنی لونڈی غلام بنانیکے متعلق جسقدر روایتین اسلام مین ہین اور مصنف کو ملی ہین، ان سبکو یکجا کرکے ان پر گفتگو کی ہے اور جو ان مین خلاف مقصود ہین انکی تضعیف کی ہے اور جنکو وہ اپنے موافق سمجھتے ہین انکی توثیق کی ہے،

تیسرا رسالہ بھی اسی غلامی کے مسئلہ پر مولوی محمد علی صاحب بچھرایونی کے ایک مضمون مندرجہ رسالہ "[illegible]" کا پنوا (جو سرسید کی مخالفت مین نکلتا تھا) کی تردید مین ہے، یہ رسالہ مرحوم نے لکھنؤ مین سنہ ۱۲۹۰ھ مین لکھا تھا، آخری رسالہ تعدد ازدواج کے جواز وعدم جواز پر ہے، اور اسمین مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ایڈیٹر اشاعۃ السنہ کے ایک مضمون متعلق نکاح وطلاق کی تنقید کی ہے۔

ان چار رسالون کے علاوہ تہذیب الکلام سے ملحق ایک رسالہ ضمیمۂ تہذیب الکلام ہے جسکو مولوی عبد اللہ خانصاحب نے خود تالیف کیا ہے. اس رسالہ مین ذمیون کے ساتھ جزیہ واداے جزیہ وطریقہ اداے جزیہ مین اسلام نے جو سہولتین رکھی ہین انکو بیان کیا ہے اور فقہا کی

[redacted]



تصریحات سے اصل مطلب کو ثابت کیا ہے، اور ذمیون کی تحقیر کی نسبت بعض فقہار نے آیت وھم صاغرون کے غلط معنی سمجھکر اداے جزیہ کا جو طریقہ لکھا ہے، اسکو نہایت عمدہ دلائل سے رد کیا ہے،

اگرچہ مولانا شبلی مرحوم نے حقوق الذمیین مین جو کچھ لکھدیا ہے اسکے بعد بظاہر اس موضوع پر کسی کو قلم اٹھانیکی ضرورت نہ تھی، لیکن مولوی عبد اللہ خان نے بحیثیت جامع کے یہ لائق تعریف کام کیا کہ ان مضامین کی جو عبارتین فقہار کے کلام مین ملین انکو سلیقہ سے مع ترجمہ کے یکجا کردیا، گو اصل موضوع پر کوئی نیا اضافہ اس سے نہین ہوتا،

مولوی چراغ علی مرحوم کے اصل رسائل مین جنمین سے تین مسئلہ غلامی کے متعلق ہین انکا اصول بحث وہی ہے جسکی تفصیل اوپر ہو چکی ہے، یعنی صحیح وقوی روایات کی تضعیف اور ضعیف روایات کی توثیق وتقویت، آیات کی تفسیر مین محاورات عرب کی عدم مراعات، منع استرقاق کے ثبوت مین غزوات وسیرت کے ان واقعات سے استدلال کیا ہے جنمین یہ مذکور ہے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے غلامون کو آزاد فرمایا ہے، حالانکہ اس مسئلہ مین کہ غلامون کی آزادی جائز بلکہ مناسب بلکہ یہ بڑے ثواب کا کام ہے، کسی کو اختلاف نہین ثبوت تو اس کا بہم پہنچانا چاہیئے، کہ غلام بنانا اسلام نے جائز کیا ہے، یا آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے کسی فعل سے اسکا عدم جواز ثابت ہوتا ہے، اس لئے دعوی اور دلیل مین کوئی مطابقت نہین،

بالفعل ہم اس بحث سے قطع نظر کرتے ہین کہ جن روایات سے انھون نے استدلال کیا ہے وہ محدثانہ حیثیت سے کہانتک ثابت ہین، محدثانہ حیثیت کے واضح کرنیکی ضرورت اسلئے ہوئی کہ ابھی رسائل ... موئد ... جواز استرقاق کی صحیح ... کردہ روایات کو اس بنا پر مصنف نے رد کردیا ہے

تو وہ صحیح ہین تاہم روایات احاد ہین، جو مفید یقین نہین، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگون کو اصول حدیث کی مراعات مین کسقدر احتیاط ہے، اس بنا پر ضعیف احادیث مین روایات احاد منقطعات ومراسیل وغیرہ سے کمال درجہ احتراز واجتناب ہوگا لیکن افسوس کہ ایسا نہین ہے ۔

منع جواز کے ثبوت مین جن احادیث سے کام لیا ہے وہ دو قسم کی حدیثین ہین، ایک تو وہ جنمین یہ مذکور ہے کہ آنحضرت صلعم نے غلامون اور لونڈیون کو آزاد فرمایا اور انکے ساتھ نیکی کا حکم فرمایا جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا، ان واقعات سے عدم جواز پر استدلال نہین ہوسکتا، بلکہ اس بات پر ہوسکتا ہے کہ انکو آزاد کرنا جائز ہے، اور انکے ساتھ نیکی کرنا ضروری ہے، اگر نفس استرقاق قطعی ممنوع ہوتا تو جس پیغمبر نے علی الاعلان اپنے قول وعمل سے تمام خبائث وسیئات کو بحکم خدا حرام کردیا وہ اس فعل شنیع کی نسبت کیون مصرح حکم عدم جواز نہ دے سکا، اگر یہ کہا جائے جیسا کہ اکثر کہا گیا ہے کہ چونکہ اہل عرب اس فعل شنیع سے بہت مالوف تھے اور انکے رشتے ناتے تھے، اسلئے یک دفعۃً اسکی حرمت کا اعلان نہین کیا جا سکتا تھا، اسکے جواب مین کہا جا سکتا ہے کہ اسلام نے اپنی زندگی مین ان تمام افعال شنیعہ کی جن سے اہل عرب مالوف تھے کیا بتدریج انکی حرمت کا صریح اعلان نہین کردیا، شراب وقمار سے زیادہ الفت انکو مسئلۂ غلامی سے نہ تھی تاہم وہ بھی بتدریج حرام ہی ہوگئی ۔

جن ناجائز وغیر صحیح رشتے ناتے کا عرب مین رواج تھا کیا اسلام نے علی الاعلان انکی حرمت آشکارا نہین کردی، اور اسکا انتظار نہین کیا کہ تیرہ سو برس کے بعد ایک شخص ہندوستان مین پیدا ہو اور اسکی زبان سے انکی حرمت کا اعلان کرایا جائے ،

دوسری حدیثین وہ ہین جنمین بعض صحیح بعض غیر صحیح ہین، لیکن اس سے قطع نظر مصنف نے

انکا مطلب غلط سمجھا ہے یا غلط سمجھانے کی کوشش کی ہے، منجملہ انکے ایک حدیث ہی جسکو دارقطنی سے مصنف نے نقل کیا ہے، کہ حضرت زید بن ارقم صحابی کی ام ولد (وہ لونڈی جسکو بچہ ہوجانے کے سبب سے بیوی کے کچھ حقوق دیئے گئے ہوں) حضرت عائشہ کی خدمت مین آئی اور عرض کی کہ مین نے زید بن ارقم کے ہاتھ ۸۰۰ مین ایک غلام اُدہار بیچا پھر ۶۰۰ مین نقد دیکر خرید لیا، حضرت عائشہ نے فرمایا کہ تم نے بُری خرید و فروخت کی، اور زید سے میرا یہ پیام کہدینا کہ اگر وہ توبہ نہ کرلین تو ان کو آنحضرت صلعم کے ساتھ جہاد کا جو ثواب ملا تھا وہ جاتا رہا" مصنف نے اس حدیث کی صحت کے ثبوت مین بجاے اسکے کہ سلسلۂ اسناد سے اسکی صحت ثابت کرتا، اس نے اسطرح ثابت کیا ہے کہ "دارقطنی کی حدیث ہے، اور دارقطنی ایسے امام تھے اور ایسے محدث تھے اور ایسے ثقہ تھے" کیا یہی محدثانہ اصول تنقید ہے؟ اگر یہی اصول ہے تو امام بخاری کی حدیث جسکو روایات احاد کہکر ٹالدیا جاتا ہے، اس اصول کی بنا پر صحیح ترین حدیث ہوگی، کیونکہ بہرحال امام بخاری کا مرتبہ دارقطنی سے زیادہ ہے، مصنف کو اگر یہ معلوم ہوتا کہ یہ حدیث امام ابن حنبل نے مسند مین بھی نقل کی ہے، تو شاید اس اصول موضوعہ کے مطابق اپنے استدلال کو اور زیادہ پرزور کرسکتے تھے۔

افسوس کہ حدیث کا وہ مطلب نہین جو مصنف نے سمجھا ہے کہ حضرت عائشہ نے اسلئے حضرت زید بن ارقم کو تہدید کی کہ انھون نے لونڈی کی خرید و فروخت کا معاملہ کیا، بلکہ اصل واقعہ یہ کہ چونکہ کسی شے کی بیع اول کی قیمت جب تک نقد نہ وصول ہوجائے اسکی بیع ثانی درست نہین اسکا شبہہ رہا ہے، اسلئے حضرت عائشہ نے اسقدر تہدید فرمائی، اگر مصنف مرحوم نے ذرا غور کیا ہوتا تو انکی اس پیش کردہ روایت کا پہلا ہی لفظ وہ خود جسکو صحیح سمجھتے ہین انکے دعوی کی تردید کے لئے کافی تھا، روایت کا آغاز یہ ہے کہ "زید بن ارقم کی اُم ولد نے کہا" اگر جاریہ سے استمتاع ممنوع (ہوتا)

ہوتا تو ام ولد کی نئی مخلوق کیونکر عالم وجود مین آتی، یہ کتنا ممکن ہے کہ یہ آیت فدائہ کے پہلے سے ہوگی لیکن اسکا بار ثبوت مدعی پر ہے،

اسی طرح صفحہ ۱۰۹ کی حدیث ششم و ہفتم کا مطلب بھی صحیح نہین سمجھا گیا، اگر مصنف کی تاویلات کو مان بھی لین تو اسکا نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ یہ ثابت ہو جائیگا کہ جو جواری ابھی بحالت قید ہون اور مالک کا منشا، انکے فروخت کر دینے کا ہو، اُنسے مقاربت جائز نہین،

ناظرین یہ نہ سمجھین کہ ہم اسلام کی طرف سے غلامی کی اس قبیح رسم کی حمایت کر رہے ہین جسکے مسیحی بردہ فروش یورپ اور امریکا مین مرتکب ہو رہے تھے، ہمارے نزدیک تواتر دی احادیث صحاح اگر مالک غلام کو گالی دے یا اسکے تھپڑ مارے تو آقا پر فرض ہو جائیگا کہ فوراً اسکو خدا کی راہ مین آزاد کر دے، اور نہ ہم اس حرمسرا کی ہزارون قیدیون کی جمہرمت کو جائز سمجھتے ہین، جکا کتاب و سنت سے کہین جواز نہین ثابت ہوتا، اور جو علانیہ مسافحت ہے، جسکی قرآن پاک نے ممانعت کی ہے۔

برطانیہ نے نیک نیتی سے یا اسلئے کہ اسپین کے مقابلہ مین، وہ امریکہ کے میدان مین کامیاب نہین ہو سکتا تھا جب تک وہ غلامی کا قطعاً انسداد نہ کر دے ایک اچھا کام انجام دیا لیکن اسکے یہ معنی نہین ہین کہ وہ شریعت الٰہی کے مطابق ہے، اور اگر نہین ہے تو کھینچ تان کر شریعت الٰہی کو اسکے مطابق کیا جائے۔

وہ غلامی جو یہودیون مین مروج تھی، وہ غلامی جو عیسائیون مین تھی، وہ غلامی جو یونانیون اور رومیون مین تھی، وہ غلامی جو یورپ کے ملکون مین تھی یقیناً حرام ونا جائز ہے، لیکن قیدیان جنگ کا وہ طریقہ آزادی جسکی محدود وبندش کو اسلام نے جائز قرار دیا ہے اور اس زمانہ بندش یا تحدید اختیارات مین آقا کے کام کو انجام دینا انصاف کے خلاف نہین ہے، اسلام مین لفظ "غلامی"

لفظ غلام (عبد) اور لفظ لونڈی (امتہ) کا استعمال بھی ناجائز ہے، اور اُنکے حقوق و مراعات کی اگر تفصیل کیجاے جو اسلام نے اُنکو بخشی ہے تو ایک رسالہ ہوجاے،

اصل یہ ہے کہ معاشرت و تمدن اور رسوم و رواج کے متعلق جسقدر انسانی فیصلے ہین وہ اسلئے معو د لاطائل ہین کہ وہ تمامتر قوم غالب کے رسوم و رواج و تمدن کے ماتحت ہین، جب مسلمان دنیا مین قوم غالب تھے اُنکے رسوم و رواج اور معاشرت و تمدن کے طریق تمام غیر قومون کے نزدیک قابل تقلید سمجھے جاتے تھے، اور غیر قومین اُنکے مصالح و حکم پر گفتگو کرتی تھین، اسپین، اٹلی، اور ہندوستان مین نقاب پوشی فخریہ اختیار کیجاتی تھی، ڈاڑہی بڑہانا داب معاشرت تھا، اور اسپر علمی دلائل پیش کئے جاتے تھے، نکاح و طلاق و غلامی کے مسائل مین ان سے سند لیجاتی تھی، اور چپکے چپکے اُن پر عمل کیا جاتا تھا، آج جب دوسری قوم غالب میدان مین ہے تو اُسکے صحیح و غلط اور اچھے و بُرے ہر قسم کے اصول و رسوم و طرق معاشرت و تمدن مایۂ صد فخر او رسزاوار صد حکمت ہین، عورتون کی آزادی، داڑہی کی صفائی بلکہ اب مونچھون کی بھی، تعریف و مدح کی بات ہے، حالانکہ اسکا شدید سے شدید حامی بھی کوئی تسکین بخش دلیل اسکی پیش نہین کرسکتا، اصل بات یہ ہے کہ قوم غالب کے اثرات نفس پر اسقدر محیط اور مستولی ہوجاتے ہین کہ قومون کے نفسانی خصوصیات وجذبات و ذوق سب بدل جاتے ہین، اب وہ اُنہین کی آنکھون سے ہر چیز کو دیکھتے ہین اور اُنہین کے کانون سے ہر بات کو سنتے ہین، پھر اس قوم غالب کے بجاے جب دوسری قوت فاتح آتی ہے تو پہلی قوم کا نشہ اُترجاتا ہے، اور دوسری قوم کا تمدن اُنمین سرایت کرنے لگتا ہے، اور اب وہی دل پسند ہونے لگتا ہے، حالانکہ ان دونون کے اصول تمدن و طرق معاشرت مین وہی فرق ہوتا ہے جو نور و ظلمت اور آسمان و زمین مین ہے،

لیکن اسلام ایک ایسی بوقلمون قومیت اور نیرنگ معاشرت اور شعبدۂ رسوم و رواج نہین ہے

وہ خالق قوی ہستی کی غیر متغیر قوت کا مظہر و جلوہ ہی، فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا، لا تبدیل لخلق اللہ،

مانعین غلامی جنمین سے ایک مصنف مرحوم بھی ہین، اپنے مقصد کے اظہار کا بالکل غلط طریقہ اختیار کیا اور یہ وہی طریقہ ہے جسکی سر سید نے رسالۂ ابطال غلامی مین پیروی کی ہے انکو بظاہر اسلام وغیر اسلام مین لفظ "غلامی" کے مشترک استعمال سے دہوکا نہ کہانا چاہیئے تہا، انکو اسلام کی اور غیر اسلام کی غلامی مین فرق دکہانا چاہیئے تہا، اور بتانا چاہیئے تہا کہ جسکو تم غلامی کہتے ہو حقیقت مین اسلام اسکو ناجائز کہتا ہے، اور جسکو اسلام جائز کہتا ہے (ضرورۃً نہین) وہ غلامی نہین وہ انسانی غمخواری و ہمدردی ہے

اسلام سے پہلے غلام اپنے آقاؤن کی جائداد تہے، جنکی زندگی ہر حیثیت سے اسلئے تہی کہ وہ بیلون کی طرح انکے کہیت مین ہل چلائین، جانورون کی طرح انکے مکان کے لئے اینٹ اور مٹی ڈہوئین، قیدیون کی طرح وہ تنگ کوٹہریون مین بند رہین،

یورپ غلامی کی شریعت کا ناسخ ہے، لیکن آج محکمون مین، کچہریون، فوجی کیمپون مین، کارخانون مین، ملون مین، دوکانون مین بدقسمت کام کرنیوالون کی جو کثیر التعداد بہیڑ نظر آتی ہے اور جو چند پیسون یا روپیون کے لئے وہ جس طرح شب و روز کام مین اپنی جان و صحت اپنے آقاؤن کی خوشنودی کے لئے قربان کر رہے ہین کیا یہ غلامی کے مفہوم سے کوئی الگ حقیقت ہے کیا گذشتہ زمانون مین غلامون کا کام یہی نہ تہا اگر یہ حقیقی غلامی نہوتی تو یورپ مین تمدن مین بالشوزم، سوشلزم، انارکزم اور اسٹرائک کا گہن نہ لگ جاتا،

اس جنگ عظیم مین جو دنیا کی متمدن قومون کا معرکہ گاہ تہی باہم مخالف قومون نے قیدیون کے ساتھ وہ کونسا غلامی کا سلوک تہا جسکو انکے ساتھ نہین برتا، کیا ان سے ہل نہین چلوائے گئے، کانین نہین کہدوائی گئین، خندقین نہین بنوائی گئین، کہانے کم نہین دیئے گئے، خدمتگذاری کی سختیان

انکے ساتھ ہنین کی گئین، اور ان سب کا معاوضہ ایک قلیل المقدار بدہضم غذا اور ایک فرسودہ اور کہنہ ستر پوش کپڑا تھا، کیا یہ غلامی نہین ہے؟ دوران جنگ مین وہ کونسی بدکاری تھی جو عمل مین نہین آئی، عورتون کے ساتھ اور خود عورتون نے مجبوراً کیا کیا افعال نہین کئے، اخبارات مین شاید تم نے فوجی شوہرون اور بیویون کی حیاکش داستانین بکثرت پڑہی ہونگی، اور متمدن ترین ممالک کے سنجیدہ ترین اشخاص جنکا نام جج ہے، آجکل طلاق و خلع و واقعات آبروریزی و شکوک و شبہات ازدواج و ترک تعلقات و فرار و آبادی بازاری کے مقدمات اس کثرت سے ان سنجیدہ بزرگون کے سامنے ہین کہ وہ علانیہ اپنی شدید ترین مصروفیت کا اخبارون مین اعلان کرتے ہین،

اگر اسلام نے ان مواقع کا علاج مسئلۂ استرقاق (قیدی کو اپنی خدمتگذاری مین لینا اور تسری (قیدی عورت کو اپنی زوجیت مین قبول کرنا) سے کرتا ہے تو کیا برا ہے،

سرسید مرحوم اور مولوی چراغ علی مرحوم دونون کو قرآن پاک کی اس آیت سے اشتباہ ہوا ہے اور یہی انکے ترکش کا سب سے بے خطا تیر ہے،

فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَاءً — لڑائی کے بعد قیدیون کو احسان دہرکر لینی مفت چھوڑدو یا زر فدیہ لیکر،

ان بزرگون کا استدلال ہے کہ لڑائی کے بعد قیدیون کے ساتھ صرف دو برتاو ہوسکتے ہین یا مفت بلامعاوضہ آزاد کردینا، یا معاوضہ لیکر آزاد کرنا، لیکن بہرحال آزاد کرنا ضروری ہے ان عالی دماغون نے یہ غور نہین فرمایا کہ انکی آزادی باخذ معاوضہ یا بلا معاوضہ فوراً بلاتراخی کسی مہلت کے بغیر ہونا چاہیئے، یا سال دو سال، چار سال کی مہلت بھی اسکے لئے دیجاسکتی ہے فرض کرو اگر تمام قیدی اس بات پر عہد کرلین کہ وہ کسی قسم کا معاوضہ نہ دینگے، اور سرسید و مولوی چراغ علی مرحوم کا فتوی انکو ایک ہزار برس پہلے معلوم ہوتا تو شاید یہی واقعہ ہمیشہ پیش آتا کہ وہ

کبھی بھی، اور زرِ بہا ایک خرمہرہ بھی زرِ فدیہ ادا نکرتے، اور لا محالہ مسلمانون کو ان بزرگون کے فتوے کیوجہ سے فوراً ان قیدیون کو آزاد کردینا پڑتا، اور جو اُن پر صرف کیا جاتا وہ ہمیشہ مسلمانون پر جنگ کے مصارف سے زیادہ بار ہوتا، اور اس طریقہ سے عملاً گویا زرِ فدیہ اور معاوضہ کا ابطالِ قطعی ہوجاتا کیونکہ مسلمان اسپر مجبور تھے،

اسلام سے پہلے تمام قومون مین غلامی اور فدیہ کا رواج تھا، شاہان اسلام اور قیصران قسطنطنیہ کی شش صدسالہ معرکہ آرائی مین ہر سال تقریباً یہ واقعہ پیش آتا تھا، اب اگر شاہانِ اسلام سرسید و مولوی چراغ علی مرحوم کے فتویٰ پر عمل پیرا ہوتے تو انکو کیا یہ نتیجہ نہوتا کہ انکا تمام شاہی خزانہ اور ملک کی آمدنی مسلمان قیدیون کو اُنکے ہاتھون سے چھڑانے مین صرف ہوجاتی، اور قیصرانِ روم مذہباً یا قانوناً اس بات پر مجبور نہ تھے کہ وہ دنیا کے رسم و رواج کے مطابق دشمنون سے فدیہ نہ لین، اس بنا پر گویا ہر سال اُنکو مسلمانون سے آیندہ سال کی جنگ کے لئے بیشمار رقم ملجاتی، شاہان اسلام اور قیصرانِ روم مین ہمیشہ اس اصول پر عمل ہوتا تھا کہ رومی مسلمان قیدیون کو، اور مسلمان رومی قیدیون کو لیکر سرحد کے پاس یا کسی ساحل پر پہنچ جاتے تھے اور اپنے اپنے قیدیون کا مبادلہ کر لیتے تھے، اگر تعداد کم و بیش ہوتی تھی تو دفعات معاہدہ کے مطابق اسکا کوئی اور معاوضہ پیش کرتے تھے، اس متمدن دور حکومت مین بھی آج یہی ہو رہا ہے اور یہی ہونا چاہیئے،

ان وجوہ سے سمجھنا چاہیئے کہ اِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً، یا احسان یا فدیہ کا کیا مطلب ہے؟ مطلب یہ ہے کہ قیدیون کو اگر مسلمان اخلاقاً اور کرماً چاہین تو بغیر کچھ لئے آزاد کردین، اور اگر وہ قانون کے مطابق عمل کرنا چاہین تو انکو حق ہے کہ قیدی سے فدیہ وصول کرین، فدیہ کی تین صورتین ہین، کوئی متعین رقم لین، کوئی متعین خدمت مقرر کرین، کسی مسلمان

قیدی کے معاوضہ مین اسکو بدل لین، اب جب تک ان شرطون مین سے ایک پوری ہو قیدی کی ضروریات کا متکفل کون ہو، چنانچہ آقا اُسکا متکفل قرار دیا گیا، اور اس مساوات کے ساتھ کہ جو کچھ وہ خود کھائے وہی قیدی کو کھلائے جو خود پہنے وہی قیدی کو پہنائے، جسوقت قیدی مین صلاحیت ادائے رقم کی آجائے، آقا کو مجبور کیا جائے کہ وہ آزاد کر دے جیسا کہ قرآن مجید مین ہے

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاۗءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ،

(نور)

تمہارے مملوکون مین سے جو کارد یا کر کے تمہارا فدیہ ادا کرنا چاہین تو انکو اسکی اجازت دیدو، اگر ان مین تم صلاحیت دیکھو اور خدا کے مال سے جو اس نے تمکو دے رکہا ہی انکو بطور سرمایہ کے کچھ دو اور اپنی مملوکہ لڑکیون کو تعلق پر مجبور نکرو اگر وہ شوہر دار بننا چاہین (یا پاکدامن رہنا چاہین) تاکہ تم دنیاوی زندگی عارضی فائدے حاصل کرو، اگر اسکے بعد بھی کوئی انکو مجبور کریگا تو خدا انکے اس مجبوری کے گناہ کو بخشنے والا ہے (لیکن جبر کرنے والون کو سزا دیگا)

اس تفصیل کے بعد یہ نتیجہ صاف واضح نظر آتا ہے کہ سر سید مرحوم یا مولوی چراغ علی مرحوم نے اس راہ مین جو کوششین کی ہین اُنکی بنیاد ریگ روان یا بحر سیال پر ہے اور سچ یہ ہے کہ ہر بات اپنے موقع ہی پر خوب سمجھ مین آتی ہی، جنگ کے حدود و احکام و مصالح پر ان بزرگون نے امن وسلامتی کے زمانہ مین غور کیا، آج ہوتے تو شاید وہ بھی دیکھ سکتے جو آج ہم دیکھ رہے ہین،

رسائل چراغ علی ہلکے گلابی کاغذ پر ۱۶۰ صفحات پر مشتمل ہے، قیمت (۲) دو روپیہ، پتہ: عبداللہ خان کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن،

# آثارِ علمیۂ ادبیہ

## نامۂ سرسید

جناب مولانا مخدوم و مکرم من مولوی محمد علی صاحب ناظم ندوۃ العلماء

بعد سلام مسنون عرض یہ ہے کہ آپکا نوازشنامہ اور حصہ اول روئداد ندوۃ العلماء پہنچا، ممنون عنایت ہوا، اُسپر ریویو لکھنا اور فرائض ریویو نویسی کو پورا پورا ادا کرنا کسیقدر مشکل اور نامناسب ہے ایک عمدہ کام شروع ہوا ہے اسکو چلنے دینا چاہیئے خدا اسکا نیک نتیجہ پیدا کرے، مین اسکی رسید اخبار مین چھاپونگا، اور نواب محسن الملک مولوی سید مہدیعلی کانفرنس کے اجلاس مین ایک رزولیوشن پیش کرینگے کہ تمام مسلمانون کو ندوۃ العلماء کی تائید کرنی چاہیئے، غالباً سب لوگ اس سے اتفاق کرینگے، اور جو آپکا ارشاد ہے اس پیرایہ مین اسکی تعمیل ہو جائیگی، اگرچہ مجھکو کچھ توقع نہین ہے کہ باہم علماء کے اتفاق ہو، الا کوشش ضرور ہو،

السلام علیکم

خاکسار سید احمد، علی گڈھ

۲۱- دسمبر ۱۸۹۴ء

# ادبیات

## فریاد اکبر

کونسی بات ہی اسلام کی تجھ مین اکبر
شان ہی کیا ہی جو تعظیم طلب کرتی ہے

دیر مین ہو تیری تحقیر تو کیونکر یہ کہون
کہ زبان بت طناز غضب کرتی ہے

تیرے اطوار دکہاتے نہین جوہر کوئی
بس زبان ہی کہ وہ اظہار نسب کرتی ہے

یاد رکھ بات مری کہدے سمجھ اپنی
حفظ ہر وقت جو تاریخ عرب کرتی ہے

صرف محسوس تو آتی نہین عظمت دل مین
آنکھ کچھ دیکھتی ہے تب وہ ادب کرتی ہے

## نوائے نواب

از پروفیسر سید نواب علی ایم اے بروڈہ کالج

(۱)

ساری قیدون سے چھڑایا تیری الفت نے مجھے
مجھسے پوچھے تو کوئی میری رہائی کے مزے

تیرے دیوانون کا عالم ہی نرالا دیکھا
نہ اسیری کے ہین صدمے نہ رہائی کے مزے

واہ کیا وادی ایمن مین بھٹک کر پہنچے
گمرہی مین ہین تری راہ نمائی کے مزے

(۲)

چپکے چپکے دل و دین تو نے تو لوٹے لیکن
ہمنے لوٹے تری دزدیدہ نگاہی کے مزے

فلسفی رہنے دے قانون شہادت اپنا
تو نے چکھے ہی نہین دل کی گواہی کے مزے

آب حیوان مین بھی نواب نہین ملنے کے
ظلمت شب مین ہین جو سیہ الٰہی کے مزے

# حلاوتِ علم

از مولوی حافظ محمد اسلم جیراجپوری

امام عصر ابوبکر[۱] ابنِ انباری
کہ جنکے علم کا ہے فیض آج تک جاری

جہان میں اُنکی تصانیف ہیں وہ گلشنِ علم
کہ جنپہ ہو نہیں سکتی کبھی خزان طاری

عرب کے رکہتے تھے ازبر وہ تین لاکھ اشعار
سِوا اُنکے شواہدِ آیاتِ مصحفِ باری

عزیزِ مصرِ بلاغت، رئیسِ ملکِ ادب
محدث و متکلم، مفسر و قاری

نہ جستجو سے فراغت نہ خواہشِ آرام
یہ ذوقِ علم مین رہتی تھی اُنکو سرشاری

وہ بارگاہِ خلافت کو جاتے تھے اک روز
خلیفہ[۲] نے کسی محفل کی کی تھی تیاری

میانِ راہ یہ نخاس مین نظر آیا
کہ ہے ہجوم خلائق پئے خریداری

فروخت ہوتی تھی کوئی کنیزِ شہر آشوب
متاعِ حسن کی تھی اسکی گرم بازاری

بہارِ گلشنِ رعنائی اسکا صفحۂ رُخ
کہ جسمین خامۂ قدرت نے کی تھی گلکاری

خود اسکی سادگی اُسکے لئے تھی آرائش
اگرچہ گوہر و زیور سے جسم تھا عاری

نظر فریب تماشا تھا کیون نہوتے محو!
نگہ کا فرض ہے خوبی کی ناز برداری

خیال آیا تو دربار کو چلے لیکن
خبر خلیفہ کو اسکی پہنچ گئی ساری

جب آئے گھر مین وہ واپس تو دیکھتے کیا ہین
وہی کنیز ہے حاضر پئے پرستاری

بہت ہوئے متعجب کہ ماجرا کیا ہے
مین خواب دیکھ رہا ہون کہ ہے یہ بیداری

سُنا جو حال تو معلوم ہو گیا آخر
کہ یہ خلیفہ کے ہین تحفہ ہائے دلداری

[۱] امام ابوبکر محمد بن قاسم بن بشار انباری متوفی ۳۲۸ھ [۲] خلیفہ راضی باللہ،

خوشی ہوئی اُنہین اس ماہوش کے آنیکی　　　یہ چاہتے تھے کرین اسکی میہمانداری
دل انکا تہا مگر اسوقت فکر مین مشغول　　　کہ آپڑی تھی کسی مسئلہ مین دشواری
لگے وہ بیٹھکے پہلے اُسی کو حل کرنے　　　کہ دل سے دُور ہو اس فکر کی گرانباری

بہم ہوئی کششِ علم و جذبِ حسن مین جنگ　　　عجیب مخمصہ مین دل کو تھی گرفتاری
اِدہر کتاب کے صفحہ پہ نقطہاے سیاہ　　　اُدہر تھے روی نگارین پہ خال زنگاری
سوادِ سلسلۂ خط بیان نگاہ فریب　　　وہان وہ زلفِ مسلسل کمند عیاری
اِدہر جو چاشنیٔ علم کی حلاوت تھی　　　تو اسطرف لبِ شیرین کی شہد گفتاری
جمالِ شاہدِ معنی تہا اِسطرف دلکش　　　اُدہر تھی صورتِ زیبا نگاہ مین پیاری
نہ کشمکش مین ہوا حل وہ عقدہ آخرکار　　　کچھ اُنکا ذہن نہ اسوقت کرسکا یاری

اس اضطراب مین آیا جو جوش غیرتِ علم　　　تو حُسن سے ہوئی یک لخت دلکو بیزاری
حوالہ اسکو ملازم کے کردیا فوراً　　　اور اسکے بیچنے کا حکم بھی ہوا جاری
وہ لیچلا تو کنیزک نے یہ گذارش کی　　　کہ مجھسے کونسا جرم ایسا ہوگیا بہاری
خطا جو میری ہو ارشاد کیجیے کہ مجھے　　　نہ بدظنی سے نگاہون مین ہو سبکساری"
کہا کہ کچھ نہین تیرا قصور اِسکے سوا　　　کہ تیری ذات سے ہے علم کی زیانکاری
زیانِ علم گوارا کرون یہ ہے دشوار　　　مگر ہے تجھسے بہت سہل دست برداری
سُنا یہ اُس نے تو بولی کہ اب نہین کچھ عذر　　　قصور یہ ہے جو میرا تو پھر ہی ناچاری

جہان علم ہے جنکی نگاہ مین اَسلم
کچھ اُن پہ حسن کی چلتی نہین فسونکاری

---

# پیام اُمید

صاحب نظم اپنا نام لکھنے پر راضی نہین کہ یہ انکے رتبہ سے فروتر ہے لیکن ناظرین سمجھ لین کہ یہ نظم ایک جامع البحرین ہستی کی تالیف ہے جنکی شاعری فارسی اور عربی مین مسلّم ہے اور اُردو مین نادرًا کہتے ہین۔ یہ نظم ڈاکٹر اقبال کی مشہور نظم "کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباس مجاز مین" پر مبنی ہے۔

نہ مضطرب کہ حقیقت آپ تڑپ رہی ہے مجاز مین
کہ رہے گا ہو کے وہ جلوہ گر جو نہان ہے پردۂ راز مین

یہ خموشیان ہین تری عبث کہ سمجھنے والے سمجھ گئے
جو چھپانے سے نہ چھپا رہے وہ بھی راز ہے کوئی راز مین

یہ بہار کیسی ہے دلکشا ہوئے جاتے عقدے ہین سارے وا
نہین کچھ عجب کہ نکل پڑین جو ہے تھے قید زلف دراز مین

جو ہین مست بادۂ سرکشی تو بہ ہیگی انکی یہ سرخوشی
کہ جو چڑھتے ہین وہی گرتے ہین کہ ہین سب نشیب فراز مین

کوئی باغبان سے کرو خبر کہ نہین فغان مری بے اثر
کہ چمن مین آگ لگائیگی جو تپش ہے سوز و گداز مین

جو مین بیخودی مین فنا ہوا تو وہ حسن جلوہ نما ہوا
مری حیرت آئینہ بنگئی تھی نگاہ سفانۂ ناز مین،

———×·×·—·×·×———

# مطبوعات جدیدہ

**دیار حبیب** ۔ مدینۂ طیبہ کے حالات مین مولانا شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی کا ایک مختصر رسالہ ہے جسکو مولوی شفیع الدین خان مرادآبادی نے بہ ترمیم واضافہ اردو مین ترجمہ کرکے شایع کیا ہے، اگر مولویصاحب موصوف شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ کا محض ترجمہ کردیتے توکہین زیادہ اچھا ہوتا، کیونکہ جو اضافے کئے گئے ہین انکا پیوند صحیح طور پر کہین نہیں لگ سکا، آخر کتاب مین دو ضمیمے ہین، پہلا مدینہ کے محلون، مقامات، مخصوص عمارات اور مکہ و مدینہ کے درمیانی منازل کے بیان مین، اور دوسرا عرب کی آبادی، طرز بود و باش اور اخلاق و معاشرت کے متعلق،

اضافون کی نسبت اتنا کہدینا ضروری ہے کہ ان مین اکثر سیرۃ النبی سے ماخوذ مین، اخذ ونقل کوئی عیب نہین ہے، لیکن تصریحی حوالون کا ندینا، واب تصنیف کے خلاف ہے، اور اسکا نام تدلیس ہے، اصل کتاب ۴۴ صفون کی ہے، جنین پندرہ صفحے ۱ سے ۱۵ تک مسلسل سیرۃ نبوی سے منقول ہین، علامۂ مرحوم کے جملون کو بہت کم بدلا ہے، اور جہان بدلا ہے اس سے مصنف کی انشاپردازی کی خامیون کا پتہ چلتا ہے، ضمیمۂ اول ۱۴ صفون کا ہے، ان مین سے بھی ابتدائی تقریبًا پانچ صفحے سیرۃ سے ماخوذ ہین، لیکن ماخوذات سیرۃ کو اصل کتاب سے ابھی بھی الگ نہین کیا گیا جس سے دھوکا ہوتا ہے کہ چند سطرون کے علاوہ تمام عبارت خود مصنف کی ہے،

لکھائی چھپائی عمدہ، تقطیع متوسط، صفحہ ۸۰ قیمت ۱۲/ پتہ: حاجی معین الدین انجنیر مرادآباد

**عربی کا معلم** ۔ مولوی عبدالستار خان صاحب (بمبئی) نے یہ کتاب عربی مدارس کے ابتدائی جماعتون کے لئے لکھی ہے، عربی زبان کی صرف ونحو جسقدر وسیع ہے اسکے لحاظ سے اس کتاب کے مولف کی کوشش قابل تحسین ہے کہ اس نے بہت اختصار وخوش اسلوبی کے

ساتھ ضروری مسائل کو جمع کیا ہے، طرز بیان بہت صاف، سادہ اور آسان ہے، زیادہ خوبی یہ ہے کہ قدما کی طرح صرف و نحو دونون کو یکجا کر دیا ہے، یہ خوبی ایک عالم انگریزی کی لکھی ہوئی عربی گرامر کا نمونہ سامنے رکھنے سے پیدا ہوئی ہے، ہر سبق مین قواعد کے ساتھ مشق کے لئے مختلف جملے بھی دیئے گئے ہین جنکی وجہ سے قاعدہ کے ذہن نشین ہوجانے مین بڑی سہولت ہوتی ہے یہ کتاب ان انگریزی دانون کے لئے بھی مفید ہوگی جو عربی زبان کی تحصیل کی خواہش رکھتے ہون، لکھائی چھپائی صاف اچھی، صفحہ ۱۲۸، تقطیع چھوٹی، پتہ: مولوی عبدالستار خان معرفت مولوی شرف الدین پرنسپل یتیم خانۂ اہل اسلام کھڑک بمبئی نمبر ۳،

**بابا نانک** اس کتاب مین شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور قادیان نے جو پہلے سکھ مذہب کے پیرو تھے، سکھون کی مستند مذہبی کتابون تسری گرنتھ اور جنم ساکھی کلان وغیرہ کے حوالون سے یہ ثابت کیا ہے کہ سکھون کی ابتدار اسلام سے قربت رکھنی تھی، مگر ہندوانہ رسم ورواج نے اب اسے بہت دور کر دیا ہے، خود گرو نانک کے اقوال سے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ ایک با خدا اسلام پرست بزرگ تھے، ہمیشہ وہ قرآن مجید کی مقدس تعلیمات کو عزیز رکھتے تھے، اور اپنی زندگی کے آخری لمحون تک اپنی تعلیمات کی اشاعت و ترویج مین مشغول رہے، کتاب دلچسپ، پرمعلومات اور دلائل سے لبریز ہے، لکھائی چھپائی متوسط درجہ، صفحہ ۱۶۸، تقطیع چھوٹی، قیمت ۱۲؍ پتہ: دفتر اخبار نور، قادیان، ضلع گورداسپور، (پنجاب)

**نقد آریت**، مکتبہ جامعہ ملیہ کانپور نے مولانا آزاد سبحانی شیخ جامعہ ملیہ کے ان اکیسو ساٹھ اعتراضات کا جو انھون نے وقتاً فوقتاً آریون پر کئے ہین ایک مجموعہ شایع کیا ہے یہ سوالات آریہ مذہب کے مختلف عقاید سے متعلق ہین، اور ان لوگون کے لئے جو آریہ مذہب کے خیالات معلوم کرنا یا مناظرانہ زندگی بسر کرنا چاہتے ہین مفید ہین، سوالات کا اکثر حصہ موجودہ زمانہ کے

بالکل مناظرانہ اصول پر ہے، یعنی ان سے مقصود محض مخالف کو لاجواب و ساکت کرنا ہے، تحقیقین شاید مطلقاً مضمون بعض ایسے بھی جواب کی بحث اسلام کی طرف سے خود مخالفین پر وارد ہو سکتے ہیں، بہرحال مسلمان مناظرین کے لئے یہ رسالے بہت کچھ مفید ہیں، اور مکتبہ جامعہ کی دینی جماعت کے لئے اور طلباے مدارس عربیہ کے لئے ایک اچھی خدمت انجام دی ہے، مولانا آزاد سبحانی کے یہ ابتدائی کارنامے ہیں اور وقعت کے قابل ہیں، لکھائی چھپائی متوسط صفحہ ۱۶۰، تقطیع چھوٹی، پتہ: منیجر مکتبہ آئینہ جامعہ کانپور،

**سفرِ آخرت**، یہ ایک مختصر سا رسالہ مولوی ابوتراب عبدالرحمٰن صاحب گیلانوی بہاری نے عامۂ اہل اسلام کے لئے لکھا ہے، اور جسکو گیلانی صوبہ بہار کی انجمن تبلیغ الاسلام نے شائع کیا ہے اس رسالہ میں بیماری کے وقت سے موت تک کے ان ضروری اعمال کی تشریح کیگئی ہے جو مذہب اسلام کے روسے ضروری اور قابل عمل ہیں، اور جن سے افسوس ہے کہ عوام واقف نہیں، وصیت صدقہ، تجہیز، تکفین وغیرہ کے ضروری مسائل بھی آ گئے ہیں، یہ انجمن گیا، اور بھاگلپور کے پہاڑی علاقوں میں عمدہ کام کر رہی ہے، ذیل کے پتہ سے طلب کیجئے،

انجمن تبلیغ الاسلام، گیلانی، ڈاکخانہ بر بگہہ، ضلع مونگیر، قیمت ۲ر

---

## دار المصنفین کی جدید مطبوعات

**ارض القرآن** - جلد دوم از مولانا سید سلیمان ندوی قیمت عہر

**مکالمات برکلے** - از مولوی عبدالماجد بی۔اے قیمت عہر

**برکلے** - از مولوی عبدالباری ندوی قیمت ۱عہر

| عدد دوم | ماہ ذیقعدہ [illegible]ھ مطابق اگست سنہ ۱۹ء | جلد چہارم |
|---|---|---|

## مضامین

# شذرات

جنگ کے مرقع نے مغربی تہذیب وشائستگی کے جو خط وخال پیش کئے ہین وہ اہل نظر سے مخفی نہین، اس سلسلہ مین مغرب کی ممتاز ترین قوم امریکہ کا ایک مخصوص کارنامہ جسکی اطلاع نیویارک ٹائمس کی ہندوستان پہنچی ہے، اس قابل ہے کہ اہل مشرق اس سے پوری طرح روشناس ہون،

جرمنی کا قوی ترین حربہ اسکا سائنس تھا، علوم طبیعہ کی مدد سے اُس نے قتل وخونریزی کے ایسے ایسے حیرت انگیز آلات ووسائل ایجاد کئے کہ اتحادی دنگ رہجاتے تھے، امریکہ کے تازہ دم پہلوان نے جب اکھاڑہ مین قدم رکھا اور دیر تک زور آزمائی کے بعد اُسے نظر آیا کہ حریف کسی طرح زیر نہین ہوتا، تو بالآخر اُس نے بھی یہی پیچ اختیار کیا، اسکے ہان ایک بزرگ پروفیسر لوئس ہین جو فن کیمیا (کیمسٹری) مین انتہائی کمال کا مرتبہ رکھتے ہین، اُنھون نے اپنے کمال فن سے ایک زہر اس قسم کا ایجاد کیا جسکے محض مس ہوجانے سے انسان وحیوان ہی نہین بلکہ نباتات کی زندگی بھی فوراً ختم ہوجاتی ہے، اس زہر کا نام موجد ومکتشف کے اسم گرامی کے انتساب سے "لوئیسائٹ" رکھا گیا، اور غیر معمولی اہتمام ورازداری کے ساتھ چندماہ مین اس زہر کا ایک غیر محدود ذخیرہ تیار کیا گیا اور یہ طے پایا کہ تین ہزار ٹن (یعنی تقریباً ۸۲ ہزار من) کی تعداد مین اس زہر کو ہوائی جہازون مین لیجاکر قیصر کی مملکت پر برسا دیا جاے، اتفاق سے عین اسی زمانہ مین التواے جنگ ہوگیا اور صلح کی گفتگو ہونے لگی، اور اسطرح دنیا موت وہلاکت کی اس قیامت خیز بارش کی برکتون سے محروم رہ گئی،

سچ ہے ابھی مشرق کو مغرب سے بہت کچھ سیکھنا باقی ہے،

جنگ کے اثرات و عواقب نے ایک بڑی حد تک یورپ کے نظام تعلیم کو درہم برہم کر دیا ہے، متعدد یونیورسٹیان مالی حیثیت سے اسقدر زیربار ہوگئی ہین کہ مصارف کا سنبھالنا دشوار ہوگیا ہے، اسکاٹ لینڈ کی سب سے مشہور یونیورسٹی ایڈنبرا یونیورسٹی ہے، اسکے محاصل مین صرف فیس کی مد مین ۰، ہزار پونڈ (۱۰ الاکھ روپیہ) کی کمی ہوگئی ہے! اس پر دوسرے ابواب کو بھی قیاس کرنا چاہیئے۔

---

آکسفورڈ و کیمبرج اسوقت دنیا کی ممتاز ترین یونیورسٹیان ہین، جو ابتک سرکاری امداد سے بالکل آزاد بسر کرتی رہی ہین، لیکن جنگ نے انہین بھی اعانتی دست کر دیا ہے کہ اپنی تاریخ مین بالکل پہلی بار انہین حکومت سے اعانت طلب کرنا پڑی ہے، دنیا کی کوئی حکومت کسی تعلیم گاہ کو بالکل بلا معاوضہ مدد نہین دیتی، انگریزی حکومت بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہین، اسکے دست کرم کو جنبش ہوئی، لیکن قدرتی طور پر اُس نے چند شرائط کی پابندی بھی لازمی قرار دیدی ہے، یہ شرائط و قیود ان یونیورسٹیون کے ارکان کے لئے سخت ناخوشگوار ہین، لیکن حالات کی ناسازگاری نے یہ نوبت پہنچادی ہے کہ یونیورسٹیون کو اپنی زندگی قائم رکھنے کے لئے غالبًا اپنی آزادی فروخت کرنے پر مجبور ہوجانا پڑے،

---

لیکن اس افلاس و عسرت کو مستقل نہ سمجھنا چاہیئے، افلاس کا اصلی سبب طلبہ کا قحط تھا، لیکن جنگ کے خاتمہ کے ساتھ طلبہ نہایت کثیر تعداد مین داخل ہونا شروع ہوگئے ہین، اعداد ذیل سے معلوم ہوگا کہ کیمبرج یونیورسٹی مین جنگ سے پیشتر طلبہ کی سالانہ تعداد کیا رہتی تھی، دوران جنگ مین کیا رہی اور اب پھر کیا ہے۔

| سال | تعداد طلبہ | سال | تعداد طلبہ |
|---|---|---|---|
| سنہ۱۳-۱۴ء | ۱۱۶۷ | سنہ۱۴-۱۵ء | ۷۰۷ |
| سنہ۱۵-۱۶ء | ۳۴۴ | سنہ۱۶-۱۷ء | ۲۳۰ |

سنہ ۱۸-۱۶ء　　۲۸۵　　سنہ ۱۹-۱۸ء　　(تقریباً)　　۱۲۰۰

پی، ایچ، ڈی (ڈاکٹر آف فلاسفی) کی ڈگری اب تک یورپ مین صرف جرمنی و آسٹریا کی یونیورسٹیون کے ساتھ مخصوص سمجھی جاتی تھی، چنانچہ ممالک غیر کے جن طلبہ کو یہ ڈگری لینا ہوتی، انہین بالعموم جرمن یونیورسٹیون ہی مین داخل ہونا پڑتا تھا، لیکن حال مین انگریزی یونیورسٹیون مین جو متعدد اصلاحات ہوئی ہین، انہ مین لندن و کیمبرج مین بھی یہ ڈگری قائم ہوگئی ہے، آیندہ سے برطانیہ و ممالک ماتحت برطانیہ کے جو ط مین تبحر حاصل کرنا چاہین گے، انہین سفر جرمنی کی ضرورت باقی نہ رہیگی۔

---

مشہور مستشرق پروفیسر ای، جی، براؤن جو ایک عرصہ سے ایران و ادبیات ایران سے متعلق قابل قدر خدمات انجام دے رہے ہین، حال مین ایک اور تالیف سے فارغ ہوئے ہین، جسکا نام "تاتاری عہد حکومت مین ادبیات ایران کی تاریخ" ہے، کتاب مذکور کیمبرج یونیورسٹی پریس مین زیر طبع ہے اور عنقریب شایع ہوجائیگی۔

---

حضرت مسیحؑ کی شخصیت مدت سے اہل یورپ کی ذہانت و طباعی کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے، حال مین انگلستان کے ایک اہل قلم مسٹر گلبرٹ سیڈلر نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے، کہ مسیح کی سرے سے کوئی تاریخی شخصیت ہی نہ تھی، بلکہ اصل یہ ہے کہ قدیم زمانہ مین لوگون نے مختلف محاسن اخلاق کی تعلیم مختلف افسانون اور تخئیلی قصون کے ذریعہ دینے کے لئے اناجیل اربعہ کی ترتیب و تالیف کی، اور جیسا کہ عام دستور ہے افسانہ کا ایک ہیرو بھی فرض کیا، بعد کی نسلین ان اخلاقی افسانون کو تاریخی واقعات کا درجہ دینے لگین، اور مسیح کو ایک تاریخی انسان قرار دے لیا، گویا انجیل مقدس، تمامتر آزاد مرحوم کی "نیرنگ خیال" کی طرح حکایات تمثیلی کا مجموعہ ہے!

انجیل کی یہ حقیقت ہو یا نہو لیکن اس جدید مصنف کی تخئیل کی غیر محدود بلند پروازی مین کلام نہین،

یورپ مین یہ عجیب بات ہے کہ باوجود ضروریات زندگی کی انتہائی گرانی کے کتابون کا حسن قبول برابر ترقی پر ہے، جنگ نے اچھے اچھے اغنیا کو محتاج بنا دیا ہے، تاہم کتابون کی قدردانی مین فرق آنا کیسا، اس مین حیرت انگیز اضافہ ہو رہا ہے، آج سے ۲۰ سال پیشتر شکسپیر کا مجموعۂ کلام اسکے زمانہ کا چھپا ہوا بالعموم دو سو پونڈ (تین ہزار روپیہ) مین فروخت ہوتا تھا، لیکن آج اسی ایڈیشن کی قیمت ۳ ہزار پونڈ (۴۵ ہزار روپیہ) تک پہنچگئی ہے،

ہندوستان کے جن ارباب ذوق کو اپنی علمی قدرشناسی پر ناز ہے اور جو اپنے نزدیک نوادر کتب کی فراہمی مین حوصلہ مندی کا اظہار کرتے ہین، انھون نے یہ خبر سنی ہے؟

---

۱۵ - ۲۰ سال سے لندن مین "عقلین" کی ایک مخصوص انجمن ریشنلسٹ پریس ایسوسی ایشن کے نام سے قائم ہے، اسکا مقصد اصلی یہ ہے کہ جن مطبوعات مین مسائل کائنات مین مذہبی و اعتقادی حیثیت سے قطع نظر کرکے عقلی نقطۂ خیال سے آزادانہ بحث کیجاتی ہے، انہین اپنے زیر اہتمام ازسرنو طبع کرکے ارزان سے ارزان قیمت پر فروخت کرے، اس انجمن کی ابتدائی مطبوعات مین اسپنسر کی مشہور کتاب "ایجوکیشن" تھی، چندماہ کے اندر کتاب مذکور کے ۳۰ ہزار نسخے نکل گئے، اور ابتک صرف ایک ایڈیشن کے ایک لاکھ سے زاید نسخے نکل چکے ہین۔

---

اتفاق سے عین اسی زمانہ مین ایجوکیشن کا اردو ترجمہ بھی "فلسفۂ تعلیم" کے نام سے شایع ہوا، مترجم خواجہ غلام الحسنین بی۔ اے تھے، ترجمہ کی اشاعت انجمن ترقی اردو نے کی جسکے سکریٹری اسوقت مولانا شبلی مرحوم تھے، ترجمہ پر بہتر سے بہتر ریویو مدحیہ مولانا نذیر احمد، مولانا حالی، مولوی ذکاء اللہ، ڈاکٹر اقبال کے قلم سے نکلے تھے، پھر سب سے بڑھکر یہ کہ یہان کوئی دوسرا ایڈیشن اسکے مقابلہ کو موجود نہ تھا، لیکن باین ہمہ مساعدت حالات اس ۳۲ کرور کی دنیا مین اور اس ۱۵ سال کی طویل و عریض مدت مین "فلسفۂ تعلیم" کے فروخت شدہ نسخون کی تعداد کیا ہے؟ کیا ایک لاکھ؟ کیا ۵۰ ہزار؟ کیا چند ہزار؟ کیا ایک ہزار؟

اسکے جواب مین تمام مدعیان حمایت اُردو کی نگاہین شرم سے جھک جانا چاہیئے۔

---

ریشنلسٹ ایسوسی ایشن (انجمن عقلیئن) جسکا ذکر ابھی ہو چکا ہے، اسکا ایک ماہوار علمی رسالہ لٹریری گائڈ کے نام سے نکلتا ہے، انجمن کے ایک ہندوستانی رکن مسٹر ان، تیج پاٹہک نے جو مغربی ہند کے باشندہ ہین، رسالۂ مذکور کو ایک سو پونڈ (پندرہ سو روپیہ) کی رقم اس غرض سے مرحمت کی ہے کہ رسالہ ہندوستان، چین، اور سیلون کی تعلیم گاہون مین مفت تقسیم کیا جائے۔

---

ہندو یونیورسٹی کے دائرہ کا مرکزی نقطہ سنٹرل ہندو کالج (بنارس) ہے، اُسکی سالانہ روداد بابت ۱۹-۱۹۱۸ء ماہ گذشتہ مین شایع ہوئی ہے اعداد ذیل سے جو اسی سے ماخوذ ہین اُسکی ترقی رفتار کا اندازہ ہو سکیگا،

| تعداد طلبہ | ۱۹۱۷ء | ۱۹۱۸ء |
|---|---|---|
| فرسٹ ایر | ۱۹۲ | ۲۰۷ |
| سکنڈ ایر | ۱۶۱ | ۱۸۹ |
| تہرڈ ایر | ۷۴ | ۱۱۹ |
| فورتھ ایر | ۱۰۷ | ۱۲۳ |
| پوسٹ گریجویٹ کلاسز ایم اے، ایم ایس سی وغیرہ | ۶ | ۴۵ |
| کامیاب طلبہ فیصد، | | |
| ایف۔ اے | ۶۳ | ۶۵ |
| بی۔ اے | ۳۸ | ۷۶ |
| بی، ایس، سی، | ۳۳ | ۷۸ |

کالج مین پڑہانے والون کی تعداد اسوقت ۴۲ ہے، جسمین آٹھ یونیورسٹی پروفیسر بھی شامل ہین، یہ وہ تعداد ہے جسکے لحاظ سے صرف الہ آباد یونیورسٹی ہی نہین، بلکہ پٹنہ، پنجاب اور بمبئی کی یونیورسٹیون کا بھی کوئی کالج ہندو کالج بنارس کا مقابلہ نہین کرسکتا، تمام ہندوستان مین شاید صرف دو کالج ہین جو اس حیثیت سے ہندو کالج پر تفوق رکھتے ہین، ایک پریسیڈنسی کالج کلکتہ جہان ۳۴ پروفیسر اور لکچرر کام کرتے ہین، دوسرے پریسیڈنسی کالج مدراس جہان انکی تعداد ۵۰ ہے۔

ہندو کالج کی ایم۔ اے اور ایم۔ ایس سی کی جماعتون مین اسوقت تک ریاضی، سنسکرت، ادب انگریزی، فلسفہ، تاریخ، اقتصادیات، طبعیات، کیمیائیات، حیوانیات (زوالوجی) کی تعلیم کے انتظامات مکمل ہوچکے ہین، اور طلبہ ان سب مضامین مین تحصیل و تکمیل فن کر رہے ہین، انکے علاوہ ایک خاص صیغہ شعبۂ تحقیقات عالیہ (ریسرچ) کا ہے، جسمین منسلک ہوکر طالبان علم، ماہرین فن کے زیر ہدایت تبحر و کمال فن پیدا کرتے ہین، ۲۱ طلبہ کی مختصر جماعت اس خالص علمی خدمت مین مشغول ہے، ان مین سے نو (۹) کا تعلق ریاضیات سے ہے، دو (۲) کا قدیم تاریخ و فلسفۂ ہند سے، اور ایک کا کیمسٹری سے،

کیا اعداد بالا کی خاموش زبان مسلم یونیورسٹی کے بلند بانگ علمبردارون کو عبرت و بصیرت کا درس نہین دیسکتی۔

---

اختلاف آرا ہر تعلیمی مجلس و انجمن مین ہوتا رہتا ہے، ہندو یونیورسٹی بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہین، اسکے ارکان مین باہم اختلاف ہے اور نہایت شدید اختلاف ہے، ماڈرن ریویو، لیڈر، ینگ انڈیا، وغیرہ کے صفحات انکی باہمی زور آزمائیون کے مدت سے تماشاگاہ بنے ہوئے ہین، لیکن باین ہمہ اختلاف و تخالف انکی نظر اصل کار سے نہین ہٹتی، ریل مین اکثر مسافر جگہ کے لئے ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے ہین لیکن اپنی منزل مقصود کو کوئی نہین بھول جاتا، یہ شرف صرف موجودہ مسلمانون کے لئے مخصوص ہے کہ وہ جس کشتی پر سوار ہوتے ہین آپس مین لڑجھگڑ کر خود اسی کے غرق کرنے کی فکر مین پڑجاتے ہین،

ستمبر ۱۹۱۸ء کے معارف مین ہم نے قدیم قلمی تصنیفات کی فراہمی وحفاظت کی ایک تحریک اپنی قوم کے ہمدردان علم کے سامنے پیش کی تھی، اور ندوہ اور کانفرنس کو خاص طور سے ادہر متوجہ کیا تھا، گذشتہ اجلاس سورت مین جناب مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی کو گجرات کے علمی خزانون کی تباہی کو اپنی آنکھون سے دیکھنے کا موقع ملا، جس نے انکے دل کو بڑا صدمہ پہنچایا، چنانچہ اجلاس سے فارغ ہوکر انھون نے فوراً قلمی کتابون کی حفاظت کی اپیل قوم مین پیش کی اور تو کہین سے جواب نہین ملا، لیکن دکن کی سرزمین مین ایک سراپا درد بزرگ ہے (نواب عماد الملک) جنکی نظر مین اپنے اسلاف کے پرانے اندوختون کی ابتک قدر ہے، اس نے یہ اپیل سن کر افسوس کے آنسو بہائے اور فوراً اس کام کے آغاز کے لئے ایک ہزار روپیہ اپنے جیب سے دیا، ارض دکن سے ابھی اور بہت کچھ توقع ہے اور وہ انشاءاللہ پوری ہوکر رہیگی،

یہ کام اسقدر اہم اور وسیع ہے کہ لاکھون روپئے اسکے لئے ناکافی ہین، بہتر ہوتا اگر ہماری تین چار انجمنین، ندوہ، کانفرنس، دیوبند، مستشار العلما لاہور، مدرسہ اسلامیہ پشاور وغیرہ اس کام کو مل کر کرتین اور اپنے اپنے احاطۂ عمل کو تقسیم کر لیتین، دار المصنفین ابھی کس شمار مین ہے، تاہم وہ بھی بقدر حصہ شرکت کو تیار ہے۔

---

امسال اجلاس ندوہ اور سفر حیدر آباد کی بدولت دکن کے متعدد پرانے شہرون اور یادگارون کے دیکھنے کا موقع ملا، کہین کہین نادر قلمی کتابون کی زیارت بھی نصیب ہوئی، اردو کی بعض بعض نہایت قدیم یعنی ولی دکنی سے پہلے کی کتابین تصوف وعقائد مین نظر آئین، اور دواوین اور نظم کی کتابین تو کثرت ملین، عبداللہ قطب شاہ کا اردو دیوان جناب مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی کے ہاتھ آیا ہے، اس عہد کی ایک مثنوی ایک اور شخص کے پاس دیکھی، منظوم عقائد کی ایک کتاب دار المصنفین کے قسمت مین آئی،

ان کتابون کو دیکھکر ہم اس نظریہ پر پہنچے ہین کہ اردو زبان کی تحریری پیدایش درحقیقت تصوف اور مذہب کے بطن سے ہوئی ہے۔

# مقالات

## توجہ
## کی
## ماہیتِ نفسی

از مولوی عبد الماجد بی - اے ، ایم آر - اے - ایس

روزمرہ کا تجربہ ہے کہ بعض اشخاص کے مشاغل بکثرت ہوتے ہین ، وہ ایک ہی زمانہ مین متعدد و مختلف النوع مشاغل مین مصروف رہتے ہین ، اور سبکو یکسان ذوق وشوق سے انجام دیتے ہین ، بعض اشخاص اسکے برخلاف ایسے ہوتے ہین جو ایک وقت مین صرف ایک ہی چیز کو لے سکتے ہین ، انکی دلچسپیان بہت ہی محدود ہوتی ہین ، وہ ایک سے زاید چیزون پر صرف توجہ نہین کرسکتے ، البتہ جس چیز کو ہاتھ لگاتے ہین ، اسکے ساتھ انہین غایت یکسوئی وانہماک ہوتا ہے ، اور گویا وہ اسی کے ہو رہتے ہین - عام افراد سے گذر کر یہ نوعی فرق ، دنیا کے مشاہیر مین بھی پایا جاتا ہے ، نپولین ایک وقت مین بے تکلف متعدد واہم خدمات انجام دیتا تھا ، سیزر اعظم ایک ساتھ کئی کام کرتا تھا ، سر سید احمد خان ایک ہی وقت مین مذہبی تصنیف و تالیف کرتے تھے ، کالج کی تعمیرات اپنی ذاتی نگرانی مین تیار کراتے تھے ، کالج و بورڈنگ کے اندرونی انتظامات کرتے تھے ، سیاسی مسائل پر تقریرین کرتے ، اور مضامین شایع کرتے ، اور چندہ وصول کرنے کے لئے دورہ کرتے پھرتے تھے ، مولانا شبلی شاعر بھی تھے ، ناقد بھی ، مورخ بھی ، ایڈیٹر بھی ، ندوہ کے کارکن بھی ، لکچرر بھی ، سیاسی بیداری کے مضامین لکھنے والے بھی ، اور وقف علی الاولاد کے متعلق قوم مین جوش وخروش پھیلانے والے بھی ، مسز اینی بسنٹ ایک ہی وقت مین ہفتہ وار ، ماہوار ، و روزانہ پرچون کی ایڈیٹری ، سیاسی انجمنون کی صدارت ، فلسفیانہ

تصنیف و تالیف، صوفیانہ مجالس کی رہنمائی وسیاوت وغیرہ متعدد مختلف النوع فرائض انجام دیتی ہیں، ایک طرف اس طرح کے عامۃ الورود دماغون کی مثالین ملتی ہین، دوسری طرف مشاہیر عالم کی جماعت مین ایسے افراد بھی ملتے ہین، جنکا دائرہ ذوق بہت ہی محدود ہوتا ہے، مگر وہ جس چیز کو لیتے ہین ہمہ تن اسمین منہمک ومستغرق ہوجاتے ہین، سقراط جب کھڑے کھڑے کسی مسئلہ کو سوچنے لگتا، تو ساری ساری رات ایک وضع سے کھڑے کھڑے گزار دیتا، اور اُسے کچھ خبر نہوتی، نیوٹن جب کسی مسئلہ کی ادھیڑبن مین ہوتا تو کھانے کے کئی کئی وقت گذرجاتے، اور اُسے کھانے کا خیال تک نہ آتا، ہیگل جس وقت اپنی ایک اہم تصنیف کی ترتیب مین مشغول تھا، شہر پر گولہ باری ہوتی رہی اور اُسے ذرا خبر نہوئی، زمانہ حال کا ایک مصنف ایسا ہے جو تصنیف و تالیف کے وقت ہر قسم کے شور وغل سے بالکل غیر متاثر رہتا ہے۔

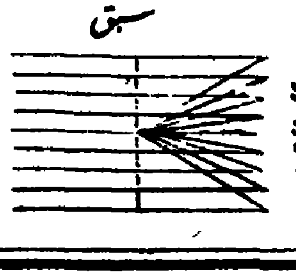
معلوم یہ ہوا کہ قوت توجہ کے لحاظ سے، دماغ انسانی کی ساخت دو طرح کی ہوتی ہے، ایک اس قسم کے دماغ ہوتے ہین جنمین شعور کے خطوط عموماً متفرق، منتشر اور پھیلے ہوے ہوتے ہین، دوسری قسم کے دماغون مین یہ خطوط اکثر کسی ایک نقطہ پر یکجا ومجتمع رہتے ہین، پہلی قسم کے دماغ کے مشاہیر افراد، اپنی وسعت نظر، جامعیت، وہمہ گیری کے لحاظ سے ممتاز ہوتے ہین، اور دوسری قسم والے اپنی دقت نظر، عمق، ونکتہ رسی کے لحاظ سے۔ دماغ کی یہ نوعیت ایک بڑی حد تک ودیعت فطری ہی ہوتی ہے، اکتساب وتربیت سے بھی حاصل ہوسکتی ہین، مگر بہت قلیل حد تک۔

ان دونون قسمون کے دماغون کو قطعیت کے ساتھ ایک دوسرے پر ترجیح دینا ممکن نہین، اپنی اپنی جگہ پر دونون بہت قابل قدر ہین، اور ارتقاء کائنات کے حق مین دونون کا وجود ضروری ہے، البتہ یہ کہنا بیجا نہین کہ بعض مخصوص علوم وفنون کو ایک قسم کے دماغ سے زیادہ مناسبت ہوتی ہے اور بعض کو دوسرے سے، الہٰیات ومنطق وغیرہ بعض ایسے خالص علوم ذہنی ہین، جن پر توجہ کرنے والے

یکسوئی، انہماک، و مرکزیت خیال کی خاص ضرورت ہوتی ہے، لیکن جو علوم مادی ہین، یعنی جنکا تعلق کائنات خارجی کے مشاہدات و تجربات سے زیادہ رہتا ہے، انکے شائقین کو ایک ہی وقت مین مختلف چیزون پر نظر رکھنا ہوتی ہے، اسلئے انکے لئے دوسری قسم کا دماغ موزون ہے،

معلم و استاد، خصوصاً وہ جنکے سپرد کم عمر طلبہ کی تعلیم ہوتی ہے، انکے لئے نیوٹن و ہیمگل کے طرز کا دماغ رکھنا ایک سخت نقص ہے، انکا کام صرف درس یا لکچر دینے پر ختم نہین ہوجاتا، بلکہ طلبہ اور درجہ کی انتظامی حالت پر بھی انہین پوری نگاہ رکھنا ہوتی ہے، کوئی طالبعلم اگر باتین کر رہا ہے تو اسکی تادیب استاد کا فرض ہے، کوئی طالبعلم دوسری جانب مشغول ہے تو اسکی نگرانی استاد کے فرائض مین ہے، یہ دیکھتے رہنا کہ لڑکے اپنے اپنے مقام پر قرینہ سے بیٹھے ہین، استاد کی ذمہ داریون مین سے ہے، غرض اس طرح پڑہانے کے ساتھ ساتھ درجہ کے نظم و نسق سے متعلق بیسیون جزئیات ہر وقت اسکی توجہ کے محتاج رہتے ہین، نومشق استاد کو اسمین یقیناً دقت ہوتی ہے، لیکن وہ جب کہنہ مشق ہوجاتا ہے، تو چندان زحمت باقی نہین رہتی، وہ سبق سے چونکہ پوری طرح واقف ہوتا ہے، اسلئے اسکی ضرورت باقی نہین رہجاتی کہ وہ ساری توجہ درس پر مجتمع رکھے، وہ باسانی اپنی توجہ سے ایک جزو کا مرکز بنا سکتا ہے، اور باقی اجزا کو متفرق معاملات پر منتشر رکھ سکتا ہے۔ البتہ طلبہ کی نوعیت توجہ کو اس سے بالکل مختلف ہونا چاہیئے، انکی ساری توجہ کا مرکز درس ہی ہونا چاہیئے۔ کہ تھوڑی سی بے توجہی سے یہی مطالب انکے ذہن کی گرفت سے رہ جائینگے۔

سبق پر کس حد تک استاد کی توجہ مبذول رہنی چاہیئے، ان مدارج توجہ کی توضیح اشکال ذیل کی وساطت سے بہ آسانی ہوجائیگی۔




(ربط کی انتشار کی حالت
(استاد کا شعور سبق کے ایک جزو کو مرکز
بناتا ہے اور باقی اجزاء کو دوسرے
اتفاقی معاملات پر منتشر رکھتا ہے)




(طلبہ کا شعور تمام تر سبق کو اپنا مرکز بنائے ہوئے ہے)

دو چار صفحہ اُدھر ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ فلان فلان اسباب و حالات، مُوَیِّدات توجہ کا کام دیتے ہین، اب ایک نظر موانع توجہ پر بھی کرنا ہے، یعنی ان اسباب و حالات پر جو ذہن کو کسی شے پر توجہ کامل صرف کرنے سے روکتے ہین، یہ موانع دو طرح کے ہو سکتے ہین، مادّی و ذہنی، پہلے موانع مادّی کو لیتے ہین،

(۱) ضعف جسمانی - خواہ وہ کسی مستقل مرض کا نتیجہ ہو، یا عارضی اضمحلال طبع سے پیدا ہو گیا ہو، دونوں صورتون کا ماحصل ایک ہی ہے، کہ کمزور قوی زبردست سعی توجہ کے متحمل نہین ہو سکتے -

(۲) خستگی و تکان - یہ بھی اسی ضعف جسمانی کی ایک مخصوص شکل ہے -

(۳) شور و غل - توجہ نام ہے یکسوئی کے ساتھ ایک مہیج سے مشغولیت کا، اور جب متعدد مہیجات جلب توجہ کے لئے کشمکش کرینگے تو ظاہر ہے کہ نفس کسی ایک پر پوری توجہ نہ کر سکیگا، اسی لئے سکون و خلوت کو یکسوئی کے لئے لازمی شرط قرار دیا گیا ہے -

(۴) نامناسب ماحول - کمرہ مین تازہ ہوا کا نہ ہونا، بہت زیادہ گرمی، بہت زیادہ سردی وغیرہ ان سب صورتون مین اعصاب دماغی جد وجہد کے ناقابل ہو جاتے ہین، اور یکسوئی مین لازماً خلل پڑتا ہے،

(۵) نامناسب ہیئت جسمی - یکسوئی مین ہر شخص کو اسکی مخصوص وضع و ہیئت جسمی بھی خاص طور پر معین ہوتی ہے، اور جب کبھی اسکے خلاف ہوتا ہے تو قیام توجہ مین سخت دشواری ہوتی ہے، بعض شاعر فکر سخن کے وقت ٹہلتے رہتے ہین، اور اس حالت مین مضامین شعر پر انکی توجہ خوب قائم رہتی ہے، چنانچہ اگر انہین ٹہلنے سے روک دیا جاتا ہے تو مضمون بھی گم ہو جاتا ہے - اکثر کم عمر طلبہ ہل ہل کر پڑھتے ہین، انکی حرکت جسم و حرکت دماغ کے درمیان ایک خاص طرح کا تناسب معلوم ہوتا ہے، اگر جسمانی کاہلی و سستی دماغی کاہلی و سستی کے مرادف ہوتی ہے، اور عموماً جس وقت نظام جسم چاق و مستعد رہتا ہے، اُسی وقت دماغ بھی مستعدی و چستی سے کام کرتا ہوتا ہے، لیکن یہ کوئی قطعی کلیہ نہین -

اب موانع ذہنی پر نظر کرنا چاہیئے، انکی اہمیت بھی موانع مادی سے کچھ کم نہین، اور تعداد مین

یہ بھی اسیقدر ہین :-

(۱) خلقی نامناسبت - بیشتر افراد کو بعض مضامین سے خلقی نامناسبت ہوتی ہے تاہم کسی نہ کسی مضمون سے انہین ذوق ضرور ہوتا ہے، ایسے اشخاص کو چاہیے کہ اپنے مرغوب و دلکش مضامین کی وساطت سے غیر مرغوب وغیر دلکش مضامین سے مناسبت پیدا کرین، کیونکہ ہر مضمون کسی نہ کسی حیثیت سے دوسرے مضامین سے ضرور کچھ تعلق و وابستگی رکھتا ہے، دانشمند استاد کا فرض ہے کہ اپنے طلبہ کے فطری ذوق و رجحان کو پہچانے، اور جو مضامین انکے مذاق کے موافق ہون، انکے ذریعہ و وساطت سے انکے مخالف مذاق مضامین کو انکے لئے خوشگوار بنائے۔

(۲) تردد و پریشانی - انتشار ذہنی، بداہتہً یکسوئی کے لئے منافی ہے۔

(۳) اجنبیت و غرابت - اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ دلکشی کے لئے یہ لازمی ہے کہ مہیج ایک حد تک مانوس و مالوف ہو، بالکل نامانوس مہیج سے ذہن کو طبعاً وحشت ہوتی ہے۔

(۴) ذکاوت و ذہانت - "اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی" ہمارے ہان ایک عام ضرب المثل ہے اور فطری ذکاوت و ذہانت کی روشنی، واقعی اکثر حالتون مین توجہ و انہماک کے حق مین بلا ہی ثابت ہوتی ہے ذہین افراد اکثر اپنی خوش دماغی کے اعتماد پر غور و توجہ کو اپنے لئے بالکل غیر ضروری خیال کرتے ہین، اور اسکی اگر شروع ہی مین روک تھام نہ کیگئی تو بالآخر یہ مرض لاعلاج ہو جاتا ہے، یعنی قیام توجہ، کوشش کے بعد بھی ناممکن ہو جاتا ہے، استاد کا فرض ہے کہ ذہین طلبہ سے خاص طور پر سوالات کیا کرے، جن سے ان پر یہ واضح ہو جائے کہ ترقی کے لئے محض ذہانت بیسود ہے، تا وقتیکہ غور و توجہ کی بھی آمیزش نہو۔

(۵) مہیج مین عدم تنوع - اوپر بیان ہو چکا ہے کہ دلکشی کا ایک بڑا عنصر مہیج کا تنوع ہے، جس مہیج مین ضرورت سے زیادہ دیر تک یکسانیت قائم رہتی ہے، اس سے طبیعت اچاٹ ہو جاتی ہے، جو استاد مسلسل زبانی تقریر کرتا ہے، طلبہ اس سے اکتا جاتے ہین، دانشمند استاد کچھ دیر مسلسل تقریر کرتا ہے۔

کچھ دیر طلبہ سے سوال و جواب کرتا ہے، کچھ دیر اپنے نوٹ تحریر کرتا ہے، وقس علی ہذا۔

اکثر کتابون مین اس قسم کے واقعات پڑھے اور لوگون کی زبانی سُنے ہونگے، کہ فلان شخص جو اپنے زمانہ کا بہت بڑا حکیم یا فلسفی تہا، بعض حیثیات سے بالکل ناسمجھ تہا، اور بعض بالکل موٹی باتین اسکی سمجھ مین نہین آتی تہین، یہ واقعات بظاہر بہت عجیب معلوم ہوتے ہین، لیکن درحقیقت ان مین کوئی حیرت انگیز بات نہین، شعور کا رجحان طبعی و میل فطری انتشار و پہیلاؤ کی جانب ہے، اور مقصد اسمین اجتماع و مرکزیت پیدا کرتے رہنا، اُسے ایک غیر طبعی حالت مین رکہنا ہے۔ اسکے یہ معنی ہین کہ عرصۂ دراز تک توجہ کو یکسو رکہنے سے دماغ پر سخت زور پڑتا ہے، دماغی خستگی محسوس ہونے لگتی ہے، اور دماغ مین دوسرے مشاغل کی جانب ملتفت ہونے کی صلاحیت بہت گہٹ جاتی ہے، بہ قول اسپنسر کے فطرت بڑی سخت محاسب ہے اگر کسی ایک مد مین زیادہ خرچ ہوجاتا ہے تو وہ دوسری مدون سے اتنا ہی کاٹ لیتی ہے" پس کسی شے پر کامل مرکزیت و یکسوئی کے ساتھ صرف توجہ کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ دوسری چیزون کی طرف توجہ کم ہوجائے اور عام قوت توجہ ایک بڑی حد تک ماند پڑجائے، اور ظاہر ہے کہ بڑے بڑے حکما، و فلاسفہ اپنے مخصوص پیش نظر مسائل پر خاص انہماک و یکسوئی صرف کرتے رہین۔

عمل توجہ مین یہ نہین ہوتا کہ انسان کے آلات حواس، بجز ایک سمت کے، اور ہر طرف سے بالکل معطل ہوجائین، وہ محسوس سب کچھ کرتا ہے، لیکن ہوتا یہ ہے کہ دماغ پر اثر قائم صرف اسی شے کا ہوتا ہے جو اسکے زیر توجہ ہوتی ہے، گویا ماحول سے بیشمار تیر ایک ہی وقت مین شعور پر چلائے جاتے ہین، اگر ٹہیک نشانہ پر ایک ہی تیر جاکر پیوست ہوجاتا ہے، باقی سب ہی اُسپر پڑتے ہین، مگر اُچٹتے ہوے آئے، اور چہوتے ہوئے نکل گئے، بے توجہی کی حالت مین یہ نہین ہوتا کہ انسان اپنے گرد و پیش کی چیزون کو دیکھتا یا سنتا نہو، بصارت و سماعت اپنے اپنے کام مین بدستور لگی رہتی ہین، بات صرف اتنی ہوتی ہے کہ اسوقت دماغ اُن سے کوئی ذرا بھی پائدار اثر نہین قبول کرتا، تہیجات در آور برابر داخل ہوتے رہتے ہین، لیکن دماغ پر

کوئی قابل لحاظ نقش نہین بناتے، بارہا دیکھا ہوگا کہ درجہ مین استاد سبق پڑھا رہا ہے، اور اکثر طلبہ اُسکی طرف سے بے التفات آپس مین باتین کر رہے ہین، اتنے مین استاد نے کوئی دلچسپ قصہ بیان کرنا شروع کیا، معاً درجہ مین خاموشی چھا گئی، اور سب کے سب اس جانب متوجہ ہوگئے، استاد کی تقریر کے الفاظ اُنکے کانون مین شروع سے آ رہے تھے، لیکن بیشتر چونکہ اُنہین کوئی دلچسپی نہ تھی، اسلئے ان الفاظ سے اُن کے دماغ مین کوئی معنوی کیفیت نہین پیدا ہوتی تھی، اور قصہ کے الفاظ چونکہ اُنکے لئے دلبستگی کا سامان رکھتے تھے اسلئے جونہی اُنکے دماغ تک پہنچے، دماغ نے اُن سے اثر قبول کرنا شروع کیا، اور وہ ہمہ تن توجہ و اشتیاق بنگئے

نفسیات توجہ مین ایک معرکۃ الآرا مسئلہ یہ ہے کہ نفس ایک وقت مین کتنی چیزون پر توجہ قائم رکھ سکتا ہے علماے نفس نے اسکے جواب مین بڑی بڑی موشگافیان کی ہین، لیکن اُسکا کھلا ہوا جواب یہ ہے کہ "صرف ایک پر"۔ یہ بے شبہہ ممکن ہے کہ وہ شے بجائے خود کثیر التعداد افراد یا اجزاء پر شامل ہو، لیکن نفس کے سامنے موجود ہونے کی حیثیت سے وہ حکم واحد ہی مین داخل ہوگی، انسان ایک ہزار روپیہ پر ایک ہی وقت مین توجہ بہ آسانی قائم رکھ سکتا ہے، لیکن کیونکر؟ ہزار روپیون پر فرداً فرداً نہین، بلکہ ایک ہزار کی مجموعی رقم پر، اور یہ جو اس طرح کے واقعات مشاہدہ مین آتے رہتے ہین کہ ایک شخص ایک ہی وقت مین کئی چیزون پر متوجہ ہے، یا مثلاً اس طرح کی روایات کہ جولیس سیزر ایک ساتھ چار چار خط اپنے ساتھیون سے لکھواتا تھا، اور پانچوان خود لکھتا جاتا تھا، تو اس قبیل کے واقعات مین یہ نہین ہوتا کہ انسان بعینہٖ آن واحد مین مختلف اشیاء پر توجہ کرتا رہے، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ مختلف اشیاء پر باری باری اس سرعت کے ساتھ اُسکی توجہ منتقل ہوتی رہتی ہے، کہ سارا سلسلہ بظاہر ایک معلوم ہوتا ہے، بجلی کے شرارے ایک سکنڈ مین بیشمار تعداد مین خارج ہوتے رہتے ہین، لیکن دیکھنے مین بجلی کی ایک ہی لہر معلوم ہوتی ہے

ہر شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے، جو شخص نیکی کو پہچانتا ہے، وہ بدی سے بھی واقف ہوتا ہے، مشغولیت کے ضمن مین ناظرین بے شغلی سے بھی واقف ہوگئے ہونگے، لیکن یہ بے شغلی و بے توجہی کی ایک ایسی

عام کیفیت نفسی ہے کہ اسکے لئے کسی مزید تعارف کی ضرورت نہین، ہر شخص کو روزانہ زندگی مین اسکا بکثرت تجربہ ہوتا رہتا ہے، آنکھین کھُلی ہوئی ہین مگر نظر کسی شئے پر قائم نہین، کسی کام مین دل نہین لگتا، بیکاری مین وقت گذر رہا ہے، پلنگ یا آرام کرسی سے اُٹھنے کو جی نہین چاہتا، شعور خفی مین یہ خیال ضرور گذر رہا ہے، کہ اُٹھکر فلان فلان کام کرنا چاہیئے، لیکن کاہلی اُٹھنے نہین دیتی، عدم مشغولیت دماغ پر مسلط ہے، فانوس طلسمی (میجک لینٹرن) کی تصویرون کی طرح جلد جلد ایک خیال دوسرے کی جگہ پر خود بخود آتا جاتا ہے، اور قوت فاعلی گویا بالکل معطل ہے۔ یہانتک کہ ایک عرصہ کے تعطّل و بیکاری کے بعد از خود حرکت پیدا ہوتی ہے، قوت فاعلی از سرنو عود کرتی ہے، اور اسوقت پھر کوئی مشغولیت شروع ہوجاتی ہے، جس طرح توجہ نام ہے، شعور مین انتہائی اجتماع و مرکزیت کا، اسی طرح بے توجہی اس کیفیت نفسی کا نام ہے، جسمین شعور انتہائی انتشار اور پھیلاؤ کی حالت مین ہو۔

صفحات بالا مین توجہ کی ماہیت نفسی اور اُسکے اہم خصائص معلوم ہوچکے، توجہ کیا ہے، شعور سے اسکا کیا تعلق ہے، اُسکے کتنے اقسام ہین، کن کن حالات و اسباب سے پیدا ہوتی ہے، اسکی تربیت و ترقی کیونکر ہوسکتی ہے، اسکے موانع کیا کیا ہین، ان تمام امور سے ہم واقف ہوچکے، لیکن توجہ کو تعلیم و فنِ تعلیم سے جو خاص و براہ راست تعلق ہے، اُسکے لحاظ سے یہ مناسب ہوگا کہ خاتمہ پر اسکی تعلیمی تفریعات بھی ایک دفعہ کرلین، یعنی جوکچھ معلومات حاصل ہوئے ہین، اُنہین فنِ تعلیم پر چسپان کرکے دیکھین کہ ان سے اس فن سے متعلق کیا کیا نتائج اخذ کیے جاسکتے ہین۔

اس حقیقت سے ہم باخبر ہوچکے ہین کہ نامانوس و غریب اشیاء سے ذہن کو طبعاً وحشت ہوتی ہے، اسلئے مانوس اشیاء کو نامانوس اشیا کی تعلیم کا زینہ بنانا چاہیئے، یا دوسرے لفظون مین، اسباق کو آسان سے دشوار، اور معلوم سے نامعلوم کی طرف جانا چاہیئے۔

جو چیزین ہروقت مشاہدہ و تجربہ مین آسکتی ہین، وہ یقیناً زیادہ صاف، آسان و قریب الفہم ہوتی ہین

بمقابلہ اُن مسائل کے جنکا تعلق عقل و فکر سے ہوتا ہے، اس بنا پر کلیہ بالا کے پہلو بہ پہلو یہ کلیہ بھی قائم کر سکتے ہین، کہ اسباق کو مادیات سے مجردات اور محسوسات سے معقولات کی جانب جانا چاہیئے، بجاے اسکے، بانی ادب کی دلچسپیون سے طلبہ کو خوگر کرنے کے، شروع ہی مین انکو صرف و نحو کے خشک قواعد و اصول از بر کرانے کے طریقہ کی سخت غلطی ان ہر دو کلیات کو پیش نظر رکھنے کے بعد واضح ہو جاتی ہے۔

اس نکتہ سے بھی ہم آشنا ہو چکے ہین کہ توجہ و یکسوئی سے دماغ پر کافی بار پڑتا ہے، جسکے تحمل کم عمر طلبہ نہین ہو سکتے، اور عرصہ تک قیام توجہ پر قدرت حاصل کرنے کے لئے کافی مشق و تربیت کی ضرورت ہے، جسکی توقع مبتدیون سے نہین ہو سکتی، اس سے ہم بآسانی یہ نتیجہ نکال سکتے ہین کہ اسباق کی بہت بجاے طویل ہونے کے مختصر ہونا چاہیئے۔

ہمین یہ بھی معلوم ہو چکا ہی کہ توجہ کا اصل الاصول ذوق و دلکشی ہے، اور ذوق کا جبر و تشدد سے پیدا ہونا ناممکن ہے، اسلئے بجز چند مخصوص صورتون کے جبکہ سخت گیری لازمی ہو جاتی ہے، عموماً بجاے زد و کوب کے طلبہ کو سمجھا بجھا کے تعلیم دینا چاہیئے۔

ذوق و دلکشی کا سب سے بڑا ضامن تہیجات کا تنوع ہے، تعلیم مین بعینہ اس اصول کو ہم جیسا کر سکتے ہین، اس نتیجہ تک یقین کے ساتھ پہنچ سکتے ہین کہ اسباق مین تنوع و تفنن ضرور ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

# ہندوستان کی گذشتہ اسلامی تعلیمگاہین

(۱)

از مولوی ابوالحسنات ندوی رفیق دارالمصنفین

صاحب مضمون نے نہایت محنت اور جانکاہی سے ایک رسالہ کی صورت مین یہ مضمون ندوۃ العلما منعقدہ ملگام مین پیش کرنے کے لئے لکھا تھا لیکن بعض اسباب سے اُن کا جانا نہوا، اسلئے اب یہ معارف مین شائع کیا جاتا ہے، ناظرین پورے مضمون کو پڑھکر اندازہ کرینگے کہ وہ کس تلاش اور محنت کا نتیجہ ہے۔

مسلمانون کے علمی کارنامون کو علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسائل کے مختلف مضامین مین بہ تفصیل لکھا ہے، مصر، شام، ایران، روم، خراسان، عراق اور افریقیہ مین مسلمانون نے جتنے تعلیمی مدارس ومکاتب قائم کئے، علامہ ممدوح نے ان مین سے ایک ایک کے نام گنائے، اور اُنکے حالات لکھے مین لیکن خاص سرزمین ہند کی نسبت جو ہمارا وطن ہے، ابتک کچھ نہین لکھا گیا، علامہ مرحوم تو گویا ہندوستان مین اسلامی مدارس کے قیام کے ابتداءً قطعی منکر تھے، چنانچہ اپنے رسائل کے مضمون "اسلامی مدارس" مین لکھتے ہین۔

"ہندوستان کے تذکرے مین ہمکو بے خطر کہنا چاہیئے کہ اس سرزمین پر شاید ایک بھی علمی عمارت نہین قائم ہوئی"

لیکن بعد ازین بعض ارباب قلم کے توجہ دلانے پر علامہ مرحوم نے اپنی اس تحقیق سے رجوع کیا اور اس عبارت پر حاشیہ دیکر طبع ثانی مین یہ الفاظ لکھے۔

"مین اس بات کا اعتراف کرتا ہون کہ میری یہ تحقیق صحیح نہین ثابت ہوئی، ہندوستان مین بہت سے مدارس تعمیر ہوئے تھے گو اب اُنکا نام ونشان نہین رہا"

تاہم اس اعتراف سے اصلی عقدہ نہ کھل سکا، اور اس مبحث کی نسبت کوئی تفصیلی علم حاصل نہوا، اسلئے

بڑی ضرورت تھی کہ اس ضروری مضمون کے متعلق جو کچھ معلومات ہون انکو یکجا کر دیا جائے ۔

## اجمالی اشارات

اسمین شک نہین کہ یہ مضمون جسقدر اہم ہے، اُسیقدر مشکل اور محنت طلب بھی ہے، اولاً اس خاص عنوان کے لئے فارسی تاریخون مین جو کچھ مواد ہین وہ اسقدر منتشر اور ضمنی ہین کہ اُن پر مشکل نگاہ پڑ سکتی ہے، ثانیاً ان تاریخی کتابون کا طرز تحریر قدیم مذاق تاریخ نویسی کے باعث کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ اگر ہم گذشتہ زمانہ کی تمدنی سیاسی، اور علمی حالات کو اُن مین مبسوط و مفصل طور پر تلاش کرنا چاہین تو اس تلاش مین بڑی ناکامی ہوگی قدیم تاریخین زیادہ تر در اصل بادشاہون کی سوانحعمریان ہین، جنمین خصوصیت کے ساتھ انکے فتوحات ملکی اور اور جنگی کارنامے جو اس زمانہ کے سب سے زیادہ قابل توجہ واقعات تھے تفصیل و بسط کے ساتھ مذکور ہوتے ہین، اس بنا پر تاریخ کے صفحات بھی میدان کارزار بنگئے ہین، یہ ظاہر ہے کہ تلوارون کی جھنکار، طبل و بوق کی گونج، اور صف جنگ کے غوغاے رستخیز مین درس و تعلیم کی کمزور آوازین کیونکر سنائی دیسکتی ہین ؟

تاہم اگر تاریخی صفحات کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو ان مین بادشاہون کے حالات زندگی کے ضمن مین دوسری قسم کے واقعات بھی ملجاتے ہین، اگر کوئی شخص محنت اور جستجو سے کام لے تو گذشتہ زمانہ کی سیاست، نظم حکومت، طریق عدل و انصاف، تہذیب و تمدن اور دیگر ضروری حالات کا اندازہ لگانیکے لئے منتشر طور پر اُسکو کافی واقعات مل سکتے ہین، مین اس رسالہ مین اپنی اسی قسم کی تلاش و جستجو کے نتائج پیش کرنا چاہتا ہون جنکا تعلق محض ہندوستان کے علمی و تعلیمی حالات سے ہے ۔

اس سے پہلے کہ اصل مضمون پر سلسلۂ سخن شروع کیا جائے، چند ایسے اجمالی امور کی تشریح و توضیح کر دینا مناسب ہے، جن سے یہ معلوم ہو کہ قدیم فارسی تاریخون مین ہندوستان کے گذشتہ مدارس کے متعلق کیون تصریحی ابواب نہین ملتے، نیز وہ عمارات و اماکن کون تھے جن سے تعلیم گاہون کے کام لئے جاتے تھے ۔

(۱) مسلمان اپنے مذہبی مذاق کی بنا پر ہمیشہ تعلیم و تعلم اور درس و تدریس کو مذہبی و دینی شغلہ اور کار خیر خیال کرتے رہے ہین، وہ طلبار کی امداد، تعلیم کی اشاعت، کتب و اسباب درس و تعلیم کا وقف، مدارس کی بنا و تاسیس، علمار کی خدمت و اعانت وغیرہ کو ایک مذہبی حکم اور برکت و فلاح دارین کا باعث سمجھتے تھے، اس بنا پر یہ چیز بھی انکے اور ضروریات زندگی کی طرح انکی زندگی کا لازمی و ضروری جزو ہو گئی تھی، اور چونکہ ایک شخص کے روزمرہ اعمال زندگی اسکی تاریخ حیات مین خاص طور پر اہمیت کے ساتھ قابل ذکر نہین سمجھے جاتے تھے بلکہ عام الفاظ مین دوسری ضروریات زندگی کے ساتھ سرسری طور پر مذکور ہوتے ہین اسلئے قدیم ایام مین مسلمانون نے تعلیمی سلسلہ مین جو کچھ کارہائے نمایان کئے ہین، انکو قدیم مورخین مخصوص ابواب و فصول مین نہین بیان کرتے۔

(۲) ہر شخص نے فارسی تاریخون مین سلاطین اسلام کے اعمال زندگی مین عموماً یہ الفاظ پڑھے ہونگے۔

"در عہد حکومت خود تالابہا و چاہ ہا و پلہا بستند، و در ہر طرف دیگر عمارات و بقاع خیر نیز بنا نہادند"

ایسی عبارتون مین عموماً عمارات و بقاع خیر سے مراد مدرسے، مکتب، مسجدین اور خانقاہین ہین۔

(۳) جیسا کہ آیندہ تفصیلاً معلوم ہوگا، قدیم زمانہ مین تعلیم کے لئے عموماً علحدہ عمارتین نہین ہوتی تھین زیادہ تر یہ کام مساجد سے لیا جاتا تھا، اس زمانہ کی تمام مسجدین مدارس کا کام دیتی تھین، اسلئے ہر قدیم وسیع مسجد ایک بڑی درسگاہ تھی یہی سبب ہے کہ ہندوستان کے قدیم اسلامی شہرون مین قدم قدم پر تمکو چھوٹی چھوٹی مسجدین ملین گی۔ دلی، آگرہ، لاہور، جونپور، بیجاپور، احمد آباد، گجرات، وغیرہ قدیم اسلامی دارالسلطنتون مین جو عظیم الشان مسجدین تعمیر ہوئی تھین اور جو اب تک باقی ہین، انکی ہیئت کذائی صاف بتاتی ہے کہ انکا بڑا حصہ تعلیم گاہون کے کام مین آتا تھا، ان مسجدون مین اب تک تمکو صحن کے چارون طرف چھوٹے چھوٹے حجرون کا وسیع سلسلہ نظر آئیگا، یہ درحقیقت طلبہ اور مدرسین کے رہنے کے مقامات تھے اور انمین سے بعض اب تک اسی کام مین ہین۔

(۴) قدیم خانقاہین بھی عموماً تعلیم گاہون کے فرائض ادا کرتی تھین، متصوفین اور گوشہ نشین مشائخ زمانہ

اسوقت صرف مجاہدۂ نفس و وظائف ہی کو عبادت نہین سمجھتے تھے، بلکہ علوم معقول و منقول اور ظاہر و باطن دونون کی تعلیم و تدریس اپنا حقیقی نصب العین خیال کرتے تھے قدیم مشائخ و بزرگان دین کے حالات مین درس و تدریس کا شغل عمومًا نظر آتا ہے، ہر خانقاہ مین تشنہ لبان تصوف و علوم باطن کی طرح طالبین علوم ظاہر کی جماعت کثیر بھی پائی جاتی تھی، خانقاہون کے لئے حکومت کی طرف سے جو عطیے یا شخصی اوقاف ہوتے تھے، انکا بڑا حصہ طلبا پر صرف ہوتا تھا؛ اس بنا پر قدیم خانقاہون کو بھی مدارس و مکاتب کے سلسلہ مین شمار کرنا چاہیئے۔

(۵) سلاطین اور بزرگان کرام کی قبرون پر جو مقبرے اور روضے تعمیر ہوتے تھے، انکے ساتھ اردگرد بہت سے حجرے اور کمرے اسی غرض سے تعمیر ہوتے تھے کہ وہ مدرسون کے کام مین آئین، چنانچہ مقبرۂ علاء الدین خلجی اور مقبرۂ ہمایونی وغیرہ کا ذکر آگے آتا ہے، اسوقت بھی جو قدیم مقبرے دلی، آگرہ، احمد آباد، بیجاپور وغیرہ مین قائم ہین، انکی ہیئت خود انکی تاریخ کو بتا رہی ہے۔

ان اجمالی اشارات کے بعد ان مخصوص عمارات کا ذکر کیا جاتا ہے، جو اس سلسلہ سے الگ خاص مدارس کے نام سے تعمیر ہوئے، یہ معلومات مختلف کتابون کے منتشر و پراگندہ بیانات سے فراہم کئے گئے ہین۔

## ہندوستان مین مسلمانون کی آمد

گو ہندوستان مین مسلمانون کا داخلہ پہلی صدی ہجری کے آخر مین ہوا لیکن یہ داخلہ پورے ملک ہند پر موثر نہ تھا، البتہ اتنا ضرور ہے کہ ظلمت کدۂ ہند کے بعض اطراف مین نور اسلام کی شعاعین اسی زمانہ مین پڑین، لیکن صحیح معنی مین اسلامی حکومت کے قدم سرزمین ہند مین سلطان محمود غزنوی کی مجاہدانہ مساعی کی بدولت جمے، اور اسلئے اسی وقت سے اسلامی حکومت کا آغاز سمجھنا چاہیئے، سلطان محمود کی توجہ فتح ہند کی طرف ۳۹۰ھ سے ہوئی اور پھر رفتہ رفتہ ہندوستان کا بیشتر مغربی حصہ اسلامی پرچم کے نیچے آگیا، اسلامی فتوحات کی یہ عام خصوصیت ہے کہ پہلے بے شبہہ تیغ و تبر سے کام لینے والی

نوجہین بڑہاتی ہین، لیکن فتح کے بعد وہ تلوار ہمیشہ اُنکے ہاتھون مین نہین رہتی، بلکہ امن وامان قائم ہوتے ہی ان کے ہاتھون مین کتاب وقلم نظر آتے ہین، جنکے رشحات فیض سے وہ سارے ملک مین علم وفضل کا دریا بہادیتے ہین،

اولوالعزم سلطان محمود کا دارالسلطنت غزنی تہا، ہندوستان کے مفتوحہ علاقون کا طرز حکومت موجودہ زمانہ کی صوبجاتی حکومت کے اصول پر تہا، جہان اسکے امراجنکو اس زمانہ کے لفٹننٹ گورنر کہیئے نظم ونسق کرتے تہے، اس قدیم زمانہ کی نسبت اگرچہ تصریح کے ساتھ نہین کہا جاسکتا کہ اس وقت ہندوستان کی تعلیم کے لئے اسلامی حکومت نے کیا انتظام کیا تہا، تاہم اتنا معلوم ہے کہ سلطان محمود علم دوست اور عالم پرست بادشاہ تہا، اسکا دربار علما، حکما، اور شعراء کا مرجع وماویٰ تہا، اسکو اپنے حدود حکومت مین مدارس ومساجد کے قیام کا بیحد شوق تہا، سنہ ۴۰۹ھ کے بعد جب سلطان محمود فتح قنوج سے کامیاب غزنی واپس آیا ہے تو اس نے جامع مسجد اور مدرسہ کی بنیاد رکہی، چنانچہ فرشتہ لکہتا ہے :-

"سلطان چون فتح فیروزی این سفر مراجعت نمود، فرمود، تا در غزنی مسجد جامع بنیاد نهادند و اصل عمارت مسجد از سنگ مرمر و رخام مربع و مسدس و مثمن و مدور برآوردند بطرزیکه بینندگان از متانت وطراحی آن متحیر شدند وبعد از اتمام عمارت بموجب حکم بوئے آنرا بانواع زینت فرش وقندیل مزین ساختند که ظرفاے وقت آن مسجد را عروس فلک می گفتند، ودرجوار آن مسجد مدرسۂ بنا نهاده و بنفائس کتب وغرائب نسخ موشح گردانیده و دہات بسیار بر مسجد ومدرسہ وقف فرمود"

(فرشتہ جلد اول حالات محمود غزنوی)

بادشاہ کا یہ مذاق دیکھکر اسکے امرا واعیان دولت بھی اسکی پیروی کرتے تہے جسکی بدولت ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اسکے حدود حکومت مین تعلیم کی کتنی گرم بازاری ہوگی، چنانچہ بیان ماسبق سے متصل

سم فرشتہ لکھتا ہے ۔

" وبمقتضاے الناس علےٰ دین ملوکہم ہریکے از امرا و اعیان دولت بہ بناے مسجد و مدارس

در باطات و خوانق مبادرت نمودند ۔"

پس ایسے عہد حکومت مین یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہندوستان تعلیمی ذرایع و اسباب سے خالی ہوگا بادل

ب برستا ہے تو دشت و چمن دونون کو یکسان سیراب کرتا ہے ۔

مین اس سے ایک اور نتیجہ تک پہنچنا چاہتا ہون وہ یہ کہ اسلامی عہد حکومت مین جیسا کہ تفصیلاً آگے

دم ہوگا، مساجد کے پہلو بہ پہلو مدارس و مکاتب کے قیام کا عام مذاق پیدا ہوگیا تھا، میرے خیال مین

ا ذریعہ بھی عہد محمودی ہی تھا، یعنی سلطان محمود اور اسکے امرا کے توسط سے ابتداءً یہ طریقہ ہندوستان مین

ل ہوا اور بعد کو رفتہ رفتہ عام طور پر رواج پا گیا ۔

سلطان محمود کے بعد اسکا دوسرا بیٹا شہاب الدین مسعود تخت نشین حکومت ہوا، یہ علمار کا مربی

علم پرور بادشاہ تھا، اسکی علمی فیاضیان بہت بڑی ہوئی ہتین، اکثر علما نے اسکے نام سے کتابین لکھین

ی ابو محمد ناصحی نے فقہ مسعودی کے نام سے ایک کتاب فقہ احناف مین لکھی اور اسکے نام سے منسوب کی،

ریحان خوارزمی منجم جو ریاضیات مین بے نظیر تھا، اُس نے قانون مسعودی لکھکر جو انعام پایا اُسکے

لق فرشتہ لکھتا ہے :-

" ابو ریحان خوارزمی منجم کہ علامۂ وقت بود در ریاضیات نظیرے نداشت، قانون مسعودی

در علم ریاضی بنام نامی آو نوشت و فیلے از نقرہ صلہ یافت ۔"

اس نے اپنے حدود حکومت مین بکثرت مدارس قائم کئے، فرشتہ لکھتا ہے ۔

" در اوائل سلطنت او در ممالک محروسہ چندان مدارس و مساجد بنا شد کہ زبان از تعداد

آن عاجز و قاصر است ۔"

پورے پونے دوسو برس کی حکومت کے بعد خسرو ملک بن خسرو شاہ غزنوی کی شکست پر جو سنہ ۵۸۲ھ مین بمقام لاہور امیر شہاب الدین محمد غوری کے مقابلہ مین نصیب ہوئی، حکومت ہند خاندان غزنوی سے خاندان غوری مین منتقل ہوگئی

## مدارس اجمیر

۵۸۸ھ مین شہاب الدین محمد غوری نے اجمیر کو فتح کیا ہے، مصنف تاج المآثر[1] (حسن نظامی نیشاپوری) کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شہاب الدین محمد غوری نے اجمیر مین متعدد مدرسے قائم کئے ان مدارس کی تاریخ بنا صحیح طور پر متعین نہین، لیکن سنہ مذکور کے بعد قریب ہی قریب مین ہوگی، اس بنا پر یہ مدرسے ہندوستان کے قدیم ترین مدارس ہین،

## مدارس دہلی

اسوقت تک ہندوستان کے شاہنشاہی تعلقات غزنی کے ساتھ تھے، شہاب الدین غوری کے بعد قطب الدین ایبک نے ۵۸۹ھ مین لاہور کے بجاے دہلی کو ہند کا دارالسلطنت قرار دیا، قطب الدین کا جانشین شمس الدین التمش ۶۰۷ھ مین تخت نشین ہوا، اس بادشاہ نے خاص دارالسلطنت دہلی مین متعدد مدارس قائم کئے، گو تعین ویقین کے ساتھ نہین کہا جا سکتا لیکن قرینہ سے ثابت ہوتا ہے کہ دہلی کا مشہور ومعروف مدرسہ معزی اسی علم پرور بادشاہ کے عہد حکومت کی یادگار ہے، کیونکہ بدایون مین بھی شمس الدین التمش نے اپنے ایام امارت مین ایک مسجد اور اسکے متصل معزی نامی مدرسہ قائم کیا تھا، قرینہ یہ ہے کہ اس نے یہ مدارس اپنے آقاے ولی نعمت شہاب الدین غوری" جسکا اصلی نام معزالدین محمد غوری" ہے کے نام پر قائم کئے تھے، سلطانہ رضیہ بنت شمس الدین التمش کے عہد حکومت مین جب قرامطہ نے دہلی پہ یورش کی تھی تو حسب بیان مصنف طبقات ناصری وہ اس مدرسہ کے قریب تک گھس آئے تھے، یہ

---

[1] یہ ہندوستان کی سب سے قدیم فارسی تاریخ ہے، اسکا ایک قلمی نسخہ حیدرآباد دکن کے کتبخانہ آصفیہ مین ہے۔

زمانہ ۶۳۱ھ تھا، مدرسہ معزی دہلی کے ایک مدرس مولانا بدرالدین سمرقندی بخاری تھے جو معقول منقول میں اپنے وقت کے سرآمد روزگار تھے۔

اس عہد کے بعد دہلی میں ایک اور عظیم الشان مدرسہ کا پتہ چلتا ہے، جسکا نام مدرسہ ناصریہ تھا، یہ مدرسہ ناصرالدنیا والدین شہزادہ محمود بن سلطان شمس الدین التمش کے نام پر قائم کیا گیا، طبقات ناصری کے مصنف سراج الدین عثمان اس مدرسہ کے مہتمم و نگران تھے، مصنف نے یہ کتاب بھی اسی شہزادہ کے نام پر لکھی تھی،

مدرسہ مقبرۂ علاؤالدین خلجی[1] یہ مدرسہ مسجد قوۃ الاسلام اور قطب صاحب کی لاٹ کے متصل واقع تھا ۷۱۶ھ میں علاؤالدین خلجی کا انتقال ہوا، اسکے بعد سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی نے غالباً ۷۱۷ھ میں یہ مقبرہ بنوایا، مقبرہ، مدرسہ اور مسجد سب کی مرمت فیروز شاہ نے اپنے عہد حکومت میں کی صندل کے چھپرکھٹ چڑھائے، صحیح طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ مدرسہ کب قائم ہوا، اگر قطب الدین مبارک شاہ نے مقبرۂ علائی کے ساتھ بنوایا تو اسکا سنہ بنا ۷۱۷ھ ہوگا، اور اگر مسجد قوۃ الاسلام کے ساتھ اسکی بنیاد پڑی تو ۵۸۷ھ تاریخ بنا ہوگی، کیونکہ اسی سال قطب الدین ایبک نے اس مسجد کی بنیاد ڈالی تھی، پھر ۶۲۷ھ میں سلطان شمس الدین التمش نے بھی اس مسجد پر تین محرابوں کا اضافہ کیا، اور اصل لاٹ پر بھی پانچ درجے زیادہ کئے، ممکن ہے کہ مدرسہ کی بنیاد اسی سلسلۂ تعمیرات میں پڑی ہو، اسلئے ٹھیک تاریخ بنا نہیں بتائی جا سکتی، میرے خیال میں دوم اور سوم عہد کو ترجیح ہے، عہد اول میں صرف مقبرہ کی تعمیر ہوئی۔

دہلی میں ایک مدرسہ حوض خاص[2] مشہور مدرسہ تھا، حوض دراصل سلطان خلجی کا بنوایا ہوا تھا اس نے اپنے تخت نشینی کے سال ۶۹۵ھ میں بنوایا تھا، فیروز شاہ کے زمانہ میں یہ حوض مٹی سے بھر گیا تھا بادشاہ فیروز نے اسکو صاف کرایا، جہاں جہاں مرمت کی ضرورت تھی مرمت کیگئی، اور تقریباً ۷۵۳ھ میں

---

[1] فتوحات فیروز شاہی [2] ایضاً۔

اسکے اوپر ایک مدرسہ قائم کیا جسمین مشہور مدرسین جمع کئے گئے، اس مدرسہ کے صدر مدرس سید یوسف بن جمال حسینی تھے، انکا انتقال ۷۹۰ھ مین ہوا اور اسی مدرسہ کے صحن مین دفن کئے گئے۔

مدرسہ فیروز شاہی، دہلی کا یہ سب سے مشہور اور اپنے عہد کا بہترین مدرسہ تھا، فیروز شاہ نے یہ مدرسہ فیروز آباد دہلی مین ۷۵۳ھ مین قائم کیا تھا، ضیاء برنی نے اسکی تعریف مین صفحے کے صفحے سیاہ کر ڈالے ہین، لکھتا ہے،

"یہ مدرسہ اپنی شان و شوکت، خوبی عمارت، وموقع اور حسن انتظام و تعلیم کے لحاظ سے تمام مدارس ہند مین سب سے بہتر اور عمدہ ہے، مصارف کے لئے شاہی وظائف مقرر ہین"

طرز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ کے متصل مسجد بھی تھی، مولانا جلال الدین رومی اس مدرسہ کے مدرس دینیات تھے۔

مدرسہ بالابند آب سیری، یہ مدرسہ درصل ایک شاہی عمارت مین واقع تھا، ضیاء برنی لکھتا ہے کہ مدرسہ فیروز شاہی کی عمارت سے دہلی کی کوئی عمارت حسن عمارت وموقع مین اگر مقابلہ کرسکتی ہے تو وہ یہی مدرسہ بالابند آب سیری کی عمارت ہے، اسکے بعد ضیاء برنی لکھتا ہے۔

"مولانا سید الائمہ والعلماء نجم الملتہ والدین سمرقندی کہ از نوادر اساتذہ است، در آن عمارت مبارک مدرس گشتہ۔"

اسکے لئے کچھ وقف اور شاہی وظیفہ مقرر کردیا گیا تھا، نیز بہت سے طلباء کی کفالت کیجاتی تھی، اور وہ استاد مذکور سے فیض تعلیم حاصل کرتے تھے۔

ماہ صفر ۷۷۶ھ مین سلطان فیروز شاہ نے اپنے بیٹے شہزادہ فتح خان کی وفات پر اسکے مقبرہ کے ساتھ ساتھ بطور کار خیر و ایصال ثواب ایک مدرسہ[1] بھی قائم کردیا جسکے اخراجات کا مدار شاہی وظائف پر تھا

---

[1] تاریخ فرشتہ آثار الصنادید۔

ہمایون کا عہد حکومت تقریبًا ۹۳۵ھ سے شروع ہوتا ہے، اس نے علوم و فنون کی ترقی مین اگلے بادشاہون سے کچھ کم کوشش نہین کی، ہمایون علوم کا عاشق اور شیفتہ تھا، علم ہیئت و جغرافیہ سے اسکو خاص مناسبت تھی، اُس نے طبایع عناصر پر ایک خاص رسالہ لکھا تھا، کرے، اور سطرلاب جو عمومًا مدارس ہند مین آج نظر آتے ہین، یہان ابتداءً انکا رواج دینے والا بھی یہی ہمایون ہے، اس نے خود ایک خاص قسم کا اسطرلاب ایجاد کیا تھا جو اسطرلاب ہمایونی کے نام سے مشہور ہے، چنانچہ ہمارے دار العلوم ندوہ کے کتبخانہ مین ایک اسطرلاب موجود ہے جس پر صانع کی یہ عبارت کندہ ہے۔

عمل ضیاء الدین محمد بن قاسم محمد ابن ملا عیسیٰ ابن شیخ الہداد اسطرلابی ہمایونی لاہوری فی ۱۰۵۴ھ

ہمایون نے دہلی مین ایک مدرسہ قائم کیا جسکے ایک مدرس شیخ حسین تھے، لوگون کو یہ عام طور پر معلوم نہین کہ ہمایون کے مقبرہ کے اُوپر جو چھت تھی وہ در اصل ایک مدرسہ[۱] تھا جسمین بڑے بڑے اساتذۂ وقت تعلیم دیتے تھے، اور مقبرہ کے پہلو مین چھوٹے چھوٹے کمرے طلبار کی اقامت کے لئے بنے ہوئے تھے۔

عہد اکبری مین ماہم بیگم نے جو اکبر اعظم کی مرضعہ تھین، ۹۶۹ھ مین پرانے قلعہ کے پاس مغربی دروازے کے مقابل مین ایک مسجد اور مدرسہ بنوایا، مدرسہ کا نام خیر المنازل رکھا گیا جس پر یہ کتبہ لگا ہوا تھا

بدوران جلال الدین محمد　　که باشد اکبر شاہان عادل
چو ماہم بیگم عصمت پناہی　　بنا کرد این بنا بہر افاضل
وہے شد ساعی این بقعہ خیر　　شہاب الدین احمد خان اول
زہے خیریت این خیر منزل　　که شد تاریخ او خیر المنازل

جلوس اکبری کے آٹھوین سال اکبر پر حملہ کرنیکی جو کوشش کی گئین وہ اسی کے قرب وجوار کا واقعہ تھا، گو اب یہ مدرسہ کھنڈر ہے لیکن آج بھی اُسکے باقیماندہ آثار اسکی گذشتہ عظمت و شوکت کو

---

[۱] آثار دہلی از اسٹیفن۔

یاد دلاتے ہین،

شیخ عبدالحق محدث دہلوی جو جہانگیر کے عہد مین تھے، اخبار الاخیار مین ایک مدرسہ کا ذکر کرتے ہیں جہان انھون نے تعلیم پائی تھی، اس مدرسہ مین تعلیم کا وقت صبح سے دوپہر تک اور ظہر کے بعد سے شام تک مقرر تھا، چنانچہ شیخ موصوف روزانہ اپنے گھر سے انہین اوقات مین مدرسہ جایا کرتے تھے۔

دلی کی جامع مسجد عہد شاہجہانی کی صرف تعمیری یادگار نہین بلکہ اس سلسلہ مین اوراق تاریخ پر چند اور رفاہ عام کی عمارتین بھی ہمیشہ یادگار زمانہ رہین گی، جیسا کہ اسٹیفن نے لکھا ہے، مسجد کے شمالی رخ پر شاہی شفاخانہ قائم تھا، جہان غربا اور مسکینون کے لئے علاج کے تمام اسباب و سامان مہیا کر دیئے گئے تھے، مفت علاج کیا جاتا تھا، اور دوائین بھی بلا قیمت تقسیم کیجاتی تھین، مسجد کے جنوبی رخ پر شاہی مدرسہ تھا، اس مدرسہ کا سال بنا تخمیناً ۱۰۶۰ھ عہد شاہجہانی ہے، یہ مدرسہ گردش روزگار کے ہاتھون ۱۸۵۷ء کے غدر کے بہت پہلے سے ویران پڑا ہوا ہے، اس عظیم الشان مدرسہ کا نام دار البقا تھا،

بہادر شاہ کے عہد حکومت مین ایک نیا مدرسہ دلی مین قائم ہوا، جسکے بانی امیر غازی الدین خان فیروز جنگ تھے، مرحوم اپنے مدرسہ ہی مین مدفون ہوئے، سال وفات ۱۱۲۲ھ ہے، امیر غازی الدین نواب آصفجاہ بانی خاندان حیدرآباد دکن کے والد بزرگوار تھے، یہ وہ علم پرور خاندان ہے جسکے فیض کرم سے آج بھی ہندوستان کا گوشہ گوشہ سیراب ہو رہا ہے، امیر غازی الدین اورنگ زیب عالمگیر کے ان محبوب و معتمد امرا مین تھے جو دربار بہادر شاہی کے بھی معتمد رکن رہے، امیر غازی الدین نے یہ مدرسہ اجمیری دروازہ کے قریب قائم کیا تھا، مدرسہ کی عمارت کے ساتھ ایک مسجد بھی تعمیر کرائی، اس مدرسہ کی شکستہ عمارت مین ابھی تک ایک خوبصورت دروازہ باقی ہے جو ایسے مقام پر لیجاتا ہے جسکی ظاہری حالت یہ بتاتی ہے کہ وہ مدرسہ کا مطبخ تھا،

نواب اعتماد الدولہ فضل علیخان لکھنوی نے اس مدرسہ کے خرچ کے واسطے ایک لاکھ ستر ہزار روپئے

انگریزی کمپنی کو دیئے تھے، چنانچہ کمپنی کی طرف سے مقبرہ کی دیوار پر انکے نام کا ایک کتبہ لگایا گیا جسکی عبارت یہ ہے،

## کتبۂ مقبرہ غازی الدین خان

نہ بر لوح نقشے بماند لیک   جزای عمل ماند و نام نیک

"بیاد حسنات نواب اعتماد الدولہ ضیاء الملک سید فضل علیخان بہادر سہراب جنگ کہ یک لک و ہفتاد ہزار روپیہ برائے ترقی علوم در مدرسہ ہذا واقع دہلی خاص مولد و موطن خویش بصاحبان کمپنی انگریز بہادر تفویض نمودہ اند منقوش گردیدہ ۱۸۲۹ء"

محمد شاہ کے عہد حکومت مین نواب شرف الدولہ ارادت خان نے ایک مدرسہ اور اسکے ساتھ ایک مسجد بنوائی، اس مدرسہ کا سال بنا ۱۱۳۵ھ ہے، مسجد پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے،

در زمان شہ خورشید سریر   ظل حق ماہ زمین شاہ زمان

ناصر الدین محمد شاہ است   تیغ اوکفر شکن در دوران

شرف الدولہ بنا فرمودہ است   مسجد و مدرسۂ عالی شان

این دو بیت الشرف علم و عمل   ہمچو سعدین فلک کردہ قران

سال تاریخ بنا گفت خرد   قبلۂ حج ارادت کیشان

دلی کا سب سے آخر الذکر لیکن کثیر المنافع مدرسہ شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی کا ہے، یہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے پدر بزرگوار، و فتاوی عالمگیری کے جامعین مین تھے، یہی مدرسہ تھا جسکے آغوش مین شاہ ولی اللہ، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی، شاہ اسمعیل، شاہ اسحاق، شاہ عبدالقادر وغیرہ علماے کرام پل کر جوان ہوئے، اور آخر باری باری سے اسکے مسند درس پر متمکن ہوئے یہی وہ سرچشمۂ فیض ہے جہان سے حدیث نبوی کے برکات تمام گوشہ ہاے ہند مین پھیلے اس مدرسہ کی مٹی ہوئی یادگار اب تک دلی مین باقی ہے۔ (باقی)

# موجودہ مشرقی کتبخانے

(۲)

از مولانا عبد السلام ندوی

**علمی انجمنون کے کتبخانے** مصر مین بہت سے کتبخانے علمی انجمنون سے تعلق رکھتے ہین جنمین اہم کتبخانے حسب ذیل ہین،

**کتبخانہ مجمع علمیہ مصریہ** اس کتبخانے مین ۲۳۰۰۰ کتابین ہین، جنمین زیادہ تر فرنچ، انگریزی اور اٹالین زبانون مین ہین، اور عربی زبان کی کتابین کم ہین، اکثر کتابین تاریخ، جغرافیہ، ریاضیات، علم الآثار اور زراعت وصناعت کی ہین،

**کتبخانہ جمعیۃ جغرافیہ خدیویہ** اس مین زیادہ تر فرنچ زبان مین جغرافیہ بالخصوص افریقہ کے جغرافیہ کی ۵۰۰۰ جلدین ہین، اس جمعیت جغرافیہ نے مشرق ومغرب مین جو جغرافیانہ تحقیقات کی ہے، اسکی مفصل رپورٹ بھی موجود ہے، اور ایک قابل قدر چیز خیال کیجاتی ہے،

**سرکاری دفاتر کے کتبخانے** مصر کا کوئی محکمہ کتبخانے سے خالی نہین، لیکن اکثر کتابین وہ ہین جو سرکاری امور سے تعلق رکھتی ہین، البتہ بعض کتبخانون مین علوم وفنون کی کتابین بھی ہین،

**محکمہ نظارت نافعہ کا کتبخانہ** پبلک ورکس کے دفتر مین یہ کتبخانہ قائم ہے، اسمین انگریزی، فرنچ اور عربی زبان کی ۳۰۰۰ کتابین ہین، جو زیادہ تر اس محکمہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہین، ۲۵۰ سرکاری رپورٹین، اور آثار عربیہ اور ہندیہ کی کتابین ہین، ۳۲۰ کتابین جیالوجی، میکانک، اور کائنات کے متعلق ہین، ۱۵۰ آبپاشی پر ہین، ۲۱۰ سفرنامے، اور سرکاری مردم شماریان ہین، اور بقیہ کتابین

فن تعمیر اور ہندسہ وغیرہ کی ہیں،

محکمۂ جنگ کا کتبخانہ اسمین فرنچ، انگریزی، عربی، اٹالین، اور جرمن زبان کی تقریباً ۵ ہزار کتابین ہین، جو مصر، سوڈان اور انکے قرب وجوار کے ملکون کی تاریخ، جغرافیہ، اور اقتصاد وسیاسی سے تعلق رکھتی ہین،

اسکندریہ کے کتبخانے بطالسہ ہی کے زمانے سے اسکندریہ خاص طور پر اپنے مشہور کتبخانے کی وجہ سے مشہور ہے، لیکن یہ کتبخانہ بار بار کی آتشزدگی سے برباد ہوگیا، اور اب اسکا عین واثر باقی نہین، تمدن اسلامی نے بھی اپنے عہد عروج مین اسکی تلافی نہین کی، کیونکہ خلفا، وسلاطین نے جو عظیم الشان کتبخانے قائم کئے، وہ قاہرہ مین کئے جو انکا دارالسلطنت ومستقر حکومت تھا، جدید دور مین جو نئے پبلک کتبخانے قائم ہوے وہ بھی حسب عادت قدیمہ قاہرہ مین ہوئے، اور اسکندریہ ۱۸۹۲ء تک اس فخر سے محروم رہا،

میونسپلٹی کا کتبخانہ لیکن جولائی ۱۸۹۲ء مین ممبران میونسپلٹی نے ایک پبلک کتبخانہ قائم کیا اور یورپین کتابون کا مہتمم سوئٹزرلینڈ کے ایک شخص کو، اور عربی کتابون کا مہتمم شیخ احمد ابو علی الازہری کو مقرر کیا یہ کتبخانہ ابتدا مین اسکندریہ کے میوزیم کی عمارت مین تھا، پھر خود میونسپلٹی کی عمارت مین منتقل ہوگیا اسوقت اسمین یورپین زبانون کی صرف چند کتابین تھین، لیکن شیخ احمد نے عربی کتابون کی تعداد مین اضافہ کرنا چاہا، میونسپلٹی کے چیرمین، یوسف شکور پاشا نے ان سے اتفاق کیا اور خود سلطنت سے اسکے متعلق سلسلہ جنبانی کی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ خود سلطنت نے ۲۰۴۱ عربی کتابین مطبع بولاق کی مطبوعہ کتبخانے کو ہدیۃً دین، یہ پہلا دن تھا کہ کتبخانے مین عربی زبان کی شاخ قائم ہوئی، اسکے بعد یورپین اور عربی کتابون کا اضافہ ہوتا رہا، اور انکی تعداد ۲۰۹۱۰ تک پہنچ گئی جسمین ۵۲۰۰ کتابین عربی کی اور ۴۴۰۰ کتابین یورپین زبانون کی ہین، یہ کتبخانہ، کتبخانہ خدیویہ کی طرح ہمیشہ پبلک کیلئے

کھلا رہتا ہے، اور اسمین بہت سی نادر کتابون کا ذخیرہ موجود ہے[1]،

**کتبخانہ عباسیہ** اس کتبخانے کی بنیاد اس طرح قائم ہوئی کہ اعیان اسکندریہ مین حاج علی شتا کے پاس بہت سی کتابین تہین، جنکو انھون نے فروخت کرنا چاہا، لیکن شیخ عبدالفتاح نے انکو مشورہ دیا کہ وہ انکو وقف کرکے سید ابی العباس مرسی کی یادگار مین ایک کتبخانہ قائم کردین، انھون نے اس رائے سے اتفاق کیا، اور شیخ عبدالفتاح اور محمد آفندی توفیق نے بھی بہت سی کتابین دین، جنکو مسجد ابی العباس مرسی مین کتبخانے کی شکل مین جمع کیا گیا، اسکے بعد جب علماے اسکندریہ نے اپنا اجتماعی نظام قائم کیا تو اس کتبخانہ کو اپنے ہاتھ مین لیلیا، اور اسکو بہت کچھ وسعت دی، اور بہت سے لوگون نے اس کتبخانہ کی اعانت کی، اب اسمین مختلف علوم وفنون کی ۵۰۰۰ کتابین ہین،

**قصبات اور دیہات کے کتبخانے** اسکندریہ اور مصر کے قصبات اور دیہات کی مساجد مین اگرچہ بہت سے کتبخانے قائم ہین، لیکن ان مین صرف طنطا کا کتبخانہ احمدیہ قابل ذکر ہے، اس کتبخانے کو شیخ ابراہیم الظواہری شیخ جامع احمدی نے ۱۸۹۷ء مین قائم کیا، اور اسکا ایک خاص مہتمم مقرر کیا، اس کتبخانہ مین چھ ہزار جلدین ہین، جنمین ۱۲۰۰ قلمی ہین، اور بعض نادر کتابین بھی ہین،

**کتبخانہ خلیل آغا** یہ کتبخانہ درحقیقت کتبخانہ احمدیہ کا ضمیمہ ہے، جسکو خلیل آغا نے وقف کیا ہے اسمین ۴۰۰ کتابین ہین اور اکثر قلمی ہین،

**مصر کے پرائیوٹ کتبخانے** تمدن اسلام کے عہد عروج مین مصر مین پرائیوٹ کتبخانے بکثرت تھے، کیونکہ کوئی مصنف ایسا نہ تہا جو اپنی ضروریات کے لئے کتابون کا سرمایہ نہ رکھتا ہو، یہ کتابین جب انکے ہاتھ آتی تہین تو یہ لوگ ان پر اپنا نام بقید تاریخ لکھدیتے تھے، ان کتابون پر نوٹ

[1] اصل مین ان کتابونکی فہرست بھی دی ہے، اور دوسرے کتبخانون کی نوادر کتب کا نام بھی لکھا ہے، لیکن ہم نے بخوف تطویل انکو چھوڑ دیا ہے۔

اور حاشیے چڑہاتے تھے، اور جب انکا انتقال ہوجاتا تہا تو انکا کتبخانہ یا تو فروخت ہوجاتا تہا یا اُنکے ورثہ مین تقسیم ہوجاتا تہا، اس طرح ایک شخص کا علمی سرمایہ بیسیون آدمیون کے قبضہ مین چلا جاتا تہا، اس قسم کے مشاہیر کی قدیم کتابین جن پر اُنکے ہاتھ کے نوٹ اور حاشیے لکھے ہوئے ہوتے تھے اُنکے انتساب سے ایک قیمتی یادگار خیال کیجاتی تہین، اور اتبک بعض پرائیوٹ کتبخانون مین یہ جواہرات موجود ہین،

اس قسم کے چند پرائیوٹ کتبخانے اب صرف قسطنطنیہ مین رہ گئے ہین، ورنہ اور جتنے پرائیوٹ کتبخانے ہین، وہ دور جدید کی یادگار ہین،

گذشتہ صدی کے نصف اول مین کتبخانہ خدیویہ کی تاسیس اور مطبوعات جدیدہ کی کثرت اشاعت نے جدید علمی گروہ کی توجہ غیر معمولی طور پر اسطرف مبذول کردی، اسلئے بکثرت پرائیوٹ کتبخانے قائم ہوئے، ان مین سے اسوقت ہم ان کتبخانون کا جو کتابون کی کثرت اور ندرت سے اہمیت خاص رکہتے ہین ذکر کرتے ہین،

خزانۂ تیموریہ یہ کتبخانہ احمد بن اسمعیل بن محمد کی طرف منسوب ہے، انکے والد نے ایک نہایت عمدہ کتبخانہ قائم کیا تہا جو اُنکے انتقال کے بعد برباد ہوگیا، لیکن اُنکے بیٹے نے یہ کمی پوری کردی، اور نہایت سرگرمی اور فیاضی کے ساتھ ۸۰۰۰ کتابین جمع کین، انکو ایک ہال مین مرتب کیا، اور ان کی ایک مفصل فہرست مرتب کی،

اس کتبخانے مین بہت سی قلمی نادر کتابین ہین، ۷۰ کتابین ایسی ہین جو دسوین صدی ہجری کے پہلے کی لکھی ہوئی ہین، بہت سی کتابین ایسی ہین جن پر مشاہیر کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریرین ہین،

کتبخانۂ زکیہ احمد زکی پاشا سکریٹری مجلس وزراء (نظار) مصر کے مشہور علمی آدمی ہین، یہ کتب خانہ انہین کی طرف منسوب ہے، اور اسکو انھون نے نہایت محنت اور جانفشانی سے تیس سال کی

مدت مین جمع کیا ہے، اسمین مختلف علوم و فنون کی پانچ ہزار کتابین ہین، اور اسکی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسمین مستشرقین یورپ کی تصنیفات کا بہت بڑا حصہ موجود ہے، مصر، شام، یورپ اور ہندوستان کی مطبوعہ عربی کتابین بھی بکثرت موجود ہین، چند نادر قلمی نسخے بھی ہین،

**کتبخانہ آصفیہ** | یہ کتبخانہ محمد بک آصف بن علی پاشا کی طرف منسوب ہے، اور اسمین ۶۰۰۰ قلمی اور مطبوعہ کتابین ہین، جنمین ۴۰۰ عربی اور ۲۰۰۰ فرنچ اور ترکی مین ہین، اس کتبخانہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ سولھوین صدی سے آج تک مستشرقین یورپ نے عربی زبان کی جو کتابین شایع کی ہین وہ اکثر اس کتبخانے مین موجود ہین، فرنچ اور ترکی مین زیادہ تر کتابین، مصر، دولت عثمانیہ اور مشرق قریب کے سیاسی اور تمدنی حالات کے متعلق ہین،

**کتبخانہ جلیار دو بک** | یہ کتبخانہ، مصر، شام، اور فلسطین کی تاریخ، جغرافیہ اور سفرنامون کا بہترین مخزن ہے، کتابون کی تعداد ۹۰۰۰ ہے جو اکثر فرنچ مین ہین، اور بعض عربی، انگریزی، اٹالین اور دوسری یورپین زبانون مین ہین، فرانس کی مطبوعہ کتابون کا بھی کافی ذخیرہ ہے، اور مذاہب مشرقیہ کے متعلق بھی بہت سی کتابین ہین،

**کتبخانہ احمد بک الحسینی** | یہ ایک نہایت عمدہ، مرتب اور منتظم کتبخانہ ہے، ہر شخص اسمین جاکر کتابون کا مطالعہ کرسکتا ہے، اور ہفتہ کے مقررہ دنون مین نقل لے سکتا ہے، کتابون کی تعداد ۴،۸۰۰ ہے جسکا اہم حصہ فقہ، قانون، ادب اور تاریخ کے متعلق ہے،

**کتبخانہ علی پاشا رفاعہ** | رفاعہ پاشا طہطاوی ایک مشہور شاعر اور ادیب تھے، جنھون نے ایک کتبخانہ قائم کیا تھا جو ایک ہزار مجلدات پر مشتمل تھا، اور ان مین اکثر قلمی کتابین تھین، انکے بیٹے علی پاشا نے اس کتبخانہ مین اور کتابین شامل کین، اسمین مثل السائر کا ایک نسخہ خود مولف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، مصر مین انکے علاوہ اور بھی متعدد پرائیوٹ کتبخانے ہین جنکی تفصیل معلوم نہین،

**قبطیون کے کتبخانے** قبطیون کے جو گرجے مصر کے اطراف مین قائم تھے، اُن مین متعدد کتبخانے تھے، جو قبطی، یونانی، اور سریانی زبان مین، زیادہ تر مذہبی کتابون پر مشتمل تھے، اسکے بعد جب قبطیون نے عربیت اختیار کی تو ان مین عربی کتابون کا بھی اضافہ ہوا، لیکن قرون مظلمہ مین جب مشرق بالکل خواب غفلت مین سرشار ہوگیا تو یہ گرجے بھی خواب فراموش ہوگئے، تمدن جدید کا ابتدائی زمانہ شروع ہوا اور یورپ نے مشرقی آثار کی جستجو کی تو اس نے سب سے پہلے اپنی کوششون کا جولانگاہ انہین گرجون کو قرار دیا، اور مشرقی زبانون مین جو قلمی کتابین ہاتھ آئین، انکو اڑا لیگئے، اسی طرح مصر مین اور لوگ بھی کتابون کی جستجو مین آئے اور بہت سی قدیم کتابین لیگئے، کیتھولک مذہب کا جو مشن مصر مین اتحاد کلیسائی قائم کرنے کے لئے آیا، وہ اپنے ساتھ بہت سی کتابین لیگیا، جو فاتیکان کے میوزیم بورجیا مین موجود ہین، انگریزی مشنریون نے بھی ایسا ہی کیا، اور دوسرے لوگون نے بھی یہی روش اختیار کی، اس طرح جب ان کتابون کا بہت بڑا حصہ یورپ کے کتبخانون مین پہنچگیا تو قبطیون نے آنکھین کھولین اور بچی کھچی کتابون کو جمع کرنا شروع کیا، اس طرح تقریباً ۲۰۰۰ کتابین جمع ہوگئین جو قاہرہ کے دار البطریرکیہ مین محفوظ ہین، ان کتابون مین اکثر قلمی کتابین ہین جو قبطی اور عربی زبان مین مذہب کے متعلق ہین، ان مین بہت سی تاریخی کتابین ہین جو کلیسا اور پادریون کے حالات مین ہین، اسی طرح کیتھولک قبطیون کا ایک کتبخانہ ہے جسمین اکثر مذہبی کتابین، لیٹن، یونانی اور قبطی زبانون مین ہین، اسمین تورات کا ایک نہایت قدیم نسخہ ہے جو مختلف زبانون مین ہے،

**کتبخانہ دیر طور سینا** گرجون کے کتبخانون مین ایک قدیم کتبخانہ دیر طور سینا ہے، جسمین مختلف زبانون مین عیسائیون کی مذہبی کتابین محفوظ ہین، کتابون کی تعداد ۳۵۰۰ ہے، جنمین ۷۰۰ عربی زبان مین ہین اکثر قدیم قلمی نسخے ہین، اسمین انجیل کا ایک نہایت قدیم ٹکڑا ہے جو عیسائیت کے ابتدائی زمانہ مین سریانی زبان مین لکھا گیا ہے،

اس کتبخانے مین عربی کی قلمی کتابین قابلِ ذکر نہین، لیکن لیڈی بوکس نے حال مین قرآن مجید کی چند آیتون کا اکتشاف کیا ہے جو پرانے چمڑون پر لکھی ہوئی ہین، ان مین عربی کی آیتون کو مٹاکر اسکے اوپر سریانی کی تحریر ہے، لیڈی موصوفہ کا یہ خیال ہے کہ یہ آیتین حضرت عثمانؓ کے جمع قرآن سے زمانہ سے پہلے کی لکھی ہوئی ہین، لیکن اسکا ثبوت مشکل ہے،

شام کے کتبخانے اسلام کے قبل اور اسلام کے بعد شام کتبخانون کا بہت بڑا مرکز تھا، شام کا کوئی شہر رومی سلطنت کے زمانہ مین مدارس سے خالی نہ تھا، اور ان مدارس مین لازمی طور پر کتبخانے ہوتے تھے، قرون وسطی مین گرجے کتب خانون اور مدرسون کا مرکز قرار پائے، اسلام کا دور آیا تو امرار سلاطین، وزرار، اور اعیان سلطنت کے محلون مین بکثرت کتبخانے قائم کئے گئے، اسکے بعد مصر کی طرح شام پر بھی جہالت کی گھٹا چھا گئی، اور ان قیمتی یادگارون کا بچا کچا ذخیرہ صرف چند گرجون، مسجدون اور مدرسون مین رہ گیا، اہل علم نے جدید دور مین انکے تحفظ مین اہتمام بلیغ کیا، اور اب شام کے مختلف شہرون مین جو کتبخانے موجود ہین انکی تفصیل حسب ذیل ہے،

دمشق کے کتبخانے تمدن اسلام کے دورِ ترقی مین دمشق مین بکثرت مدارس و مساجد تھین، اور ان مین کوئی مسجد اور کوئی مدرسہ کتبخانے سے خالی نہ تھا، لیکن دورِ ظلمہ مین یہ تمام کتبخانے برباد ہوگئے، اور اسوقت ان قدیم کتبخانون مین صرف جامع اموی کا کتبخانہ موجود ہے، اس کتبخانہ کا ایک حصہ حضرت یحیٰی علیہ السلام کی قبر کے پاس، اور کچھ حصہ قبۃ المال مین تھا، لیکن ۱۸۹۳ء مین جب جامع مسجد مین آگ لگی تو یہ حصہ جل گیا، صرف وہ حصہ جو قبۃ المال مین تھا بچ گیا، یہ کتبخانہ اب بالکل مقفل رہتا ہے ایک انگریزی سیاح راجرس نامی کو گذشتہ صدی کے وسط مین اسکے دیکھنے کی اجازت ملی تھی اور غالباً اس نے بعض کتابین بھی نقل کی تھین، سب سے اخیر مین ایک مدت تک برن فان سوڈن پروفیسر برلن یونیورسٹی کو اسکے دیکھنے کا موقع ملا، پروفیسر موصوف انجیل کے ایک قدیم نسخہ کی

جو یونانی زبان مین تھا، جستجو کرتا تھا، اس غرض سے وہ اس صدی کے اخیر مین دمشق پہنچا، اور اسکو خیال ہوا کہ اسی کتب خانہ مین رومن سلطنت کی بقیہ یادگارون مین یہ نسخہ اسکو مل سکیگا، اس خیال سے اس نے جرمن گورنمنٹ کے ذریعہ سے اجازت حاصل کرنا چاہی اور صدی کے اخیر مین سلطنت عثمانیہ کی اجازت سے اعیان کی ایک جماعت کے سامنے یہ کتبخانہ کھولاگیا اور پروفیسر موصوف نے اسمین مختلف زبانون کی نہایت قدیم مذہبی کتابین دیکھین،

اسی طرح تمام مساجد، مدارس اور گرجون مین بہت سے کتبخانے تھے جو اخیر صدی مین برباد ہوگئے، اور گذشتہ صدی تک بہت کم کتبخانے باقی رہ گئے، بعض عہدہ داران سلطنت نے صدی کے وسط مین ان متفرق کتبخانون کو ایک کتبخانہ کی صورت مین جمع کرنا چاہا، لیکن یہ تمام لڑیان ایک موتی مین پروئی نہ جاسکین، صرف مدحت پاشا ابی الاصلاح نے ۱۲۹۵ھ مین اپنے صوبے کے تمام کتبخانون کو جنکی تعداد دس تھی ایک جگہ جمع کیا، چنانچہ جب وہ ۱۲۹۵ھ مین شام آئے تو علماے دمشق کی ایک انجمن قائم کی جسکا مقصد مدارس کا قائم کرنا اور علوم وفنون کو ترقی دینا تھا، اسی سلسلہ مین انھون نے ان پراگندہ کتبخانون کے جمع کرنیکا کام اس انجمن کے متعلق کیا، اور اسکے لیے مقام ظاہریہ کو جو ملک ظاہر کی طرف منسوب ہے منتخب کیا، اور ان دس کتبخانون مین جو کتابین تھین انکو ایک جگہ ترتیب دیا، اور انہین کتبخانون کی کتابون سے کتبخانہ ظاہریہ کی بنیاد پڑی،

اس کتبخانے مین قلمی اور مطبوع ۴۶۶۵ کتابین ہین جنمین زیادہ تر فقہ، حدیث، اور علوم اسلامیہ کی ۴۶۰۰ کتابین لغت کی، ۳۲۰ تاریخ اور جغرافیہ کی، ۲۵۰ ادب کی ہین، چند نادر قلمی کتابین بھی ہین،

**عیسائیون کے کتبخانے** | دمشق مین غیر مسلم لوگون کے بہت سے گرجے، کلیسا اور مدارس ہین جنکے ساتھ لازمی طور پر ایک کتبخانہ بھی ہے، لیکن ۱۸۶۰ء کے واقعات نے انکا بہت بڑا حصہ برباد کردیا ہے اسلیے

اب ان میں اہم کتابیں نہیں ہیں، کلدان کے کلیسا میں مطران یوسف داؤد سریانی کا ایک کتبخانہ ہے جسمین مختلف زبانون کی مطبوعہ کتابین ہیں، صاحب کتبخانہ کی زندگی میں یہ کتبخانہ بہت سی کتابون پر مشتمل تھا، لیکن انھون نے اپنی زندگی کے آخری حصہ مین انکو بعض مدارس، بعض گرجون، اور بعض احباب کی نذر کردیا،

ضواحی دمشق کے کتبخانے | شہر کے آس پاس جو مقامات ہوتے ہیں، عربی مین انکو ضواحی کہتے ہیں، دمشق میں اس قسم کے جو مقامات ہیں، اُن مین صیدنایا، معلولا، اور یبرود مین ابتک قدیم کتبخانے موجود ہیں، صیدنایا مین ایک قدیم گرجا ہے، جو حوادثات زمانہ کا آماجگاہ رہ چکا ہے، اسمین مذہبی کتابون کا ایک کتبخانہ ہے، جو مختلف اسباب سے بہت کچھ ضایع ہوچکا ہے،

معلولا کے کتبخانہ مین عربی اور سریانی زبان کی بہت سی قلمی کتابین تہین، جنمین اب بہت کم باقی رہ گئی ہین،

یبرود مین ایک پادری کا ایک کتبخانہ تھا جو تمامتر مذہبی کتابون پر مشتمل تھا، اب اس کتبخانہ مین جو کتابین رہ گئی ہین، وہ چندان قابل وقعت نہین، بہت سی کتابین خود بانی کتبخانہ کی تصنیف ہین اور بہت سی کتابین رومن کیتھولک فرقہ کی تاریخ، اور اس مذہب کے مشاہیر کے تراجم وحالات مین ہین،

حلب کے کتبخانے | شام کے شہرون مین حلب سب سے زیادہ متمدن شہر ہے، قدیم زمانہ مین بہت سے علماء وادبا اسکی خاک سے اٹھے تھے، اور سیف الدولہ وغیرہ کی قدر دانیون نے اسکو علم وفن کا مرکز بنادیا تھا، یہان کے سلاطین وعلماء نے بہت سے کتبخانے قائم کئے تھے جو بعد مین مختلف اسباب سے ضایع ہوگئے، لیکن یہان کے اکثر کتبخانے فتنۂ تاتار کے پرآشوب زمانہ مین برباد ہوئے، جامع اموی کے سب سے بڑے کتبخانہ کو جو ۔۔۔۔ ۱۰ کتابون پر مشتمل تھا، ایک ترک فاتح نے برباد کیا، تیمور لنگ نے اسکا رہا سہا نام ونشان بھی مٹادیا، اتنی مدت کے بعد سنہ ۱۳۰ھ مین محمود سیاف نے اسکی از سر نو

تجدید کی ہے، اور اسمین کثر عمدہ مطبوعہ کتابین جمع کی ہین،

اس مسجد کے مشرقی حصہ مین علوم ریاضیہ کا ایک آلہ تھا جسکو شجرۃ الافادہ کہتے تھے، اس آلہ کو خلیل بن احمد الشیخ غرس الدین حلبی المتوفی ۹۷۱ھ نے ایک درخت کی شکل مین پتھر، پیتل، اور لوہے سے بنایا تھا، جسکے ہر پتے مین علوم ریاضیہ مین سے ایک ایک علم کے اصول مندرج تھے اور اسکے ذریعہ سے دُور دراز شہرون کے طلبا، علوم ریاضیہ کے سیکھنے کے لئے آتے تھے،

علمی خاندانون کے برباد شدہ کتبخانون مین، کتبخانہ بنوشحنہ، کتبخانہ بنوعدیم، اور کتبخانہ بنوخشاب کا نام خاص طور پر افسوس کے ساتھ لیا جا سکتا ہے، بڑے بڑے مدارس، مثلاً مدرسہ سلطانیہ مدرسہ عصرونیہ، مدرسہ شرفیہ، اور مدرسہ رواجیہ وغیرہ مع اپنے کتبخانون کے تیمور لنگ کے ہاتھون برباد ہوے، اور انکی کتابین نہایت ارزان قیمت پر فروخت کر دیگئین، سر دست حلب مین جو کتبخانے باقی رہ گئے ہین انکی دو قسمین ہین،

(۱) کتبخانہاے اسلامیہ، (۲) اور کتبخانہاے نصرانیہ،

اسلامی کتبخانے صرف دو ہین، ایک کا نام کتبخانہ مدرسہ احمدیہ ہے، پہلے اسمین ۲۶۹ کتابین تھین، اور اب یہ تعداد ... ۳ تک پہنچگئی ہے، کتابین لغت، تاریخ، ادب، فقہ، طب، اور ریاضی وغیرہ کی ہین،

یہ کتبخانہ بالکل پبلک ہے، ہفتے مین دو روز کے لئے کہلتا ہے،

کتبخانہ مدرسہ رضائیا یہ دوسرا اسلامی کتبخانہ ہے جو کتبخانہ عثمانیہ کے نام سے مشہور ہے، اس مین مختلف علوم و فنون کی ۱۵۰۰ کتابین ہین، اور بعض نادر ہین، ہفتہ مین صرف ایک دن کھلتا ہے، اور ہر شخص آسانی کے ساتھ کتابون کا مطالعہ کر سکتا ہے، انکے علاوہ اور بھی متعدد کتبخانے، مثلاً کتبخانہ تکیہ مولویہ، کتبخانہ بنی بایزید، کتبخانہ بنی یاسیری اور کتبخانہ آل مدرس ہین،

# توراۃ اور شریعت حمورابی

## ایک الزامی جواب

از جناب مولوی محمد سعید صاحب انصاری رفیق دار المصنفین

حکمت و فلسفہ کی درسگاہون سے علوم و معارف کی جو صدائین بلند ہوا کرتی ہین ان مین سب سے زیادہ خطرناک وہ سہ حرفی لفظ ہے جسکو علمائے منطق "حصر" کے نام سے تعبیر کیا کرتے ہین، لیکن چونکہ یورپ نے علوم و فنون مین سب سے زیادہ ترقی حاصل کرلی ہے، اسلئے وہان ہمارے حصر سے زیادہ خطرناک "حصر" ایجاد کیا گیا ہے، جو موقع بموقع نہایت ہوشیاری اور متانت کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید کی بحث و تنقید کے وقت اہل یورپ کے زبان و قلم سے ایک نہایت بلیغ اور ڈھلا ہوا فقرہ نکلتا ہے، اور وہ یہ کہ قرآن میں، جو کچھ ہے اگر وہ کتب قدیمہ کے مطابق ہے تو سرتا سر سرقہ اور چوری ہے اور اگر مخالف ہے تو بجز میتھالوجی (افسانہ) کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ یہ جملہ جس معصومانہ انداز سے لوگون کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اسکا یہ اثر ہوتا ہے کہ کام و دہن سے گذرکر قلب و دماغ تک اُتر جاتا ہے،

ایک عیسائی مصنف نے فارسی مین ینابیع الاسلام کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، جسمین عجیب مضحکہ انگیز طریقہ سے اس دعویٰ کو ثابت کیا ہے کہ قرآن، یہود و نصاریٰ، اور مجوس و ہنود اور صابئین کی کتابون سے ماخوذ ہے، عیسائیون مین اس کتاب کی یہ عزت کیگئی کہ سر ولیم میور جیسی شخصیت کے آدمی نے اسکا انگریزی مین ترجمہ کیا، اور پنجاب مشنری نے اسکو اردو قالب مین ڈھالا اس کتاب کے متعدد جوابات مسلمانون کی طرف سے ہندوستان مین لکھے گئے ہین لیکن اسکا بہترین جواب ایک مصری مسلمان نے لکھا ہے، جسمین اُس نے ثابت کیا ہے کہ عیسائیت اور اسکی انجیل مصر و یونان کے بت پرستون اور بودھ کی تعلیمات سے ماخوذ ہے، اسطرح ہم دیکھتے ہین کہ

جو تیشہ ہمارے پیرون پر چلایا جاتا تھا، اب اُس سے خود اُنکے پیر بھی گھائل ہوتے جاتے ہین،

اہل یورپ نے قرآن مجید کے پرکھنے کے لئے جو کسوٹی تیار کی ہے، ہم اُسی پر آج تورات کو کسنا چاہتے ہین اور ناظرین کو بتلانا چاہتے ہین کہ جو الزام یورپ کی طرف سے قرآن مجید پر عائد کیا گیا ہے وہ بعینہ تورات پر بھی عائد ہوتا ہے؛

ایک زمانہ تک اہل یورپ کا یہ خیال تھا کہ "دنیا مین جسقدر شریعتین اور قوانین رائج ہین سب یونان کے مقنن اور شارع لیکورگ کے تخیلات کا عکس ہین"، لیکن جب موسیو دی بافلی نے "قانون عبرانی" پر اپنی مشہور و معروف کتاب لکھی تو اُسمین اس غلطی کو رفع کیا، اور یہ دکھلایا کہ حضرت موسیٰ کی شریعت لیکورگ کی شریعت سے مقدم ہے[1]، موسیو موصوف نے یہ تصنیف ۱۸۹۶ء مین کی تھی، اور یہ وہ زمانہ تھا جبکہ حکومت فرانس کو آثار قدیمہ کی تحقیقات کا خیال پیدا ہو گیا تھا، اور اہواز اور سوس کی طرف چند محققین جانے والے تھے، چنانچہ ۱۹۰۱ء مین جب موسیو مورگان نے شریعت بابل کے متعلق تین پتھر دریافت کئے جنپر ۲۸۲ احکام درج تھے، اور جو حضرت موسیٰ سے ۸۰۰ برس قبل لکھے جانے کے باوجود تورات سے بہت زیادہ مشابہ تھے، تو اس خیال مین بھی تبدیلی پیدا ہوئی اور عالم مسیحیت مین ایک زبردست بھونچال آیا جس نے اس عقیدہ کو بالکل شکست کر دیا کہ تورات دنیا کی شریعتون مین سب سے پرانی شریعت ہے۔" اسی کا اثر تھا کہ پروفیسر ریفیلو نے اپنی ایک کتاب مین یہانتک لکھدیا کہ "یورپ اور خصوصاً رومن امپائر کے تمام قوانین قدیم مشرقی قانونون سے ماخوذ ہین، جو قدماء مصر، کلدان، اور سریان کے وضع کئے ہوئے تھے"۔

غرض موجودہ حالت مین بابل یا حمورابی کی شریعت تمام شریعتون مین مقدم مانی جاتی ہے، اور اسلئے ہم ضروری سمجھتے ہین کہ تورات کا اسی سے مقابلہ کرین تا اسکے جو احکام "شریعت بابلی" سے متفق یا مختلف نکلین اُن پر "سرقہ"، یا "توارد" کا حکم نہایت آسانی سے لگایا جا سکے

---

[1] المقارنات والمقابلات صفحہ ۱ مصر

شریعت موسوی مین پانچ کتابین داخل ہین جنمین چار قسم کے قوانین درج ہین،

(۱) سفر خروج باب ۲۰-۲۳، اسکا نام لوگون نے کتاب العہد" رکہا ہے۔

(۲) سفر احبار باب ۱۷-۲۶ اسکا نام قانون طہارت ہے۔

(۳) سفر تثنیہ،

(۴) شریعت موسوی کا خلاصہ، اور اسکا نام "قانون کہانت" ہے۔

ان چارون قوانین مین "قانون کہانت"، سب سے اہم ہے، کیونکہ اسمین تقریباً پانچون کتابون کی باتین آگئی ہین، لیکن اُسکی تاریخ تحریر "عزرا کاہن" سے آگے نہین بڑھتی، جو حضرت مسیح سے صرف ۵۰۰ برس قبل گذرا ہے قانون طہارت گو مستقل ایک شریعت ہے تاہم وہ کتاب العدد اور کتاب العہد سے بہت ملتا جلتا ہے، اور بعض قرائن سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اُسکو حزقیال نبی نے لکہا تہا۔ "سفر عدد"، قانون کی کتاب ہے لیکن اسمین تمام کتابون کے احکام آگئے ہین، اب صرف "کتاب العہد" باقی رہجاتی ہے، جو ان سب سے مقدم ہے، اور سفر خروج باب ۲۰ آیت ۲۲ اور باب ۲۳ آیت ۳۳ مین جسکے قوانین اور احکام درج ہین اُنکے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شریعت حمورابی اور شریعت موسوی مین کسقدر مشابہت پائی جاتی ہے، اسکی تفصیل ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوسکتی ہے۔

| سفر خروج | شریعت حمورابی |
|---|---|
| جو کوئی کسی مرد کو مارے اور وہ مرجاے تو وہ البتہ قتل کیا جائے، اور اگر اس شخص نے قتل کا قصد نہین کیا اور خدا نے اُسکے ہاتھ مین اُسے گرفتار کروادیا تو مین تیرے لئے ایک جگہ ٹہراؤنگا کہ جسمین وہ بہاگ جاے۔ | جب دو آدمی لڑین اور کوئی ایک دوسرے کو زخمی کردے تو مارنے والیکو قسم کہانا چاہیئے کہ اُس نے اُسکے زخمی کرنیکا قصد نہین کیا تہا، اور وہ اسکا علاج طبیب سے کراے، اور اگر زخمی مرجاے تو بھی اُسکو قسم کہانا چاہیئے، اب اگر وہ آزاد ہو تو نصف دینار چاندی ادا کرے۔ |
| (باب ۲۱ آیت ۱۲ و ۱۳) | (دفعہ ۲۰۶ و ۲۰۷) |

| | |
|---|---|
| اور جو اپنے باپ یا اپنی ماں کو مارے البتہ مار ڈالا جائے (آیت ۱۵) | جو لڑکا اپنے باپ کو مارے اُسکے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے جائیں، (دفعہ ۱۹۵) |
| اور وہ جو آدمی کو چرا لیجائے اور اُسے بیچ ڈالے یا وہ اُسکے پاس سے پکڑا جائے تو وہ البتہ مار ڈالا جائیگا (آیت ۱۶) | جب ایک آدمی کسی دوسرے آدمی کے بیٹے کو چرا لے تو چور کو ذبح کر دیا جائیگا۔ (دفعہ ۱۴) |
| اور وہ جو اپنے باپ یا اپنی ماں پر لعنت کرے، البتہ مار ڈالا جائے، (آیت ۱۷) | جب صاحب قصر کا بیٹا (بادشاہ زادہ) یا زاہد کا بیٹا اپنے دودھ پلانے والے یا دودھ پلانے والی سے کہے کہ تو میرا باپ یا میری ماں نہیں تو اسکی زبان کاٹ دیجائے۔ (دفعہ ۱۹۲) |
| اور اگر دو شخص جھگڑیں اور ایک دوسرے کو پتھر یا مکّا مارے اور وہ نہ مرے، پر بستری (صاحب فراش) ہو جائے تو اگر وہ اُٹھ کر آجائے اور لاٹھی ٹیکے راہ چلے تو وہ جس نے مارا بے الزام ہے اور فقط اُسکے کاروبار کا جو نقصان ہوا ہو سو بھر دے اور اُسے بالکل چنگا کروائے، (آیت ۱۸ و ۱۹) | جب دو آدمی جھگڑیں اور دونوں میں سے ایک دوسرے کو زخمی کردے تو مارنے والا قسم کھائے کہ اُس نے زخمی کرنیکا ارادہ نہیں کیا تھا اور اُسکا طبیب سے علاج کرائے۔ (دفعہ ۲۰۶) |
| اور اگر کوئی اپنے غلام یا لونڈی کو لاٹھیاں مارے اور وہ مار کھاتی ہوئی مر جائے تو اُسے سزا دیجائے لیکن اگر وہ ایک دن یا دو دن جیے تو اُسے سزا نہ دیجائے اسلئے کہ وہ اُسکا مال ہے۔ (آیت ۲۰ و ۲۱) | وہ اگر غلام ہو تو اسکا مالک دو شاقل چاندی ادا کرے۔ (دفعہ ۲۱۶) |
| اگر لوگ جھگڑیں اور کسی پیٹ والی کو دکھ پہنچائیں ایسا کہ اُسکا پیٹ گر جائے پر وہ خود ہلاک نہو تو اُسے جسطرح کی سزا | اگر کوئی کسی آزاد شخص کی بیٹی کو مارے اور اُسکا حمل ساقط ہو جائے تو وہ اسکا معاوضہ ۱۰ شاقل چاندی ادا کرے |

| | |
|---|---|
| اسکا شوہر تجویز کرے دیجائے، اور وہ قاضیون کی تجویز کے موافق گنہگاری دے۔ اور اگر وہ اس صدمہ سے ہلاک ہوجائے تو جان کے بدلے جان لے اور آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت، اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ پاؤن کے بدلے پاؤن، جلانے کے بدلے جلانا زخم کے بدلے زخم اور چوٹ کے بدلے چوٹ۔ (آیت ۲۲ تا ۲۵) | اور اگر مرجائے تو اس شخص کی بیٹی قتل کیجائے اور اگر عورت موالی‌ین[ا] سے ہو تو مارنے والا پانچ شاقل دے، اور اگر وہ مرجائے تو نصف من چاندی ادا کرے، اور اگر عورت لونڈی ہو اور اسکا پیٹ گرجائے تو مارنے والا دو شاقل چاندی دے اور اگر مرجائے تو ایک من کی تہائی چاندی ادا کرے اور جب کوئی شخص اپنے برابر درجہ کے شخص کا دانت اکھیڑے تو اسکا دانت بھی اکھیڑ دیا جائے۔ (۲۰۰، ۲۰۹ تا ۲۱۴) |
| اور اگر کوئی اپنے غلام یا اپنی لونڈی کی آنکھ مین مارے کہ اسکی آنکھ پھوٹ جائے تو اسکی آنکھ کے بدلے اسے آزاد کردے، اور اگر کوئی اپنے غلام یا اپنی لونڈی کا دانت توڑے تو اسکے دانت کے بدلے مین اُسے آزاد کردے، (آیت ۲۶ و ۲۷) | اگر کوئی شخص کسی غلام کی آنکھ پھوڑ دے یا اسکی ہڈی توڑ ڈالے تو اسکی نصف قیمت ادا کرے۔ (دفعہ ۱۹۹) |
| اگر بیل مرد یا عورت کو سینگ مارے ایسا کہ وہ ہلاک ہو تو وہ بیل پتھرون سے مارا جائے اور اسکا گوشت کھایا نہ جائے اور بیل کا مالک بیگناہ ہے (آیت ۲۸) | جب کوئی بے عقل (دیوانہ) بیل کسی آدمی کو سینگ مارکر قتل کرڈالے تو یہ ایسا واقعہ ہوگا کہ اسکی کوئی سزا نہین۔ (دفعہ ۲۵۰) |
| پر اگر وہ بیل آگے (پہلے) سے سینگ مارنے کی لت رکھتا تھا اور اُسکے مالک کو خبر دیگئی اور اُس نے اُسے باندھ نہ رکھا | اور اگر بیل کا مالک جانتا تھا کہ میرا بیل سینگ مارتا ہے اور پھر بھی اُس نے اُسکے سینگ نہین توڑے اور نہ اُسکو |

[ا] آزاد اور غلامون کے بیچ مین ایک طبقہ کا نام ہے۔

| | |
|---|---|
| اور اس نے مرد یا عورت کو ہلاک کیا، تو بیل پر پتھراؤ کیا جائے اور اسکا مالک بھی مارا جائے۔ اور اگر اس سے خونبہا مانگا جائے تو اپنی جان چھڑانے کے لئے جتنا اسکے سر دھرا جائے سو پورا دے۔ خواہ اس نے بیٹا مارا ہو خواہ بیٹی اس حکم کے موافق اسکے ساتھ عمل کیا جائے۔ مگر بیل کسی کے غلام یا لونڈی کو سینگ مار بیٹھے تو وہ انکے مالک کو ثقال کے وزن کے ۳۰ روپئے دے اور بیل پتھراؤ سے مارا جائے۔<br>(آیت ۲۹ تا ۳۲) | باندھا، تو اگر وہ کسی آزاد آدمی کے سینگ مارے اور وہ مرجائے تو یہ نصف من چاندی ادا کرے۔ اور اگر مقتول غلام ہو تو یہ من کا تہائی حصہ دے۔<br>(دفعہ ۲۵۱، ۲۵۲) |
| اور اگر کوئی بیل یا بھیڑ چرائے اور اسے ذبح کرے یا بیچے تو وہ ایک بیل کے پانچ بیل اور ایک بھیڑ کی چار بھیڑیں دے۔<br>(باب ۲۲ آیت ۱) | جب ... انسان یا بیل یا ... (اصل پتھر پر مٹ گیا ہے)<br>جب کوئی شخص، بیل یا بکری یا گدھا یا سور یا خداؤں یا محل کی کشتی کو چرالے تو اسکا ۳۰ گنا معاوضہ ادا کرے اور اگر وہ موالی مین سے ہے تو ۱۰ گنا دے اور اگر ادا نہ کرسکے تو قتل کیا جائے۔ (دفعہ ۲۶۲ و ۸) |
| اگر چور سیندھ مارتے ہوئے دیکھا جائے اور کوئی اسے مار بیٹھے اور وہ مرجائے تو اسکے لئے خون نہ کیا جائے۔ اگر یہ دن کو ہو تو اسکے لئے خون کیا جائیگا، چاہیئے کہ وہ پورا بدلا دے، اگر وہ کنگال ہو تو چوری کے لئے بیچا جائے۔<br>(آیت ۲ و ۳) | جب کوئی کسی کے گھر مین نقب لگائے تو اسکو نقب کے پاس قتل کرکے وہین گاڑ دینا چاہیئے۔<br>(دفعہ ۲۱) |
| اگر کوئی کھیت یا تاکستان کھلائے (کھلوائے) اور | اگر کوئی اپنی بکریاں کسی کے زمین مین چرائے اور اسکے |

اپنے چارپائے اسمین چھوڑے اور دوسرے کے میدان مین
چرائے تو اپنا اچھے اچھا کھیت اور بہتر سے بہتر انگوری باغ
اسکے بدلے دے، (آیت ۵)

اگر کوئی اپنے ہمسایہ کو نقد یا جنس رکھنے کو سونپے
اور اس شخص کے گھر سے چوری جائے تو جب وہ چور ہاتھ
لگے تو دونا بھر دے۔

(آیت ۷)

اگر چور پکڑا نہ جاے تو اس گھر کا مالک قاضیون کے
آگے لایا جاے تاکہ معلوم ہو کہ اس نے اپنے ہمسایہ کے
مال پر ہاتھ بڑھایا کہ نہین ؟

(آیت ۸)

سب قسم کی خیانت مین خواہ بیل کی خواہ گدہے یا
بھیڑ یا کپڑے کی یا کسی چیز کی جو گم ہوئی ہو جسکا کوئی دعوی
کرتا ہے کہ میرا ہے دونون طرف والون کا جھگڑا قاضیون کے
حضور لایا جاے اور قاضی جسے مجرم کرے وہ اپنے ہمسایہ کو
دونا دے،

(آیت ۹)

مالک کو اطلاع نہ کی ہو تو کھیت کاٹ دیا جائے اور
چرانے والے سے ۲۰ جور (ایک پیمانہ کا نام ہے) فی ۱۰ گان
(ایک مساحت کا نام) وصول کیا جائے۔ (دفعہ ۵۷)

اگر کوئی اپنا اسباب کسی دوسرے کے گھر مین رکھدے اور
وہ کچھ یا سب چوری یا اور کسی طریقہ سے گم ہو جائے تو
گھر والے کو گم شدہ مال ادا کرنا اور چورون سے چوری شدہ کا
مطالبہ کرنا چاہیئے۔ (دفعہ ۱۲۵)

جب کوئی شخص اپنے گیہون دوسرے شخص کے کھلیان
مین رکھا دے اور وہان سے ضایع یا کم ہو جائین تو یہ
قاضی کے رو برو اپنے گیہون طلب کریگا اور کھلیان والا
اسکو ادا کریگا۔ (دفعہ ۱۲۰)

اگر کسی نے کوئی چیز ضایع کر دی پھر اسکو دوسرے کے
پاس پایا اور وہ اقرار کرتا ہے کہ اس نے چند بوڑھون کی
موجودگی مین اسکو خریدا ہے، اور مالک کہتا ہے کہ مین اپنی ملکیت
کے ثبوت مین گواہ پیش کر سکتا ہون، تو خریدار کے ذمہ ضروری ہے
کہ بائع ان بوڑھون کو جو بیع کے وقت موجود تھے (عدالت مین)
حاضر کرے، اور مالک کو بھی اسوقت موجود رہنا چاہیئے،
تاکہ قاضی سب کی دلیلون پر غور کر سکے، اگر وہ بڑے ہے اور گواہ
قاضی کے سامنے دونون کو سچا کہین تو بائع چور سمجھا جائیگا

اور قتل کیا جائیگا اور مالک کو اسکی چیز دیدی جائیگی، اور خریدار کو بائع کے گھر والون سے اسکے دام دلوائے جائینگے اور اگر خریدار بوڑہون کو نہ لاسکا تو قاضی اسکو ۶ ماہ کی مہلت دیگا اگر اب بھی گواہ نہ مل سکے تو اسکی خیانت سمجھی جائیگی، اور سزا اسپر عود کریگی۔ (دفعہ ۹ تا ۱۳)

اگر کوئی اپنے ہمسایہ پاس گدہا یا بیل یا بھیڑ یا کوئی چارپایہ امانت رکھے اور وہ مرجائے یا چوٹ کہائے یا بغیر کسی کے دیکھے ہانک دیا جائے تو ان دونون کے درمیان خداوند کی قسم سے فیصلہ کیا جائے کہ اس نے اپنے ہمسایہ کے مال پر اپنا ہاتھ نہین بڑہایا، اور مال کا مالک قبول کرے تب وہ اسکو ٹوٹا نہ دے، (آیت ۱۰ و ۱۱)

اگر گلہ خداؤن کی مار سے تباہ ہوجائے یا اُس پر شیر حملہ کرے تو چرواہا قاضی کے سامنے قسم کہا کر بری ہوجائیگا۔ (دفعہ ۲۶۶)

اور اگر وہ اُسکے پاس سے چوری جائے تو وہ اُسکے مالک کو ٹوٹا دے۔ (آیت ۱۲)

جب کسی سے بیل یا بکری کا بچہ گم ہوجائے تو اسکا اتنا بڑا دینا چاہیئے جتنا کہ وہ تہا، (دفعہ ۲۶۳)

اور اگر اُسکو کسی درندے نے پہاڑ ڈالا تو وہ اُسکو گواہی کے واسطے لائے اور پہاڑے ہوئے کا ٹوٹا نہ دے، (آیت ۱۳)

اگر کسی نے بیل یا گدہا کرایہ پر لیا اور اسکو شیر نے جنگل مین پہاڑ ڈالا تو اسکا اُس سے مطالبہ نہ کیا جائے، (دفعہ ۲۴۴)

اگر کوئی شخص اپنے ہمسایہ سے کچھ عاریت لے اور وہ زخمی ہو یا مرجائے اگر مالک اسکے ساتھ نہ تہا تو وہ اُسکا بدلا دے، (آیت ۱۴)

اگر وہ مستاجر کے مارنے یا چہوڑ دینے سے مرجائے تو اُسکو اس چیز کی قیمت دینا ہوگی اور اگر سینگ توٹا یا دامن کاٹ لیا یا آنتین ضائع کر دی تو چوتہائی قیمت ادا کرے۔ (دفعہ ۲۴۵-۲۴۸)

| | |
|---|---|
| اگر کوئی ایک چھوکری کو جو اسکی منگیتہ نہین دم دیکے اِس سے مباشرت کرے وہ البتہ اسے مہر دیکے اس سے نکاح کرے، اگر اسکا باپ ہرگز راضی نہو کہ اُسے اُسکو دے تو وہ کنواریون کے مہر کے موافق اُسے نقد دے۔ (آیت ۱۶ و ۱۷) | اگر کوئی شخص کسی ایسی عورت کے سینہ پر ظلم کرے یعنا جو ہمیشہ اپنے باپ کے گھر رہی ہو تو وہ قتل کیا جائے اور عورت بری کیجائے۔ (دفعہ ۱۳۰) |

ان چند عبارتون کے علاوہ شریعت حمورابی اور کتاب العہد مین اور بھی مختلف حیثیتون سے مشابہت پائی جاتی ہے جو اجمالی طور پر درج ذیل ہے۔

(۱) کتاب العہد کے ابتدا مین "یہوی" کی عبادت کا طریقہ بتایا گیا ہے، پھر چند فرعی احکام ہین اور بغیر مین وعظ و پند پر جاکر یہ سلسلہ ختم ہوجاتا ہے، حمورابی کی شریعت مین پہلے حمورابی کی عظمت وجلالت کا تذکرہ ہے پھر قوانین ہین، اور سب آخر اپنے جانشین کو چند نصیحتین کی ہین،

(۲) فیصلہ کا طریقہ دونون شریعتون مین تقریباً یکسان ہے

(۳) توراۃ کے بعض مقامات مین "بت پرستی" کی جھلک نظر آتی تھی، اور چونکہ یہود کو توحید کا نہایت شد و مد سے دعویٰ ہے، اسلئے وہ ان مقامات کی تفسیر مین سخت کوشان تھے، بابل کے ان قوانین کا انکشاف ہوا تو یہودیون کو ان مقامات کی تشریح مین کافی مدد ملی، مثلاً سفر خروج (۲۱-۶ و ۲۲-۸ و ۹) مین ہے کہ چور یا اور لوگ "معبود" یا معبودون کے سامنے لائے جائین، چونکہ معبودون کا لفظ تعلیم یہودیت کے خلاف تھا اسلئے علماء اُسکے معنی "قاضی" بیان کیا کرتے تھے، حمورابی کی شریعت نے اس راز کو اسطرح فاش کیا کہ "معبودون" سے مراد ہیکل ہوتا ہے جہان لوگ فصل مقدمات کے لئے جایا کرتے تھے۔

(۴) یہود کی اصل زبان عبرانی ہے، لیکن وہ لکھنے پڑھنے مین حضرت موسیٰ کے کئی صدیون کے بعد مشغول ہوئی اسوقت تک یہود صرف بابلی زبان مین خط و کتابت کرتے تھے جو اس زمانہ کی نہایت وسیع اور عالمگیر زبان تھی

پر کیا تعجب ہے کہ علماے یہود نے بابلی زبان جاننے کی وجہ سے شریعت حمورابی سے جو عرصہ تک دُور و دراز
مالک مین رائج تھی واقفیت پیدا کی ہو، اور چونکہ وہ اُنکے حالات اور طبیعت کے بہت موافق تھی اسلئے کسیقدر
رد و بدل کے ساتھ اسکو اپنی مذہبی کتاب بنا کر تورات نام رکھدیا ہو،

(۵) سب سے اخیر یہ کہ ارتقار یورپ کا نہایت مسلّم الثبوت مسئلہ ہے، پھر یہ کیونکر فرض کیا جاسکتا ہے کہ
حضرت موسیٰ کی شریعت دفعتۃً نہایت مکمل صورت مین ہمارے سامنے آگئی ہو، اور اُس نے ترقی کی درمیانی
منزلین طے نہ کرلی ہون۔

بہرحال ان دلائل کی بنا پر کیا ہمارے عیسائی دوست یہ ماننے کو تیار ہین کہ حضرت موسیٰ کی شریعت
حمورابی بادشاہ بابل کی شریعت سے ماخوذ[۱] تھی؟

---

[۱] یہ بحث حجت الزامی کے طور پر ہے ورنہ مذہبی حیثیت سے ہمارا وہی عقیدہ ہے جو عام مسلمانون کا ہے یعنی یہ کہ
تورات خدا کی نازل کی ہوئی کتاب ہے،

# مشاہیر

## حکیم مہدی

(۲)

از پروفیسر ایس بی سمیع کیننگ کالج لکھنؤ

اس درمیان مین اودھ برابر معتمد الدولہ آغا میر کے زیرنگین رہا، شروع شروع اسکے خلاف کچھ سازشین ہوئین، اور چند روز کے لئے اسے قیدخانہ جانا پڑا، لیکن بادشاہ بیگم کی سفارش سے بہت جلد رہائی ہوگئی، اور دوبارہ جب عروج حاصل ہوا تو آخر تک قائم رہا، جسکے لئے اس نے خاص تدبیرین کین کہ ایک تو غازی الدین کو خوب منشیات و مخدرات پر لگائے رکھا، جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے کہان تو ہر ہفتہ دوبار رزیڈنٹ سے ملاقات ہوتی تھی، اور کہان اب دوسرے تیسرے مہینہ اسکی نوبت آنے لگی، دوسرے یہ کہ اس نے بادشاہ اور اسکے فرزند کے درمیان نفاق ڈلوادیا، گو جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ولیعہد کو اس سے عداوت ہوگئی اور جو شاید کسی قدر مبالغہ کے ساتھ یہ بیان کرتا ہے کہ "آغا میر علاوہ ۲۵ ہزار ماہانہ تنخواہ کے خود اپنے اقبال کے بموجب ۲۲ لاکھ سالانہ کی رقم رعایا سے وصول کرتا تھا، اور سرکاری حسابات کے مطابق ۴۳ لاکھ، اور سرکاری خزانہ سے اس نے جو جواہرات و زر نقد ہضم کیا اسکا شمار ہی نہین، پھر میرے عہد حکومت مین اس نے خزانہ کو جسطرح لوٹا وہ سب پر روشن ہے۔ آغا میر حکومت انگریزی کی ہر تجویز اصلاح کی مخالفت کرتا رہا۔ باین ہمہ اسکا انتظام اسقدر معقول تھا کہ اسکے زمانہ مین دارالسلطنت اور اسکے مضافات ویسے ہی محفوظ رہے، جیسے ہندوستان کا کوئی اور شہر ہو سکتا تھا"

غازی الدین حیدر کی وفات پر آغا میر نے استعفا دیدیا، لیکن بادشاہ سے ظاہری ملاپ ہو جانے اور رزیڈنٹ سے اپنی حفاظت کا اقرار کرا لینے کے بعد پھر اس نے منصب وزارت پر قدم رکھا، تاکہ

دسمبر ۱۸۲۶ء مین معزول کیا گیا،

اب نصیر الدین حیدر نے حکیم مہدی کو پھر بحال کرنا چاہا بلکہ تقرر نامہ تک اُنکے پاس بھیجدیا لیکن بادشاہ بیگم (زوجہ غازی الدین حیدر) کی ضد سے مجبور ہوکر اس حکم کو منسوخ کرنا پڑا، اور یہ منصب بادشاہ بیگم کے ایک خاص سفارشی، فضل علی کو جسے منا جان سے نسبت بوت دیجاتی ہے، تفویض کرنا پڑا، اُس نے اپنا خزانہ ۳۵ لاکھ کے سرمایہ سے مالا مال کر کے فروری ۱۸۲۹ء مین استعفا دیدیا۔

فضل علی، اور اسکے دو جانشینون رام دیال و اکبر علی کے زمانہ مین اودھ کی حالت روز بروز بدتری ہوتی گئی، لکھنؤ کی گلیان اور قرب وجوار کی سڑکین ہر شب قتل وغارت کی تماشا گاہ رہتی تھین ملک مین دیوانی، فوجداری کسی قسم کا قانون نہ تھا، اور گو فوج کے سارے سپاہی جنکی تعداد ۴۰ ہزار تھی، مختلف مقامات پر تحصیل وصول کے لئے متعین تھے، لیکن عملاً اس فرض کو انجام دینے سے بالکل قاصر تھے، بالآخر رزیڈنٹ کی تحریکات پیہم سے مجبور ہو کر بادشاہ نے جون ۱۸۳۰ء مین حکیم مہدی کو خلعت وزارت سے سرفراز کیا، اور علاوہ دیگر خطابات والقاب کے منتظم الدولہ کا بھی لقب بخشا جو آج تک زبان زد ہے۔

مگر چند ہی روز مین رزیڈنٹ اور وزیر سے بے لطفی ہوگئی، مسٹر میڈک، حکیم مہدی سے شروع ہی سے ناخوش تھے، اُنکے خیال مین حکیم مہدی، انگریزون کے اثر کے مخالف تھے، اسلئے وہ چاہتے تھے کہ یا تو وزارت سے معزول کردیئے جائین یا خود انکی ماتحتی مین آجائین، لارڈ بنٹنگ (گورنر جنرل) نے اس رائے کو ناپسند کیا اور حسب ذیل تحریر فرمایا۔

"مین وزیر کی مخالفت کو تسلیم نہین کرتا، وہ قطعاً اسوقت ہندوستان کے بہترین اشخاص مین ہے وہ بحیثیت اعلیٰ افسر مال کے اُس سے بڑھکر تمام ملک مین کیا انگریز اور کیا ہندوستانی کوئی شخص نہین اُسے اس امر کا شروع ہی سے احساس ہے کہ رزیڈنٹ کو بجز اسکے کہ خود تخت اودھ سنبھالے اور کوئی شے مطمئن نہین کرسکتی، اور اسکے لئے وزیر کسی طرح آمادہ نہین، البتہ مجھے یہ اُمید تھی اور اب بھی

کہ ایسا شخص جو نظم و نسق کی قابلیت مین تمام معاصرین سے افضل ہے، اگر رزیڈنٹ اسے اپنے مشورہ جنکا لہجہ خواہ کتنا ہی قطعی و مضبوط ہو تاہم ادب و احترام اور آشتی کا پہلو بھی لئے ہوئے ہو خلوص دل سے دیتے رہین، تو وہ بھی اصلاح مملکت مین بدل کوشان رہیگا۔"

گورنر جنرل نے یہ راے اپنے چشمدید حالات دیکھنے کے بعد قائم کی تھی، اس اظہار خیال کے بعد مسٹر میڈک کا اپنی جگہ پر رہنا ناممکن تھا، چنانچہ وہ ہٹا دیئے گئے، اور اگست ۱۸۳۱ء مین میجر لو رزیڈنٹ مقرر ہوئے جو ۱۸۴۲ء تک اس عہدہ پر رہے،

اس اثنا مین منتظم الدولہ کی دیانت پر اکثر حلقون مین بدگمانی ہونے لگی، اس بنا پر کہ انھون نے سلطنت کے محاصل نیز جملہ مداخل سرکاری پر بادشاہ سے پانچ فیصدی کی رقم اپنے لئے منظور کرالی تھی، خود حکیم مہدی کا بیان یہ تھا کہ یہ رقم وہ اپنے تصرف مین نہین لینا چاہتے تھے، بلکہ انہین سرکاری خزانہ مین جمع کر کے کچھ عرصہ کے بعد بادشاہ کی نذر کر دینے کا ارادہ رکھتے تھے، اور اس رقم کی بابت منظوری حاصل کرلینے سے مقصود صرف یہ تھا کہ بادشاہ کی نظرون مین انکا رسوخ سب کو معلوم ہو جائے، اور اس طرح ملک پر اُن کا خاص اثر و اقتدار قائم ہو جائے، حکیم مہدی کے اس بیان کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ آگے چل کر جب شاہ نصیر الدین حیدر ان سے ناخوش ہوے تو ان پر منجملہ اور الزامات کے ایک یہ بھی تھا کہ وہ اس رقم مین سے کچھ تغلب کر گئے تھے۔

لارڈ بنٹنگ کو منتظم الدولہ پر جو اعتبار تھا وہ اسکے اہل ثابت ہوے، اپنے تقرر کے بعد ہی وہ نہایت تندہی سے اصلاح کی جانب مشغول ہو گئے، چنانچہ اپریل ۱۸۳۱ء مین جب بادشاہ نے اصلاحات نافذ شدہ کی یادداشت مرتب کی تو معلوم ہوا کہ اصلاحات ذیل اتنے ہی عرصہ مین عمل مین آچکی ہین، مصارف سرکاری بہت گھٹ گئے تھے، ابواب اسراف ایک بڑی حد تک بند ہو چکے تھے، تنخواہ ملازمین کی بقایا جو سالہا سال سے چلی آتی تھی، بیباق ہو چکی تھی، نظم و نسق مملکت کے متعلق ایک کتاب آئین و ضوابط مرتب

ہوچکی تھی، علاقہ محمدی وخیرآباد کی بغاوتون کا استیصال ہوچکا تھا، اور زراعت وتجارت مین کافی ترقی کے آثار پیدا ہوچکے تھے۔

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ان اصلاحات کے نفاذ کے وقت کوئی مخالفت یا شورش نہین ہوئی بلکہ جب بے ضابطہ توپخانہ والون کی بقایا بیباق کرکے انہین برطرف کیا جانے لگا تو نوبت یہانتک پہنچی کہ سپہ سالار مظفر علیخان، اور بادشاہ بیگم کی شہ پاکر فوج نے پوری بغاوت کردی تھی۔

جولائی ۱۸۳۱ء مین انھون نے پورا تہیہ کرلیا کہ ملک مین بجائے کاشتکاری کے امانی کا طریقہ رائج کرین، انکی تجویز یہ تھی کہ موجودہ عاملون کو بطور مہتممین امانی کے بدستور برقرار رکھین، ملک کے چار دن صوبون مین ایک ایک محصل (کلکٹر) مقرر کرین، اور گنگا کے کنارہ کا سرکش علاقہ جہان اکثر بیگمات شاہی کی جاگیرین تھین، براہ راست اپنی ماتحتی مین رکھین۔

اصلاح کی راہ مین بڑی دقت یہ حائل تھی کہ رعایا کا کوئی ایسا طبقہ موجود نہ تھا جسمین سے متدین عمال کا انتخاب کیا جاسکے، وزیر نے یورپین اشخاص کو عامل مقرر کرنے کی تجویز کی، لیکن اسے گورنر جنرل نے نامنظور کردیا، رزیڈنٹ کے اس استفسار کے جواب مین کہ کیا ملک مین کوئی کارگذار شخص نہین، وزیر نے حسب ذیل جواب دیا۔

> "میرے علم مین تو کوئی بھی نہین، ملک سے علوم وفنون وانتظام ہر قسم کی قابلیت مدت ہوئی سلب ہوچکی ہے، نہ کوئی تعلیم ہے، نہ کوئی مدرسہ ہے، نہ کوئی تعلیم گاہ ہے جہان سے قابل اشخاص لئے جاسکین، میرے علم مین ملکی لوگون مین ایک شخص بھی کام کی اہلیت وصلاحیت نہین رکھتا۔۔۔
>
> میری رائے مین تو اگر رزیڈنٹ کی مدد وصلاح شریک نہو تو اودھ مطلق ترقی نہین کرسکتا۔"

منتظم الدولہ کو انگریزی حکومت سے خاص شکایت کا سبب یہ پیدا ہوا کہ ملک کی شورش فرو کرنے مین انھون نے کمپنی بہادر کی افواج کی مدد چاہی، اور اس سے انگریزون نے انکار کیا کہ کمپنی اور شاہ اودھ کے

تعلقات کی بنیاد معاہدہ سنہ ۱۸۰۱ء پر تھی، جسمین قرارداد یہ تھی کہ نواب کو اندرونی و بیرونی غنیم کے مقابلہ مین مدد دیجائیگی، ساتھ ہی نواب سعادت علیخان اپنے علاقہ خاص مین ایسا نظم و نسق قائم رکھینگے جس سے رعایا کی فلاح و بہبود ہو، اور باشندگان ملک کے جان و مال کی حفاظت متصور ہو، اور شاہ اودھ ہمیشہ افسران کمپنی کے صلاح و مشورہ کے مطابق عملدرآمد کرینگے۔" لیکن اس شرط کو فرمانروایان اودھ ہمیشہ نظر انداز کرتے رہے، اور حکومت انگریزی کے ارکان کا کہنا یہ تھا کہ جب نواب اپنے ہان کا نظم و نسق درست نہین رکھ سکتے تو ہم سے اعانت کے طالب کس حق سے ہوتے ہین؟ غرض اسوقت اس منطقی قیاس متحمل الضدین کا سامنا تھا، کہ بقول حکیم مہدی کے اعانت اسلئے ضروری تھی کہ اصلاحات در پیش تھین، اور بقول گورنر جنرل کے اعانت صرف اُسیوقت مل سکتی تھی جب نظم و نسق مین اصلاحات ہو چکی ہون،

لیکن ان سب رکاوٹون کے باوجود بھی اصلاح کا قدم آگے بڑھتا ہی رہا، میجر لو اپنے ایک طویل مراسلہ مورخہ ۱۳ جون ۱۸۳۲ء مین وزیر کے خلوص و تندہی کی شہادت دینے کے بعد جو اصلاحات اسوقت تک دائرۂ عمل مین آچکی تھین، انکی ایک فہرست دی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اودھ کا بڑا قطعہ اسوقت تک طریقہ امانی کے زیر اہتمام آچکا تھا، منجملہ ایک کروڑ چالیس لاکھ کی مجموعی مالگذاری کے ۹۲ لاکھ وصول ہونے لگا تھا، لکھنؤ مین ایک خاص عدالت قائم ہو گئی تھی جو عاملون کے خلاف استغاثہ سُنتی تھی، اور جہان سے غیر متدین عمال کو عبرتناک سزائین ملتی تھین، چنانچہ دو تھانہ دارون کو جن پر رشوت ستانی کا جرم ثابت ہوگیا یہ سزا ملی کہ جرمانہ و تازیانہ کے بعد اُنہین شہر بدر کرکے اُنکا منھ کالا کیا گیا، اور گدھے کی پشت پر اُنہین اُلٹے سوار کرکے بازارون مین پھرایا گیا، یہ نظیر ریزیڈنٹ کے خیال مین دوسرون کے لئے خاص طور پر عبرت انگیز ثابت ہوئی ہوگی، علاقہ جاگیر بیگمات مین ڈاکوؤن کے استیصال کے لئے خاص پولس تعینات ہوئی جسکی کارگذاری کا نتیجہ یہ ہوا کہ پڑوس کے انگریزی علاقہ الٰہ آباد مین پولس کے سوارون کی تعداد مین تخفیف کردینا پڑی۔

منتظم الدولہ کی عدل گستری نے ایسا عام اعتماد پیدا کر لیا کہ سیکڑون زمیندار جو سالہا سال سے برابر

حکومت کے خلاف سرکشی کر رہے تھے، اب از خود آکر مصالحت کرنے لگے، ملک مین علانیہ بغاوت کا نام بھی نہ رہا، یہانتک کہ آخری نو مہینہ کے زمانہ مین مسلح فوج کی تعداد مین بقدر ۱۱ ہزار سپاہیون کے تخفیف کر دیگئی۔

وزیر مین عیوب یہ تھے کہ مزاج مین شک و بدگمانی تھی اور غصہ جلد آجاتا تھا، بعض سرکاری مصارف شلاً جشنون اور تہوارون کے موقع پر ضرورت سے زیادہ جزرسی برتتا تھا، حالانکہ ایسے مواقع پر تھوڑی بھی فیاضی کا اظہار کر کے رعایا کا دل ہاتھ مین لیا جا سکتا تھا، اسکے علاوہ جزئیات امور مین حد سے زیادہ وقت صرف کرتا تھا، لیکن اگر بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو ہمین شبہہ نہین کہ اس سے پہلے ۲۰ برس کی مدت مین جتنے وزراے سلطنت ہوئے تھے وہ ان سے زیادہ قابل وکارگذار تھا۔"

جولائی سنہ ۱۸۳۲ء کے آخر ہفتہ مین، بادشاہ و حکیم مہدی کے درمیان بے لطفی کی خبرین میجر لو کے کانون تک پہنچے لگین، یہانتک کہ ۳۰ کی شام کو وکیل سلطانی تاج الدین حسین خان رزیڈنٹ کے پاس بادشاہ سے تخلیہ کی ملاقات کا وقت مقرر کرانے آئے، اور رزیڈنٹ کے استفسار کے جواب مین بیان کیا کہ بادشاہ کے تکدر طبع کے اصلی اسباب یہ ہین کہ نصیر الدین حیدر پر انکی والدہ بادشاہ بیگم کا بہت اثر ہے، اور وہ حکیم مہدی کی صورت سے بیزار ہین، دوسرے یہ کہ بیگمات شاہی، اعزۂ شاہی و ارکان دربار مین سے کوئی وزیر کا ہمدرد و دوست نہین، بلکہ چونکہ انکے وظائف مین تخفیف ہوگئی ہے، تغلب و تصرف کے مواقع گھٹ گئے ہین، اور بعض تو وزیر کی سخت وسست بھی سن چکے ہین، اسلئے اکثر انکے مخالف و دشمن ہین۔"

دوسرے روز رزیڈنٹ بادشاہ کے ہمراہ سوار ہو کر دلکشا کھانا کھانے گئے، بادشاہ نے حکیم مہدی کے خلاف بعض مضحکہ خیز شکایات بیان کین، مثلاً یہ کہ "وہ مجھے زہر دیکر خود بادشاہ بننا چاہتا ہے، بادشاہ بیگم نیز میری محبوب ملکہ قدسیہ بیگم کی علانیہ توہین کر چکا ہے، ایک مرتبہ اس نے میرے والد مغفور کی تصویر پیلات ماری ہے" وغیرہ، رزیڈنٹ نے یہ جواب دیا کہ بادشاہ تک یہ شکایات قطعاً غلط پہنچی ہین، نیز یہ کہ حکیم مہدی کی معزولی گورنر جنرل کی سخت ناخوشی کا باعث ہوگی، اسپر نصیر الدین حیدر نے وعدہ کیا کہ بغیر رزیڈنٹ کو اطلاع

دیئے وہ کوئی کاروائی نہ کریگا۔ لیکن باوجود اس وعدہ کے اس نے وزیر پر علانیہ مستولی قائم رکھی۔ وزیر کے دشمن مظفر علیخان کو قید سے رہا کردیا، اور وزیر کو خورشید منزل مین حاضری کی ممانعت کردی، جہان تمام دربار کے لئے خیمہ نصب ہوئے تھے، یہ خبر جونہی مشہور ہوئی، شہر مین شورش اور بلوے ہونے لگے، رزیڈنٹ نے صفائی کرانا چاہی، اور بظاہر اسمین کامیابی بھی ہوئی، وزیر نے اپنے تمام نادانستہ گناہون پر دست بستہ عفو تقصیر چاہی، اور بادشاہ نے معافی دی، لیکن عین وہی شب اس نے اپنے مشیران جدید، روشن الدولہ، مظفر علیخان، جعفر علیخان و کنور رتن سنگھ کے ساتھ مشورہ مین صرف کی، یہ سب کے سب بجز روشن الدولہ کے، بدترین اشخاص تھے، اور انھون نے حکیم مہدی کی گرفتاری کا پرزور مشورہ دیا، صبح کو وزیر کو یہ حکم ملا کہ خانہ نشین ہوجائے اور ملازمان سرکاری کو اس سے ملنے کی ممانعت ہوگئی، لیکن بادشاہ مین اتنی ہمت نہ تھی کہ اسکی معزولی کا فرمان صادر کرین، ممانعت یہ کی کہ ریزیڈنٹ کے پاس یہ پیام بھیجا کہ اگر آپ حکیم مہدی کو طلب کرکے برطرف کردین تو مین ۲۵ لاکھ نذر کرتا ہون، رزیڈنٹ نے جواب دیا کہ "مین ۲۵ کروڑ لیکر بھی ایسی فرمائشون کی تعمیل سے معذور ہون"

۷۔ اگست کو بادشاہ رزیڈنٹ کے ہان تشریف لائے اور کہا کہ اب مین نے ارادہ کرلیا ہے کہ امور سلطنت بغیر کسی وزیر کے بذات خود انجام دونگا، اور منتظم الدولہ کو اجازت ہے کہ لکھنؤ سے باہر جہان جی چاہے چلے جائین۔

۹۔ اگست کو حکیم مہدی قصر شاہی کے ایوان وزارت سے شب کے وقت چُپ کر نکلے اور شہر مین جو اپنا قدیم مکان ۳۰ سال سے تھا، اسمین چلے آئے، اسلئے کہ حکیم مہدی نے آغا میر کی طرح اپنے لئے محل نہین تعمیر کرائے تھے، یہان مارچ تک رہے، جب جاکر روانگی فتحگڈھ کی اجازت ملی۔

ناسخ نے انکے زوال کی دلچسپ تاریخ نکالی ہے۔

افتاد حکیم از مراتب | تاریخ بطرز نو رقم کن
---|---
ز رجائے "حکیم" ہشت برگیر | سہ مرتبہ نصف نصف کم کن

۱۲۴۹ھ

حکیم مہدی کے معزولی کے افسوسناک نتائج کا اندازہ مالگذاری کے اعداد سے ہوسکتا ہے، اکتوبر ۱۸۳۰ء سے فروری ۱۸۳۲ء تک مالگذاری کی آمدنی ۱۳۰ لاکھ ۶۳ ہزار تھی، دوسرے سال انہیں پانچ مہینوں میں کل ۱۰۱ لاکھ ۴۲ ہزار وصول ہوئے۔

مناظر طبعی کی عاشق مسز فینی پارکس نے حکیم مہدی سے انکے عہد وزارت مین ملاقات کی تھی انکے بعد انکی معزولی کے زمانہ مین فتحگڈھ مین ان سے پھر ملی، انکے روزنامچہ سیاحت مین حکیم مہدی کے متعلق بعض بہت دلچسپ معلومات ہین، ۱۸۳۵ء مین جب وہ ملی ہے، وہ محرم کے اہتمام مین مشغول تھے، بقول انکے "حکیم مہدی بڑے مذہبی آدمی تھے، اور روزہ نہایت پابندی واستقلال کے ساتھ رکھتے تھے" مسز پارکس نے ایک کارخانۂ شال کا بھی معائنہ کیا جو اُنھون نے اس غرض سے قائم کیا تھا کہ نادار کشمیریون کی اس سے پرورش ہو، چنانچہ تین چار کاریگر اسمین کام کررہے تھے، اور ایک مدرسہ بھی وہین قائم تھا۔

نصیر الدین حیدر کی وفات پر حکیم مہدی پھر منصب وزارت پر سرافراز ہوئے، مسز پارکس کے روزنامچہ کا ایک اندراج یہ ہے:-

"۲۴ ستمبر ۱۸۳۷ء - نواب حکیم مہدی پھر وزیر مقرر ہوے ہین آج اپنی پیرانہ سالی مین وہ کسقدر خوش ہونگے! فتحگڈہ مین مدتون سے وہ اپنے اعزاز رفتہ کے حصول کی تمنا کر رہے تھے، نواب اودھ کے قصد سے روانہ ہوگئے، مگر کوچ کے پہلے ہی دن جس گھوڑے کی پشت پر نقارہ تھا وہ گرا اور مرگیا، نیز ایک توپ اُلٹ گئی، یہ دونون سخت بدشگونی کے واقعات ہوئے"

اسکے بعد ۲۵ - دسمبر کی تاریخ کے ذیل مین نواب کے انتقال کی خبر درج ہے،

(ریڈلی، ستاریکل سوسائٹی جرنل)

# تصوف اور تناسخ

(از مسٹر پریم شیر لال ایم اے)

ہمارے ہندو برادران وطن خود ہندوستان مین انگریزی کے جسقدر بلند علمی رسائل نکال رہے ہین کوئی مسلمان اُن سے کمتر بھی کوئی انگریزی رسالہ نہین نکالتا، پھر جس تفحص اور تلاش کے ساتھ وہ پیتھوی علوم و تاریخ کو حکمران طبقہ تک پہنچا رہے ہین، وہ خود انکی قومی عزت کے پایہ کو بلند کر رہا ہے، اسپر ان کا مزید احسان یہ ہے کہ کبھی کبھی اس علمی مجلس مین وہ مسلمانون کو بھی بلا لیتے ہین، یعنی انکے علوم و تاریخ کے متعلق بھی مضامین لکھتے رہتے ہین، لیکن ہر قوم کو دوسری قوم کے ساتھ جو فطری بیگانگی ہوتی ہے وہ اغلاط اور غلط فہمیون کی موجب بنجاتی ہے، ذیل کا مضمون ایک ہندو فاضل نے ہندوستان ریویو مین شائع کرایا ہے، اس مضمون مین گو متعدد مسامحات ہین، لیکن ہم اسلئے اُسکو شائع کرتے ہین تاکہ معلوم ہو کہ ہمارے برادران وطن ہم سے کس حد تک واقف ہین،

پتر جنم یا عقیدۂ تناسخ، دنیا کے تمام آریہ مذاہب یعنی ہندو، جین اور بدھ مذہبون کا جزو رہا ہے، بخلاف اسکے سامی مذاہب یعنی اسلام، مسیحیت، و یہودیت کے ارکان اعظم ہمیشہ اسکے منکر رہے ہین، ان مین سے یہود تو اپنی قلت تعداد کی بنا پر کوئی اہمیت نہین رکھتے، رہے ہندوستانی مسیحی، سو وہ بھی ہندوستان کی قومی زندگی مین جذب ہوتے جاتے ہین، اسلئے اُنکے اور ہندوؤن کے مذہبی اختلافات چندان قابل التفات نہین، البتہ مسلمانون کی حالت ان دونون سے مختلف ہے، ان کا اور ہندوؤن کا چولی دامن کا ساتھ ہے، اور انکے سلک تصوف سے توقع ہو سکتی تھی کہ مسئلہ تناسخ انکے ہان جزو عقاید ہوگا، لیکن انکے ائمہ تصوف عموماً اسکے منکر ہین۔

مسلمانون کی آبادی مین نوّے (۹۰) فیصدی اہل سنت ہین، یہ سواد اعظم تمام تر شریعت کا متبع ہے، تاہم فارسی زبان کی وساطت سے یہ فرقہ سلوک و عرفان، طریقت و روحانیت سے ناآشنا رہا ہے، اور تصوف کو تسلیم

کر لینے کے بعد ہندوؤں و مسلمانوں کی مذہبی تفریق بھی کوئی چیز باقی نہین رہجاتی، ہندو صوفی اور مسلمان صوفی مین جو کچھ فرق ہے، وہ تاریخی اسباب کا معلول ہے، نہ کہ اصول مذہب کے اختلافات کا، جس طرح ہندوؤن کے ہان "ادویت" و "دویت" (وحدت، اثنینیت) کے دو مختلف مسلک تھے، بعینہ اسی طرح مسلمان صوفیہ مین بھی بعض ہمہ اُوست کے قائل ہین، اور بعض ہمہ ز اوست کے، اور اسی طرح موجودہ ہندویت کے عقیدہ "وششٹ ادویت" کی تعلیم بھی مسلمان صوفی شعراء کے ہان کثرت سے ملتی ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ باین ہمہ تشابہ و اشتراک عقیدہ تناسخ صوفیون کے مسلک سے خارج ہے، مین نے جن مسلمان علماء سے تشفی چاہی، وہ سب تناسخ کے منکر نظر آئے، نہ صرف ایک جسم انسانی سے دوسرے جسم انسانی مین بلکہ سرے سے ارتقاے روحانی کے:

لیکن میرے نزدیک اگر اصل تصانیف کا مطالعہ کیا جائے تو شاید اس مسئلہ کا حل ہو سکتا ہے، امام غزالی کی جلیل القدر تصنیف احیاء العلوم کے مطالعہ سے، جسکا اُردو ترجمہ ہو چکا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ مصنف قدم قدم پر فلاطون کے عالم مثال کی بل پر گفتگو کر رہا ہے، امام موصوف نے فلاطون کی تصانیف اگر اصل یونانی مین نہین تو کم از کم انکا عربی ترجمہ ضرور مطالعہ کیا تھا، اور حکیم یونان کی تعلیمات کا اس سامی النسل امام اعظم کے خیالات پر یقیناً بہت عمیق اثر پڑا تھا، لیکن اس مسئلۂ تناسخ کو حکیم بغداد نے شاید حکیم یونان سے بھی زیادہ ایک قابل اخفاے خیال کی، اور اسے ہمیشہ "علم سینہ" کی طرح محفوظ رکھنا چاہا، اُنکے نزدیک یہ بات برملا کہنے والی نہ تھی، اور اسلئے اُنھون نے اس خیال کو بڑے گہرے پردون مین ادا کیا ہے، غزالی کا زمانہ وہ تھا جب خلافت عباسیہ کا شباب تھا، اور شریعت کی ادنیٰ سی مخالفت بھی قابل تعزیر تھی، اسکے علاوہ دور عباسیہ کی ایک افسوسناک خصوصیت بھی جس نے انکی حکومت کو علم کُشی و علم پروری کا جامع اضداد بنا دیا تھا، ملحوظ رکھنا چاہیئے خلفاء عباسیہ مین شبہہ نہین کہ بہت بڑے علم دوست و علم پرور تھے، چنانچہ یونانی، رومی، و سریانی بلکہ سنسکرت تک کی بیشمار کتابون کا انہین نے ترجمہ کرایا، لیکن وہ اپنی زبان سے کسی دوسری زبان کو فضل و اشرف نہین دیکھ سکتے تھے، اسلئے اسی علم پروری کے پہلو مین علم کُشی بھی جاری تھی، یعنی تراجم کے بعد دوسری زبانون کی اصل تصانیف

جلا ڈالی جاتی تھین[1]، تاکہ کوئی زبان سطح ارض پر عربی کی حریف باقی نہ رہجائے، لیکن اسکا نتیجہ یہ ہوتا تھا، کہ یونانیون وغیرہ کے جو اصل خیالات تھے وہ پوری قوت و وضاحت کے ساتھ منتقل نہو سکے، اسلئے کہ ترجمہ خواہ کتنی ہی کاوش و قابلیت سے کیا جائے، پھر بھی ترجمہ ہے، اصل کی قوت و صفائی اسمین کہان سے آسکتی ہے، امام غزالی نے بھی یونانیون نیز مصر کے اشراقیین جدید سے انہین تراجم کے ذریعہ سے استفادہ کیا ہوگا، اسلئے گو احیار مین قدم قدم پر افلاطون کی جھلک نظر آتی ہے، لیکن وہی ناصفائی [illegible] کے ساتھ، اسمین شبہہ نہین کہ غزالی کا مرتبہ اہل طریقت مین بہت ممتاز ہوا ہے، انھون نے علوم ظاہری کی کمی کی تلافی اپنی قوت باطنی سے کرلی تھی، تاہم روح کی تدریجی ترقی و تناسخ کا ذکر تصریح کے ساتھ انکے ہان نہین ملسکتا۔

غزالی کے بعد ہی تاتاریون کا سیلاب آیا جس نے اہل عرب کی علمی زندگی کا خاتمہ کردیا، و آخرکار ہلاکو نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی، لیکن فتنۂ ہلاکو سے پیشتر ہی ممالک اسلامی مین انتشار و طوائف الملوکی کا دور دورہ ہوگیا تھا، اور یہ حالت تقریباً ڈیڑھ صدی تک قائم رہی، یہی وہ زمانہ ہے، جب موجودہ فارسی شاعری عالم وجود مین آئی، اور مسلمانون نے فقہ و شریعت کے دائرہ سے نکل کر اسرار کائنات پر آزادانہ غور و تدبر شروع کیا، اسی زمانہ مین تصوف نے ایک مستقل حیثیت پیدا کی، یہانتک کہ شمس تبریز اور مولانا روم کے زمانہ مین مستان الٰہی کی ایک بالکل نئی بساط قائم ہوگئی تھی، شمس تبریز کی خود کوئی تحریر موجود نہین، جو دیوان و کلیات انکے نام سے مشہور ہے وہ انکے شاگرد رشید مولانائے روم کا ہے، ہند کے مشائخ مین شمس تبریز کی غزلین بجا طور پر نہایت مقبول ہین، اور اکثر سماع کی محفلون مین حاضرین کو ان پر حال آتا ہے، (اسی کیفیت کو دیکھکر بعض مغربی مصنفین ان صوفیون کو "درویشان رقاص" سے موسوم کرتے ہین،) مین کلیات شمس تبریز کو ابھی تمام و کمال مطالعہ نہین کرسکا ہون، تاہم یہ بالکل یقینی ہے کہ شمس تبریز و مولانائے روم کا طرز بیان، مصنف احیار العلوم کے لب و لہجہ سے بالکل مختلف ہے، غزالی زیر لب گوشیا

[1] معارف: یہ سرتاپا غلط ہے، اسکی کوئی مثال کتب داستان تک مین بھی نہین پیش کیجا سکتی، معلوم نہین ہمارے ہندو دوست نے یہ واقعہ کہان سے نقل کیا

کرتے تھے، لیکن رومی بہ آواز بلند پکار پکار کر کہتے ہیں،

من ز قرآن مغز را برداشتم — استخوان پیش سگان انداختم

یہ "سگ" کون ہیں؟ جبہ پوشان علوم ظاہر، چنانچہ رومی کے بعد سے صوفیہ نے عموماً یہی لہجہ علمائے ظاہر کے متعلق اختیار کر لیا، اور دنیائے اسلام میں رومی کی عظمت مسلم ہو گئی، جیسا کہ اشعار ذیل سے ظاہر ہوگا،

ہست قرآن در زبانِ پہلوی — مثنوئ مولوئ معنوی

من چہ گویم وصف آن عالیجناب — نیست پیغمبر ولے دارد کتاب

مولانا رومی نے ان اسرار کو بالکل بے نقاب کر دیا فرماتے ہیں،

ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام — ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ ام

آجکل کے تھیاسوفسٹ گروہ کو سات سو برس پیشتر کے اس مقدس اسلامی لٹریچر میں "۷۷۰" کا عدد دیکھکر قطعاً ایک خوشگوار تحیر ہوگا، لیکن اس شعر کی عام علمائے اسلام بالکل مختلف تاویلات کرتے ہیں، اسلئے ہم اس سے قطع نظر کر کے وہ اشعار پیش کرتے ہیں جنمین مولانا نے شک واشتباہ کی کوئی گنجائش ہی نہین چھوڑی ہے، ارشاد ہوتا ہے،

از جمادی مُردم و نامی شدم — از نما مردم بہ حیوان سر زدم

مردم از حیوانی و آدم شدم — پس چہ ترسم کے ز مُردن کم شوم

تا بر آرم از ملائک بال و پر — حملۂ دیگر بمیرم از بشر

از ملک ہم بایدم جستن ز جو — کل شیٔ ہالک الا وجہہ

بار دیگر از ملک قربان شوم — انچہ اندر وہم نایدآن شوم

پس عدم گردم عدم چون ارغنون — گویدم کانا الیہ راجعون

عقیدۂ تناسخ کی اس واضح و صریح تعلیم کی نظیر اگر کہین مل سکتی ہے، تو صرف آریہ ورت کے لٹریچر مین

رومی کا زمانہ تصنیف تیرہوین صدی عیسوی کے آخر مین تہا، لیکن اسی کے بعد ہی دنیاے اسلام مین پہر امن ونظم قائم ہوگیا، ایران مین ایک شیعی حکومت قائم ہوگئی، مغل وترک قبائل آل عثمان مین ضم ہوگئے، ہندوستان پر غلجیون کا تسلط قائم ہوگیا، اور دکن مین بہمنی خاندان کا پرچم لہرانے لگا، غرض یہ کہ ہندوستان سے لیکر ساحل افریقہ وا سپین تک سارا قطعۂ ارض اسلام کے زیرنگین آگیا، لیکن فرقۂ شیعہ کو صوفیہ کے ساتھ عباسیون سے بھی زیادہ عداوت تھی، اور ترکون کو علم وروشن خیالی سے کوئی واسطہ ہی نہ تہا، نتیجہ یہ ہوا کہ ان اقوام مین تصوف کو مطلق سرسبزی نہ حاصل ہوسکی، لے دیکے صرف ہندوستان ایک ایسا ملک تہا جہان تصوف کا نشوونما ہوسکا، اور یہان قدرتی طور پر اسلامی تصوف، ہندوؤن کی تعلیمات سے کافی متاثر ہوا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہی تصوف جو اپنے مولد یعنی ایران مین صرف مسلمانون تک محدود رہا، ہندوستان مین اسکے فیض کا دائرہ نہایت وسیع ہوگیا، اور اس نے کفر واسلام کا امتیاز اٹھا دیا، دربار اکبری کا شاعر اسی صوفیانہ خیال کو ادا کرتا ہے،

درحیرتم کہ دشمنی کفر ودین چراست — از یک چراغ کعبہ وبتخانہ روشن است

لیکن افسوس ہے کہ ہندوستان مین اسلامی حکومت کے قیام سے بہت پیشتر مسلمان علم وحکمت سے خالی ہوچکے تھے، حکماء اسلام کا آخری شخص بوعلی سینا اسوقت تہا، جبکہ محمود غزنوی "قتل وغارت" مین مصروف تہا، مولانائے روم اسکے تقریباً ڈیڑھ صدی بعد پیدا ہوئے، اور انھون نے چہرۂ حقائق سے نقاب الٹی، لیکن حامیان اسلام کے دنیوی اقتدار کی بازگشت کے ساتھ فقہ وشریعت کی حکومت قائم ہوگئی، اور علماء ظاہر کے خوف سے سرمستان معرفت کو بھی زبان کھولنے کی جرأت نہ ہوسکی، نوبت یہ پہنچی کہ شمس تبریز کی اس مشہور ولاجواب غزل کے

چہ تدبیر اے مسلمانان کہ من خود را نمی دانم — نہ ترسا و یہودیم نہ گبرم نہ مسلمانم

مکانم لامکان باشد نشانم بے نشان باشد — نہ تن باشد نہ جان باشد کہ من خود جانِ جانانم

دوئی از خود برون کردم، یکے دیدم دو عالم را — یکے جویم یکے گویم یکے دانم یکے خوانم

دوسرے شعر کے مصرعۂ ثانی کو مسخ کرکے عام اہل اسلام یون پڑھتے ہین من نتوی باشد نہ جان باشد کہ من انسجان جانانم، اور اس طرح علمار شریعت کے ڈر سے ہمہ اوست کے اعلیٰ ترین تخیل کو ہمہ ز دوست کی پستی پر لے آتے ہین۔

غرض یہ کہ گو عام اہل اسلام تناسخ کے قطعی منکر ہین، لیکن طریقت کی سطح شریعت سے بلند تر ہے اور وہان یہ سرّ حقیقت بے نقاب نظر آتا ہے، البتہ اسکے نظر آنے کے لئے بھی چشم بصیرت چاہیئے، اسرار تصوف ہر کس و ناکس کے لئے نہین ہوتے۔

## معارف:

**وحدۃ الوجود، تناسخ اور ارتقا** سب علٰحدہ علٰحدہ مفہوم ہین، مضمون نگار نے ان تینون کو ایک معنی مین لیلیا ہے، تناسخ جن شرائط اور قیود کے ساتھ ہندو فلسفہ مین تسلیم کیا گیا ہے، وہ نہ صرف اسلام بلکہ تمام سامی مذہب کے مسئلۂ جزا و سزا کے مخالف ہے، وحدۃ الوجود کا مسئلہ کم و بیش اکثر صوفی مسلمانون مین تسلیم کیا جاتا ہے، گو اسکی تفصیل مین اُن مین باہم اتحاد رائے نہین، اور اسلام سے اسکی مطابقت و مخالفت کا سوال درحقیقت اسی تفصیل کی نوعیت پر موقوف ہے، مسلمانون مین اس مسئلہ کے سب سے بڑے علمبردار محی الدین عربی ہین، مسئلۂ ارتقار، اپنے اجمالی مفہوم مین متعدد حکماے اسلام کی تصریحات مین داخل ہے، خصوصًا مصنفین اخوان الصفا ابن مسکویہ، راغب اصفہانی نے اسکی پوری تفصیل کی ہے، البتہ مولانا رومی نے اس نظریہ کا ایک قدم اور آگے بڑھا دیا، یعنی حکما ارتقا کا آخری زینہ انسانیت تک لاکر ختم کر دیتے تھے، مولانا نے ارتقار کا ایک اور قدم آگے بڑھایا، اور فرمایا کہ انسانیت کے درجہ تک تو جسمانیت کی تکمیل ہوتی ہے، روحانیت کی تکمیل ابھی نہین ہوئی اسکے لئے ضرورت ہے کہ انسانیت سے نکل کر پہلے ملکوتیت اور پھر لاہوتیت مین داخل ہو۔

مولانا ایک اور مقام پر اسکی تشریح کرتے ہین،

آمدہ اول بہ اقلیم جماد — وز جمادی در نباتی اوفتاد
سالہا اندر نباتی عمر کرد — وز جمادی یاد نا ورد از نبرد

وز نباتی چون بحیوان اوفتاد | نامدش حالِ نباتی ہیچ یاد
جز ہمان میلے کہ دارد سوے آن | خاصہ در وقتِ بہار ضیمران
ہمچو میلِ کودکان با مادران | سرّ میلِ خود نداند در لبان
ہمچنین اقلیم تا اقلیم رفت | تا شد اکنون عاقل و دانا و زفت

اس بیان مین مولانا نے اس مسئلہ کو بھی واضح کردیا کہ انسان کو گوشت اور نباتات کے کھانے کا کیون فطری ذوق ہے، فرماتے ہین کہ ہر شے کو اپنی اصلیت کی طرف میل کامل ہوتا ہے، جسطرح شیرخوار بچہ مان کے دودھ سے اپنے کو نشو ونما دیتا ہے، اُسی طرح انسان جسکی اصلیت نباتات وحیوانات ہین، اور وہ گویا اسکی مادر فطرت ہین، وہ مجبور ہے کہ اپنے جسمانی نشو ونما کو اُنہین کے ذریعہ سے ترقی دے، اور چاہتا ہے کہ انکو اپنے اندر داخل کرے، مولانا کے اس شعر

ہمچو سبزہ بار بار روئیدہ ام | ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ ام

سے اکثر قائلین تناسخ نے مولانا کے معتقد تناسخ ہونے پر استدلال کیا ہے، لیکن یہ صحیح نہین، مولانا دیگر حکما کی طرح مسئلہ تجدد امثال کے قائل تھے، یعنی یہ کہ ہر آن مین انسان کے جسم کے ذرات بدلتے رہتے ہین، اور اس طرح ہر جسم باوجود یکسانیت اور ایک ہی طرح نظر آنے کے ہمیشہ بدلتا رہتا ہے، فرماتے ہین،

پس ترا ہر لحظہ مرگ و رجعتے است | مصطفیٰ فرمود دنیا ساعتے است
ہر نفس نو می شود دنیا و ما | بے خبر از نو شدن اندر بقا
عمر ہمچون جوے نو، نو می رسد | مستمرے می نماید در جسد

تھیاسوفسٹ گروہ نے "..." کے عدد کو اپنا نشان راز مقرر کیا ہے، مولانا کے کلام مین "ہفتصد و ہفتاد" کے لفظ کو دیکھکر مضمون نگار نے سمجھا ہے کہ یہ وہی ..."، کا مقدس عدد ہے لیکن ہر ادنیٰ فارسی دان جانتا ہے کہ ہفتصد و ہفتاد "..."، ہے نہ کہ "..."۔

مسلمان حکما مین جو اصلی معتقد تناسخ ہے مضمون نگار نے اُسکا نام ہی نہین لیا، وہ شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی ہین، حکمۃ الاشراق مین اُسپر اپنے جانتے دلائل فلسفیانہ کے علاوہ قرآن مجید سے بھی استدلال کیا ہے، زکریا رازی بھی اسکے قائل تھے

# تلخیص و تبصرہ

## مسئلہ خلافت اور علمائے یورپ

مسئلہ خلافت محض ایک سیاسی مسئلہ نہیں، بلکہ کم از کم مسلمانوں کے لئے تو تاریخی، علمی، و تمدنی حیثیت سے بھی اہمیت رکھتا ہے۔ پچھلے چند ماہ میں انگریزی جراید و رسائل نے اسپر جو نہایت کثرت سے مضمون آرائیاں کیں گو انکا بیشتر حصہ ایک انبار ہے سیاسی خرافات کا، تاہم دریا کی گہرائیوں میں کبھی موتی بھی نکل آتے ہیں،

سر تھیوڈ ماریسن نے اس موضوع پر ٹائمز میں متعدد مضامین لکھے، ایک مضمون کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اہل یورپ کو سب سے پہلی بات یہ ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ مسلمانان عالم کو ترکی کے ساتھ قلبی یگانگت ہے اور سلطان ترکی کے دنیوی اقتدار کے خاتمہ کا خیال ہی انہیں برہم کر دینے کو کافی ہے، اس موقع پر ہمارا یہ ان سے یہ کہنا بالکل عبث ہے کہ انہیں سلطان کو اپنا خلیفہ تسلیم کرنا چاہیئے، چاہیئے یا نہ چاہیئے، بہرحال واقعہ یہ ہے کہ وہ تسلیم کرتے ہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ خلافت، عباسیہ کے ہاتھ سے نکل کر آل عثمان تک کیونکر پہنچی ہے، لیکن اس راز کے محرم ہونے کے بعد بھی وہ اپنے اس خیال میں بالکل پختہ و غیر متزلزل ہیں، یہ تاریخی داستان مجھے ایک مسلمان فاضل اجل مولانا شبلی نعمانی نے بیان کی تھی، اور بعینہ وہی باتیں تھیں جو آج ڈاکٹر گریول (یا دوسرے مسیحی) کہتے ہیں، لیکن باایں ہمہ اگر آج شبلی زندہ ہوتے تو قسطنطنیہ سے ترکوں کے اخراج کی تجویز پر وہ بھی اسیقدر برہم ہوتے جیسے عموماً مسلمانان ہند ہو رہے ہیں، بے شبہ ہم اس پر تاسف کر سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے یہ عقاید کیوں ہیں، لیکن اس واقعہ سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یہی عقاید ہیں"

ایک دوسرے مراسلہ میں لکھتے ہیں:۔

"اسلام محض ایک مذہب کا نام نہین، وہ ایک تمدن بھی ہے.... مسلمانان عالم تمامتر اس تمدن سے وابستہ ہین، اور وہ اس تمدن کے فنا ہوجانے کے خیال کو بھی نہین برداشت کرسکتے، انکا یہ اعتقاد ہے اور مین بھی اس اعتقاد مین انکا شریک ہون، کہ اس اسلامی تمدن کا نشوونما کسی غیر اسلامی حکومت کے تحت مین ہو ہی نہین سکتا"

نامور مستشرق پروفیسر براؤن نے بھی اس بحث پر ٹائمز مین ایک مضمون لکھا ہے، اسکے آغاز مین وہ لکھتے ہین کہ

"مجھے ہمیشہ اس امر پر سخت حیرت رہی ہے کہ جو لوگ محمدؐ کی رسالت کے منکر ہین وہ کیون اس بحث مین اپنا اسقدر وقت و دماغ صرف کرتے رہتے ہین کہ خلافت یا نیابت کا حقدار کون ہے، یہ بالکل ایسی ہی مہمل بات ہے کہ جیسے مسلمان اس فیصلہ کے درپے ہوجائین کہ عیسیون مین "پوپ" یا "حامی ملت" کے لقب کا حق کسکو پہنچتا ہے"

اسکے بعد وہ متعدد تاریخی واقعات کے استناد سے یہ دکھاتے ہین کہ یہ مسئلہ مسلمانون مین شروع سے مختلف فیہ رہا ہے، چنانچہ خوارج نے تو یہ انتہا کردی کہ قریش کے مقابلہ مین ادنی ترین قوم کے فرد کو ترجیح دینے لگے، آگے چل کر وہ لکھتے ہین کہ سلاطین آل عثمان منصب خلافت کے کچھ آج مدعی نہین ہوے ہین، بلکہ اگر سلطان سلیم (۱۵۱۲ تا ۱۵۲۰ء) مین تو اسکے فرزند سلیمان اعظم (۱۵۲۰ء تا ۱۵۶۶ء) کے زمانہ سے تو انکا یہ دعوی بہرحال چلا آتا ہے، چنانچہ سلیمان اعظم کی وفات پر مفتی ابوالسعید نے عربی زبان مین جو مرثیہ کہا تھا، اسمین تصریحاً اسے "خلیفۃ اللہ" کے لقب سے یاد کیا گیا ہے یہ مرثیہ وسٹنفیلڈ کے "آثار مکہ"[1] جلد ۳ صفحہ ۳۲۶ تا صفحہ ۳۳۳ مین مندرج ہے، مزید شہادت فریدون بے کے مرتب کردہ کاغذات سرکاری[2] سے بہم پہنچ سکتی ہین، پروفیسر براؤن، مسٹر اڈورڈ مکریسی کے الفاظ ذیل سے حرف بحرف اتفاق ظاہر کرتے ہین کہ

جب سلیم نے مصر فتح کیا تو وہان عباسی نسل کا خلیفہ فرمانروا تھا، سلیم نے اسے اسپر آمادہ کیا کہ وہ

[1] Wustenfelds chroniken der stadt Mekka

[2] Turkish state papers.

خلافت کو باضابطہ سلیم اور اسکی نسل کی جانب منتقل کردے، ساتھ ہی سلیم نے خلافت کے آثار ظاہری بھی جکے حامل عباسیہ چلے آتے تھے، اپنے قبضہ مین کرلئے یعنی علم مقدس و شمشیر و ردا ۔ سے بہیرؓ تاریخ اتراک عثمانی صفحہ ۱۰۰ )

پروفیسر موصوف سر تہیوڈ ماریسن کے اقتباسات مندرجہ بالا کی پوری تائید کرتے ہین اور اپنے مضمون کو یون ختم کرتے ہین :-

"اگر گنجائش ہوتی تو مین انہی بیانات بالا کی تائید و توثیق مین اور بہت کچھ لکھ سکتا ہون، اب وقت آگیا ہے کہ اگر دنیا کے مہمات مسائل کو پوری طرح سمجھنا ہے تو سیاسی ہنگامہ آرائی کے بجائے سنجیدگی کے ساتھ تاریخی حقائق و واقعات پیش نظر رکھے جائین"

## بندر اور وحشی انسان

بندر اور انسان کا قریبی تعلق سائنس کا ایک اہم مسئلہ ہے، حال مین انگلستان کے ہفتہ وار رسالہ پاپولر سائنس سفٹنگز نے اس موضوع پر ایک دلچسپ مضمون لکھا ہے، صاحب مضمون کا دعوی ہے کہ روزانہ زندگی کے بہتیرے اعمال جنین کسی خاص غور و فکر کی ضرورت نہین ہوتی، مثلاً جھاڑو دینا، خندق کھودنا وغیرہ ایسے ہین جو بڑے قسم کے بندرون سے لئے جا سکتے ہین، اور اسطرح انسانون کی ایک بڑی جماعت ان مشاغل سے فارغ ہوکر دوسری چیزون کی طرف متوجہ ہو سکتی ہے -

صاحب مضمون کی روایت ہے کہ حال مین ایک مقام پر اتفاق سے دو سرکس جمع ہوئے، ان مین سے ایک کے ہمراہ ایک بڑے قد کا چمپانزی بندر رہتا تھا اور دوسرے کے ساتھ افریقہ کا ایک وحشی انسان تھا جو پست ترین دماغی سطح رکھتا تھا، جسے عموماً بن مانس کہتے ہین، ان دونون کے خصائص دماغی کے مقابلے

ؔؔ Creasy's History of Ottoman Turks.

معلوم ہوا کہ چمپانزی کسی حالت مین بن مانس سے عقلاً کم نہین،

" اس وحشی انسان کی زبان مین کل ۲۰۰ الفاظ ہین، اسکا حافظہ بے شبہ نہایت قوی ہے، لیکن استدلال و استنباط کی قوت گویا مفقود ہے، چنانچہ لفظ "پرسون" کا کوئی مفہوم ہی اسکے دماغ مین نہین پیدا ہوتا، اور نہ وہ تین سے زاید گنتی گن سکتا ہے، وقت وزمان کا چونکہ اُسے کوئی تخیل نہین، اسلئے وہ اپنی عمر بھی نہین بیان کر سکتا، لیکن غالباً اسکی عمر ۵۰ سال کی ہے، زمین پر جہانتک دیتے وقت اگر اسکی نگرانی پوری طور پر رہے تو وہ ٹھیک کام کرتا ہے، لیکن اگر نگاہ ذرا چوک جاتی ہے تو وہ سارا خس وخاشاک سابق کی طرح از سرنو زمین پر بکھیر دیتا ہے، اسے جلد غصہ نہین آتا بلکہ علی العموم وہ بہت ہی خوش مزاج رہتا ہے اسکی زبان مین "مان" اور "باپ" کے لئے الفاظ ہین مگر وہ دونون مین کوئی فرق نہین کرتا "

اسکے مقابلہ مین چمپانزی جسکے کان بہت بڑے ہین، اسکی عمر ۱۲ سال کی ہے، اور قد ۴ فٹ ۸ انچ ہے، اسکا وزن ۱۴۰ پونڈ (تقریباً ۷۰ سیر) ہے، محققین کا اسپر اتفاق ہے کہ اسکے اعمال سے صاف قصد وتعقل وغور وفکر مترشح ہوتا ہے، اسکو جب کوئی شخص مٹھائی دیتا ہے تو وہ اُسے اپنے آقا کے حسب ہدایت اُسی کے ہاتھ مین دیدیتا ہے لیکن اگر مٹھائی کی ڈلی ایک سے زاید ہوتی ہے تو ایک وہ اپنی ہتھیلی مین چھپا لیتا ہے، اسپر اگر آقا ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہے تو وہ اپنی بے قصوری ثابت کرنے کو خالی ہتھیلی اُسے دکھا دیتا ہے، اس فعل کا صدور ظاہر ہے کہ بغیر عقل کی وساطت کے نہین ہو سکتا۔

ایک مرتبہ سنگ مرمر کے دس ٹکڑے اُسے کھیلنے کے لئے دیئے گئے، جن سے وہ دن بھر کھیلتا رہا، اسکے بعد وہ بکس جسمین وہ ٹکڑے تھے، اُس سے لیلیا گیا، اور اُن مین سے دو ٹکڑے غائب کر دیئے گئے، اب وہ بکس جب دوبارہ اُسے دیا گیا تو اُس نے آٹھون ٹکڑون کو گن کر باقی دو کی تلاش شروع کی،

اس وحشی انسان کے مقابلہ مین جو تین سے اُوپر گنتی نہین جانتا تھا، یہ بندر گویا نیوٹن تھا جو آٹھ تک گن لیتا تھا، اور جمع وتفریق سے واقف تھا۔

# اخبار علمیہ

ماہ گذشتہ مین آکسفرڈ یونیورسٹی پریس نے ایک بلند پایہ کتاب مسلمانون کے فن تعمیر پر شائع کی ہے جسکا نام "اسلامی طرز تعمیر، اسکا آغاز و ارتقا" (Muslim Architecture its origin and development) ہے، اصل مصنف ایک اطالوی محقق، جی، ٹی، ریودیرا صاحب ہے، اطالوی زبان سے انگریزی ترجمہ مسٹر رشفورتھ نے کیا ہے، کتاب مین اصلی بحث مسجد و محراب کے طرز تعمیر اور اسکی تاریخ سے کیگئی ہے، ایکسو اسّی تصاویر بھی شامل ہین،

---

حیدرآباد دکن کی مجلس آثار قدیمہ (آرکیالوجیکل سوسائٹی) نے اپنے بانی سر الگزنڈر پنہے کی یادگار مین ہر دوسرے سال ایک طلائی تمغہ اس شخص کو دینا تجویز کیا تھا جو دکن تاریخ یا آثار قدیمہ پر بہترین تصنیف کرے، چنانچہ سنہ ۱۹۲۳ء مین چہ مختلف اصحاب نے اس تمغہ کے حصول کی کوشش کی، فیصلہ کرنے والی کمیٹی کے تینون ارکان، آکسفرڈ یونیورسٹی کے مشاہیر فضلا تھے، یعنی ڈاکٹر اسمتھ (ماہر فن تاریخ) ڈاکٹر مارکروک (ماہر علم الانسان) و ڈاکٹر میرٹ (ماہر علم الاجتماع) اس کمیٹی نے سب سے بہتر تصنیف مسٹر ہنری کزنس کی قرار دی جسکا عنوان "بیجاپور اور اسکے آثار" ہے، دوسرے نمبر پر پروفیسر پنچانن مترا کی تصنیف "دکن کی اقوام و تہذیب عصر قبل تاریخ مین" قرار پائی۔

---

علم ہیئت کی ایک فاضلہ مس لومس نے حساب لگا کر بتایا ہے، کہ ہوائی جہاز کے ذریعہ سے جسکی فی ساعت رفتار دو سو میل فی گھنٹہ ہو، اگر آسمان کی سیر کیجائے اور درمیان مین مطلق توقف نہ کیا جائے، تو انسان پانچ ہفتون مین

قمر تک پہنچ سکتا ہے، زہرہ تک کچھ اوپر ۱۲ سال مین مریخ تک ۲۰ سال مین، مشتری تک دوسو برس مین، زحل تک ساڑھے چار صدیون مین، عطارد تک کم وبیش ایک ہزار سال کی مدت مین، اور نیچون تک ڈیڑھ ہزار سال مین!

لیکن یہی مسافتین اگر روشنی کی رفتار سے طے کیجائین جسکی شرح ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل فی ثانیہ ہے تو کرۂ ارض کا چکر ⅛ ثانیہ مین لگایا جاسکتا ہے. قمر تک ۱¼ سکنڈ مین پہنچا جاسکتا ہے، آفتاب تک ۸ منٹ مین اور نیچون تک کچھ اوپر چار گھنٹہ مین،

---

یہ حال سیارون کا تھا. ثوابت (ستارون) کا فاصلہ ان سے بدرجہا زیادہ ہے، انکی خارج از وہم وقیاس مسافت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اگر ہوائی جہاز کے ذریعہ سے جسکی شرح رفتار دوسو میل فی گھنٹہ ہوگی، اور جو ایک لحظہ کے لئے بھی کہین توقف نہ کریگا نیچون سے قریب ترین ستارہ تک سفر کیا جائے. تو اس مین ایک کروڑ ۴۵ لاکھ سال کی مدت صرف ہوگی، اور اس اثنا مین خود نظام شمسی معلوم نہین کہان سے کہان پہنچ جائے، اسلئے کہ آفتاب مع اپنے نظام کے برابر ۱۲ میل فی سکنڈ کے حساب سے آگے بڑھتا چلا جارہا ہے۔

---

آخری اعداد کے بموجب سال گذشتہ مین ہندوستان مین مدارس کی تعداد ۱۹۶۹۱۹ تھی، اسمین بمقابلہ سال پیوستہ کے ۴۲۶۴ کا اضافہ ہوا، طلبہ کی مجموعی تعداد ۶۸۰۴۴۹۷ تھی، اسمین بہ نسبت سال پیوستہ کے ۱۲۲۹۶۶ کا اضافہ ہوا، سال پیوستہ مین آبادی کے تناسب سے طلبہ کی تعداد ۲۲۳ تھی، سال گذشتہ مین ۲۲۶ تک پہنچی، اساتذہ کی مجموعی تعداد سال گذشتہ ۲۹۲۷۳۹ تھی، جسمین سے ۴۲۵۵۹ ٹرنیڈ تھے اور ۱۹۸۷۶ ازیر ٹرمینگ تھے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ سال عیسوی ۳۶۵ دن کا ہوتا ہے، جسکے بعض مہینے ۳۰ اور بعض ۳۱ دن کے ہوتے ہیں، حال میں امریکہ میں یہ تحریک زور وشور سے ہوئی ہے کہ سال کے سب مہینے مساوی مدت کے ہونے چاہئیں، اور ہر مہینہ ۲۸ دن کا ہونا چاہیئے، اس حساب سے بارہ مہینوں کی مجموعی مدت ایام ۳۳۶ دن کی ہوتی ہے، اسکے لئے یہ تجویز ہے کہ ایک تیرہوان مہینہ لبرٹی کے نام سے اضافہ کیا جائیگا۔ جو فروری و مارچ کے درمیان ہوگا اور جو ۲۹ دن کا ہوگا، اس تقویم میں سہولت یہ ہوگی کہ ہرماہ دوشنبہ سے شروع ہوگا، اور یکشنبہ کو ختم ہوگا، اور جس روز جو تاریخ پڑیگی اسی کے مطابق ہمیشہ واقع ہوتی رہیگی، ۲۸ دسمبر و یکم جنوری کے درمیان ایک نئے دن کا اضافہ کیا جائیگا جسکا نام "محض نوروز" ہوگا، علی ہذا حساب کو درست کرنے کے لئے ۲۸ فروری و یکم مارچ کے درمیان ایک نیا دن بڑھانا پڑیگا جسکا نام "یوم اصلاح" ہوگا، اگر یہ تحریک مقبول ہوگئی تو سنہ ۲۲ سے اسپر عمل شروع ہوجائیگا،

# آثارِ علمیہ و ادبیہ

## نامۂ سرسید و شبلی

### دربارۂ تفویض تعلیم دینیات مولوی عبداللہ صاحب انصاری

قبلہ ام۔ آداب، مولانا عبداللہ صاحب انصاری ماشاءاللہ جلیل القدر فاضل اور نہایت بابرکت شخص ہیں، اب یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف کا ترجمہ جو کہ خاکسار کالج کلاس کے طلبہ کو پڑھاتا ہے، وہ مولانا صاحب ممدوح کے متعلق کردیا جائے، علاوہ عمدہ تعلیم پانیکے طلبہ کو انکی برکت سے روزانہ مستفیض ہونے کا موقع ملیگا۔

شبلی،

۲۰- جنوری ۱۸۹۵ء

شمس العلما مولوی شبلی صاحب،

یہ کام مولوی عبداللہ صاحب کے متعلق نہیں ہوسکتا، اُن سے ایک خاص کام طے ہوا ہے، وہ دیگر خدمات سے ہمیشہ مستثنیٰ رہیں گے، لہذا یہ کام اُنکے متعلق کرنا مناسب نہیں ہے، آپ برسوں سے بخوشی خاطر یہ کام کررہے ہیں، اب کیوں خودغرضی سے جی چُراتے ہو،

سید احمد

۲۰- جنوری ۱۸۹۵ء

قبلہ ام۔ اگر جناب کو کچھ خرابی کا احتمال ہو تو مولوی عبداللہ صاحب کے متعلق یہ کام صرف ایک دو مہینے کے لئے کردیا جائے، میری یہ استدعا ایک معمولی بات تھی لیکن بعض وقت بدقسمتی سے چھوٹی سی بات بھی ایک امرِ اہم بنجاتا ہے، جب مولوی صاحب ہر ہفتہ نہایت تفصیل و توضیح کا موقع پاکر وعظ میں

اطہو گئے ہین تو ترجمہ مین کیون نہ احتیاط کرین گے، مین پہلے روز انکو قرآن کے گھنٹہ مین بلاکر کہا دونگا
ن اس طرح پڑہاتا ہون اور آپ کو بھی یون ہی پڑہانا چاہیئے، وہ ضرور اسی طرح پڑہاوین گے، کالج کا
د اسمین کوئی نقصان نہین ہے، بلکہ جو شخص خاص دینیات کے لئے ایک معقول مشاہرہ پاتا ہو،
لج کی انتظامی حیثیت سے یہ کام اسکے تعلق ہونا بہتر ہے، میری ذاتی غرض صرف اسقدر ہے کہ مجھکو
لکھنے پڑہنے کے لئے وقت نکل آئیگا، ورنہ چونکہ جاڑون مین مدرسہ ۹ بجے سے ہوتا ہے اور صبح
بجے ہوتی ہے، بعد ضروریات سے فارغ ہوکر ذرا دیر کے بعد کھانا کھانے کے مدرسہ کے
ینکی پڑجاتی ہے، اگر میری اس استدعا کو میرے جی چرانے اور کسی قسم کی خودغرضی پر محمول کیا جائے
میری کمال بدقسمتی، اس باب مین میرے یہ آخری کلمات ہین -

شبلی.

۲۲۔ جنوری،

مولوی شبلی صاحب،

آپ نے اپنی طولانی تحریر کو ایسے عنوان سے شروع کیا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مجھکو
مولویصاحب کے کام پر اطمنان نہین، (حاشا وکلا) اگر ایسا ہوتا تو ایسا عظیم الشان کام جو کہ کالج کی
ان سے انکے سپرد ہرگز نہ کیا جاتا مجھے ان پر بہت بڑا اطمنان ہے، وہ صدہا علماء مین سے اس
جلیل القدر کام کے واسطے منتخب کئے گئے ہین، شاید آپکا خیال خرابی یا بے اطمنانی کی طرف میرے
س لفظ سے گیا ہوگا کہ (یہ کام انکے متعلق کرنا مناسب نہین) اسکے یہ معنی ہین کہ مین کسی طرح انکے
خلاف مرضی کوئی کام انکے متعلق کرنا پسند نہین کرتا، مگر مین منشی سعید احمد صاحب کی معرفت مولویصاحب کی
رضی مبارک دریافت کرونگا -

۲۲ - جنوری ۹۵ء

# ادبیات

## بزم سخن

جولائی کے وسط ہفتہ مین ہندوستان مین ہر جگہ برسات کا موسم ہوگا لیکن دار المصنفین مین ان دونون فصل بہار تھی کہ بعض وہ احباب جنکے وعدون پر کئی بہارین گذر چکی تھین اور وہ پورے نہین ہوتے تھے، اس ہفتہ مین تکمیل کو پہنچے، یہ سارا ہفتہ گو علم و فن اور شعر و سخن کے تذکرون سے معمور رہا، لیکن وہ لذت کیف، ابتک باقی ہے، جب ایک شب ماہ مین. یہ طے پایا کہ ہر صاحب اپنے اپنے مذاق کے لحاظ سے مرزا غالب کا ایک ایک دو دو شعر جو انکے نزدیک بہترین ہو سنائیں، اس ادبی دسترخوان پر جو سامان ضیافت جمع ہوا چونکہ وہ سفرۂ عام تھا اسلئے ہم انکو اپنے ناظرین کے سامنے بھی آج چن دیتے ہین ۔

پروفیسر عبد الباری صاحب ندوی،

محرم نہین ہے تو ہی نواہاے راز کا ۔۔۔ یان ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا
جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن ۔۔۔ بیٹھا رہون تصور جانان کئے ہوئے

مولوی عبد السلام صاحب ندوی،

اچھا ہے سر انگشت حنائی کا تصور ۔۔۔ دل مین نظر آتی تو ہے اک بوند لہو کی

مولوی عبد الماجد صاحب بی۔ اے،

مستی کے مت فریب مین آجائیو اسد ۔۔۔ عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے
ہان کھائیو مت فریب ہستی ۔۔۔ ہر چند کہین کہ ہے نہین ہے

سید سلیمان ندوی،

قید حیات و بند غم اصل مین دونون ایک ہین ۔۔۔ موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیون

مولوی ابوالحسنات صاحب ندوی،

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں
جانفزا ہے بادہ جسکے ہاتھ میں جام آگیا سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگ جاں ہوگئیں

مولوی ضمیرالدین صاحب بی-اے ایل ایل بی۔

نہ گُل نغمہ ہوں نہ پردۂ ساز میں ہوں اپنی شکست کی آواز

## فریاد اکبر

اہلِ غم و شادی کا نہیں قوم میں اب حس چشم عقلا سے یہ بصیرت ہوئی مفقود
پابند ہیں اُسکے رز و یونین جو ہوا پاس ہنسنے پہ بھی تیار ہیں رونے کو بھی موجود

اُنہوں سے کہا میں نے کہ خاموش ہیں کیوں تم تقریر نہ تحریر نہ غصہ نہ خوشامد
باہو سکے نہ دمساز نہ یاروں سے ہم آواز ماہی میں نہ ممتاز نہ اشتر میں سرآمد
کہنے لگے کیا آپکو معلوم نہیں ہے، "آنرا کہ خبر شد، خبرش باز نیامد"

چرخ نے پیش کیشن کہدیا اظہار میں قوم کالج میں اور اسکی زندگی اخبار میں
شوہر افسردہ پڑے ہیں اور مرید آدھے ہیں بیبیاں اسکول میں ہیں شیخ جی دربار میں

# فکرِ سہیل

مولوی اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے ال ال بی

سنائیں کسکو الٰہی غمِ نہان اپنا — اس انجمن میں نہیں کوئی ہمزبان اپنا
بلا نہ بیخبری میں کہیں نشان اپنا — سراغ ہم نے لگایا کہاں کہاں اپنا
مٹایا ہم نے محبت میں خانمان اپنا — ہو سکا مگر اب بھی وہ بدگمان اپنا
نہیں ہے خوفِ اسیری سے ہمتِ پرواز — ہمیں تو کنجِ قفس ہے یہ آشیان اپنا
بری ہے صورتِ طیارہ رفعتِ پرواز — ہمیشہ سینے میں گھٹکر رہا دھوان اپنا
دہانِ زخم پہ کردی ہے رعبِ حسن نے مہر — سنائے کیا غمِ دل عشقِ بے زبان اپنا
مجھے بھی اذنِ فغان مل سکے تو مرغِ اسیر — ترے قفس سے بدل لون میں آشیان اپنا
کسی طرح تو ملے دادِ سخت جانی کی — بنالیں کاش مجھے سنگِ آستان اپنا
تری چھری سے نہ جھپکیگی آنکھ اے صیاد — ازل سے برق کا دامن ہے آشیان اپنا
یہ امتیازِ من و تو مٹا محبت میں — کہ آپ پر مجھے ہونے لگا گمان اپنا
لحد میں کوئی نہیں ہے شریکِ تنہائی — بلا سے ایک زمانہ ہے نوحہ خوان اپنا
الٰہی خیر کہ صیاد لیکے دستۂ گل — چلا ہے آج سجانے کو آشیان اپنا
دیارِ حسن کی آب و ہوا معاذ اللہ — کہاں سے بھول پڑا امین کاروان اپنا
وفا فروش نہیں ہم کہ مثلِ لالۂ و گل — پھرین دکھاتے ہوئے زخمِ خونچکان اپنا
یہ امنِ سلطنتِ حسن ہے کہ اہلِ وفا — ہتیلی پر لئے پھرتے ہین نقدِ جان اپنا
صدائے زنگلۂ دل پیامِ عبرت ہے — رواں ہے منزلِ ہستی سے کاروان اپنا
سکوتِ شمع پہ صدقے ہزار نطق سہیل — یہ کہہ سکی تو سرِ بزم سوزِ جان اپنا

# باب التقریظ والانتقاد

**تاریخ التعلیم** ۔ مرتبہ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد ایم اے ڈی ایس سی پرنسپل علیگڈہ کالج ضخامت ۱۸۹ صفحہ، سائز ۲۰×۲۶ قیمت عہ، ملنے کا پتہ:- دفتر کانفرنس علیگڈہ۔

ڈاکٹر صاحب ہماری قوم مین بحیثیت ماہر فن تعلیم مدت سے شہرت رکھتے ہین چنانچہ آج سے تیرہ چودہ برس پیشتر جب وہ یورپ سے واپس آئے ہین، اسی وقت سے انکی ذات سے بہترین تعلیمی توقعات وابستہ ہوگئی ہین جو افسوس ہے کہ ابتک برائے نام ہی پوری ہوئین، تاریخ التعلیم انکی شاید سب سے پہلی تالیف ہے بقول مولف تاریخ تعلیم سے مقصود یہ ہے کہ

> نوع انسان نے جو ترقی ہر ملک ہر زمانہ و ہر قرن مین ذہنی و اخلاقی حیثیتون سے کی ہے، اُسکے تمام حالات و کیفیات اور اُسکے متعلق تمام معلومات"

فراہم کئے جائین، اسقدر وسیع موضوع کو سنبھالنا کوئی آسان امر نہ تھا جناب مولف کو خود اعتراف ہے کہ

> "یہ مختصر اوراق اُسکے بیان کرنے کے لئے ہرگز کافی نہین ہوسکتے"

اسلئے اُنھون نے اسکی صرف ایک شاخ فن تدریس کو انتخاب کیا، اور اُسکو بھی چار حصون مین تقسیم کیا جنمین سے صرف حصہ اول ہنوز شائع ہوا ہے، اس حصہ کا موضوع "مسئلہ تعلیم کی تاریخ علمی و عملی حیثیتون سے بیان کرنا ہے" تمہید کے بعد صفحہ ۵ پر "باب اول" درج ہے، جسکے نیچے کوئی توضیحی عنوان نہین، "باب اول" سے قدرتی طور پر یہ متبادر ہوتا ہے کہ آگے اور ابواب بھی ہونگے، لیکن شاید ساری کتاب ایک ہی باب کے نذر ہوگئی، بلکہ جس اچانک طریقہ پر کتاب کا خاتمہ ہوا ہے اس سے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ غالباً باب اول کا کچھ جزو اب بھی باقی رہ گیا ہے جو آیندہ حصون مین درج ہوگا،

ایسے مواقع پر فہرست مضامین بہت سہولت پیدا کردیتی ہے لیکن اس کتاب مین شاید فہرست کا اندراج

بھی سہواً رہ گیا:-

فن تدریس کے مورخ سے توقع یہ تھی کہ قدیم متمدن اقوام کے طریقہ تدریس پر شرح و بسط سے گفتگو کریگا، لیکن تاریخ التعلیم مین متعدد اہم اقوام قدیمہ مثلاً اہل چین و اہل مصر کا مطلق ذکر نہین، اور ہندوستان اور بنی اسرائیل کا صرف دو دو صفحون مین ذکر ختم کر دیا گیا ہے، جس سے معلوم نہین ناظرین کے کس طبقہ کی معلومات مین اضافہ مقصود تھا، یونان، ممالک اسلامی اور یورپ کے مشاہیر علما تعلیم کے اصول و خیالات پر البتہ کسیقدر تفصیل سے لکھا گیا ہے لیکن یہ معلومات تمامتر وہ ہین جو اس فن سے متعلق انگریزی کی ہر متداول کتاب مین ملجاتے ہین،

اعداد و واقعات کی نقل مین مسامحت و بداحتیاطی کی جا بجا مثالین ملتی ہین، صفحہ ۱۰ پر تحریر ہے کہ اسپنسر کی مشہور ترین کتاب "کا نام "فلسفہ ترکیبی" تھا، حالانکہ اس نام سے اسکی کوئی کتاب موسوم نہین، "فلسفہ ترکیبی" درحقیقت اسکے پورے نظام فلسفہ کا نام تھا جسکے سلسلہ مین اس نے متعدد مجلدات تیار کئے ہین، یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ مولانا شبلی کی بہترین تصنیف کا نام "سلسلہ آصفیہ" تھا۔

اسی صفحہ پر اسپنسر کا سال وفات سنہ ۱۸۹۳ء لکھا ہے حالانکہ وہ سنہ ۱۹۰۳ء تک زندہ رہا، اسطرح کی متعدد مثالین ہین۔

کتاب کی زبان و طرز ادا کے متعلق افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اسمین کسی قسم کی دلکشی نہین، اکثر مقامات پر صاف ترجمہ معلوم ہوتا ہے، اور ترجمہ بھی لفظی، جملون کی ساخت و ترکیب عموماً اردو کے لئے نامانوس ہے، دو ایک لفظ تقریباً ہر صفحہ پر ایسے آگئے ہین جو ادنیٰ توجہ سے درست ہو سکتے تھے، صفحہ ۱۶۱ پر "مادہ پرستی" یا "مادیت" کے بجائے "مادیت پرستی" "اولیٰ" کے بجائے "اولیٰ تر" صریحاً غلط ہین، کہین کہین عبارت بالکل بے معنی ہو گئی ہے،

لیکن باوجود ان کمزوریون اور لغزشون کے کتاب کا مطالعہ فی الجملہ بہت سے ناظرین کے لئے مفید ہوگا، اور بحیثیت مجموعی یہ کہنے مین تامل نہین کہ اگرچہ تاریخ التعلیم ڈاکٹر ضیاء الدین احمد کی تعلیمی شہرت سے بہت ہی فروتر ہے تاہم اردو کی ناداری کو دیکھتے ہوے یہ بھی غنیمت ہے، ڈاکٹر صاحب اگر آیندہ ایڈیشن مین زیادہ توجہ و احتیاط ملحوظ رکھین تو یقیناً اس سے بہتر و مفید تر کام کر سکتے ہین۔

# مطبوعات جدیدہ

**مشاہیر یونان و روما جلد دوم،** یونانی حکیم پلوٹارک کی مشہور کتاب "پیرلل لائوز" کا اردو ترجمہ از جناب سید ہاشمی فریدآبادی۔ شایع کردہ انجمن ترقی اردو۔ اس کتاب کا پہلا حصہ گذشتہ سال شایع ہو چکا ہے، اب اُسکا دوسرا حصہ شایع ہوا ہے، یہ یونان و روما کے مشہور خطبا، اور رجال سیاست کی سوانح عمریان ہین جنمین نہایت خوبی کے ساتھ انکے ان خصوصیات کو نمایان کیا گیا ہے جو انکی کامیابی اور شہرت دوام کا باعث ہوئین۔

ترجمہ کی عبارت جلد اول سے بہت زیادہ سلیس، روان اور صاف ہے گو اب بھی ناقدین کہین کہین لفظی گرفت کر سکتے ہین، لیکن کم، ہماری راے مین جناب مترجم مجموعی حیثیت سے اپنی کوشش مین کامیاب رہے ہین، اور انکا قلم ہر آیندہ سال گذشتہ سال سے بہتر نمونہ پیش کر رہا ہے۔ صفحے ۳۰۸، لکھائی چھپائی عمدہ، کاغذ سفید تقطیع کتابی قیمت مجلد ۲؍ غیر مجلد ۱۲؍ پتہ:- صدر دفتر انجمن ترقی اردو اورنگ آباد، دکن۔

**رسالہ علم نباتات،** اردو زبان مین فلاحت و باغبانی پر گو بہت پرانی کتابین موجود ہین لیکن مستقل علم نباتات پر اب تک کوئی کتاب موجود نہین تھی، اسباق الاشیا مین معمولی باتین ہوتی ہین، جناب مولوی محمد یوسف صاحب صدیقی ایم آر اے ایس بہت کچھ شکریہ و تحسین کے مستحق ہین، کہ اُنھون نے ایک مختصر رسالہ اس علم مین لکھا ہے، اور خوبی کے ساتھ لکھا ہے، رسالہ ترقی اردو کی طرف سے شایع ہوا ہے، اُمید ہے کہ ملک مصنف کی اس پہلی کوشش کی داد دیگا، صفحے ۱۳۶، تقطیع اوسط، کاغذ عمدہ، لکھائی چھپائی صاف، قیمت مجلد ۸؍ پتہ:- صدر دفتر انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد (دکن)

**ماہ عجم،** مولوی راشد الخیری صاحب دہلوی محتاج تعارف نہین، انکے افسانے ملک مین مقبول ہو چکے ہین، ماہ عجم انہی کی قوت فکر کا نتیجہ ہے، افسانہ کے پیرایہ مین اُس وقت کے واقعات لکھے ہین، جب

اسلامی فوج کا سیلاب عظیم عراق عرب سے گذرتا ہوا سرزمین ایران میں موجیں مار رہا تھا، ناظرین کی دلچسپی کے لئے، ایسی مضمون نے داستان حسن وعشق بھی چھیڑ دی ہے، اور جہان ایک طرف اسمین اسلامی فوجی و جنگی حالات کا نقشہ کھینچا گیا ہے، نہایت حسن وخوبی کے ساتھ جذبات عشق ومحبت کی حالت مین بھی مسلمانون کے عمدہ کیرکٹر اور محاسن اخلاق کو بھی نمایان کیا ہے، حق یہ ہے کہ مصنف نے افسانہ نویسی کے تمام اصولون کو بڑی کامیابی کے ساتھ نباہا ہے، زبان عمدہ، سلجھی ہوئی اور صاف ہے، داستان کا مجموعی مرقع وترتیب بھی عمدہ ہے، لیکن یہ ایک واقعہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ اسمین انشاپردازی صرف کیگئی ہے، ایک ہی مفہوم کے جملے متعدد طریقے سے ادا کئے گئے ہیں، اور کہین کہین کئی کئی سطرون تک چلے گئے ہین، ناولون اور افسانون مین ناظرین کو آیندہ واقعات کا انتظار رہتا ہے نہ کہ مصنف کے متحد المفہوم جملون کا، لکھائی چھپائی صاف، عمدہ، کاغذ سفید تقطیع کتابی صفحے ۱۴۲، قیمت خریداران رسالہ کہکشان سے قسم اول عہ، قسم دوم ۸ ر، دیگر حضرات سے عنا۔

پتہ :- مینجر رسالہ کہکشان، لاہور،

**تفسیر نے نامہ**، مثنوی مولانا روم علیہ الرحمہ کے ابتدائی دو شعرون کی تفسیر کیگئی ہے، تشریح اور توضیح جو کچھ کیگئی ہے، اچھی اور غنیمت ہے، صفحہ ۸ قیمت ۲ ر، پتہ :- منشی حاجی معین الدین صاحب، انجنیر مراد آباد،

**لیلائے تہذیب**، جناب ابن عیسیٰ صاحب جالندھری کی ایک تقریر ہے جو انھون نے آل انڈیا ... مین کانفرنس مین کی تھی، اسمین قوم کو مذہبی تعلیم وضروریات کی طرف متوجہ ہونیکی دعوت دیگئی ہے، آخر تقریر مین انھون نے مسلمان بچون کی تعلیم کے لئے ندوہ کا نام لیا ہے جہان مذہبی و دنیاوی دونون تعلیمون کا انتظام ہے، صفحہ ۲۴،

پتہ :- نبی بخش صاحب کلرک پولیس ہوشیار پور، (پنجاب)

**ارمغان کلکتہ**، حاجی اسمٰعیل سیٹھ صاحب متوطن مدراس نے اپنے سفر کلکتہ کے واقعات جمع کئے ہین، وہ جب کلکتہ پہنچے تو انکے اعزاز مین شعرائے کلکتہ نے جو بزم مشاعرہ منعقد کی اسکی غزلین بھی اسمین درج ہین اور شعرائے کلکتہ کے مختصر حالات بھی ہین، صفحہ ۸۱،